گئی رُتوں کا فریب

نازیہ کنول گیلانی

انتساب

یہ زندگی دھوپ میں برف کی مانند ہے۔ چند روز کی مہمان۔ لیکن تمہیں کھیل کود کی پڑی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ بے علم اندھے مشعلچی کی طرح ہے یہ اور زیرک و ادراک رکھنے والے کے منہ میں زبان علم و ہنر کے خزانے کی کنجی ہے۔

تم میری متاع حیات ہو..... تمہاری ذات لطیف شبنم کی طرح ریشم ریشم زیر نظر کتاب میں تمہارے نام کرتی ہوں..... تاکہ تم زندگی کے نشیب و فراز سمجھ سکو۔ میری بیٹی وہاج افضل بخاری۔ خدا کرے تمہاری شب کبھی بے چراغ نہ ہو۔

ناز کفیل گیلانی

ساہیوال

زلیخا... .زلیخا بیٹی .....

رقیہ بانو نے برآمدے میں آتے زلیخا کو پکارا۔

آئی امی .....

زلیخا کچن سے بولی .....

تھوڑی دیر کے بعد زلیخا دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی برآمدے میں آئی۔

ایک کپ چائے کا دے دو بیٹی .....

زلیخا کو آتے ہی دیکھ کر رقیہ بیگم نے کہا۔

لاتی ہوں ..... بھیا کو فارغ کیا ہے ..... اب آپ کی باری ہے۔ زلیخا واپس جاتے ہوئے بولی۔

سنو ذرا۔ رقیہ بانو نے دوبارہ آواز دی۔

جی ..... زلیخا وہیں سے بولی۔

اپنے ابا کو بھیجو میرے پاس ..... ناشتہ کرلیا انہوں نے ..... وہ بولیں۔

بس اب وہ جانے کی تیاری میں ہیں ..... جو کہنا ہے شام کو کہہ لیجئے گا۔ زلیخا دوبارہ کچن میں چلی گئی۔ وہ جانتی تھی ماں کیا کہنے والی ہے۔

ابا ..... اماں بلا رہی ہیں ..... بات سن کے جایئے گا۔ زلیخا نے چائے کی کیتلی اتار کر فرش پر رکھی اور ماں کا پیغام دے ہی دیا۔

اب وقت نہیں ہے ..... شام کو ہو جائے گی بات ..... وہ گھونٹ نگل کر چوکی سے اٹھے اور باہر کی طرف چل دیئے۔

امی جان خالہ زلفن آئی ہیں۔ صحن سے شاہدہ کی آواز آئی ..... بچی کے کپڑے تبدیل کر رہی

تھی۔

زلفن ہے..... اچھا..... ادھر بھیج دو..... میرے پاس..... رقیہ بیگم کی آواز میں بے کلی کا عنصر شامل تھا۔

برآمدے میں چلی جاؤ خالہ۔شاہدہ نے زلفن سے کہا۔

سلام بی بی.....زلفن نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

بہو..... زلیخا کو کہو..... زلفن کے لئے چائے لائے..... بلکہ ناشتہ لے آئے۔رقیہ بانو نے مسرت بھرے انداز میں فوراً کہا۔ جیسے کوئی مراد پوری ہونے والی ہو۔

ارے نہیں بی بی..... ناشتہ نہیں..... چائے ہی بہت ہے.....زلفن نے ناک سکیڑی اور چادر اتار کر دوپٹے کے پلو کو درست کرنے لگی۔

تھک گئی ہو.....رقیہ بانو نے کہا۔

اور کیا بی بی..... دس گھروں کا چکر لگا کر آ رہی ہوں..... بھلا اس دور میں اچھے رشتے یوں ہی مل جاتے ہیں.....میلوں مسافت کرنا پڑتی ہے۔زلفن نے احسان جتلایا۔

کرایہ لگ گیا ہوگا۔آخر مہنگائی ہے نا.....رقیہ بیگم نے لال نوٹ نگاہیں گھما کر زلفن کو تھمایا۔ مبادہ کوئی دیکھ نہ لے۔

کرایہ تو لگتا ہی ہے..... جتنا لگتا ہے اتنا لوگ دیتے نہیں.....زلفن نے اپنی ارزتی آنکھیں پھرا کر لال نوٹ کو اپنی اندرونی جیب میں گھسیڑ لیا اور قمیض درست کر لی پھر اپنے دونوں پاؤں کرسی کے اوپر رکھ لئے۔

اچھا سنو زلفن۔اپنی زلیخا کے لئے گئی تھی.....کوئی آتا پتا چلا۔رقیہ بیگم نے آگے جھک کر جیسے سرگوشی کی۔

اری آپا.....اپنی زلیخا کے لئے تو ماری ماری پھر رہی ہوں.....زلفن نے چادر سے چہرا صاف کیا۔

پھر.....رقیہ بانو نے ایک دم کان کھڑے کئے۔

رشتہ تو ہے..... پر.....زلفن کسمسا کر رک گئی۔

پر.....کیا۔رقیہ بانو کا دل سینے میں ڈوب گیا۔

زلفن نے آنکھیں گھما پھرا کر تجسس پیدا کیا۔وہ رقیہ بانو کو تڑپا کر تسکین دینا چاہتی تھی۔

دلہن..... چائے لے آؤ..... بلکہ زلفن کے لئے چائے کے ساتھ ناشتہ بھی.....رقیہ بانو نے اونچی آواز میں کہا تا کہ کچن میں آواز پہنچ جائے۔اصرار سے بولیں۔

ناشتہ نہیں.....ایک کپ چائے بہت ہے..... میں نے کہہ جو دیا۔زلفن نے پہلو بدلا اور شکم سیر ہونے کا احساس دلایا۔

دوپہر میں [illegible] کھا لینا.....تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔رقیہ بانو نے کرسی اور قریب کر لی۔

شنوائی ہوئی تھی.....لاہور کے اردگرد کے دیہات ہیں نا.....وہاں رشتہ ہے۔زلفن نے بغور رقیہ بانو کی طرف دیکھا۔

مضافات میں۔رقیہ بانو کا دل مردہ سا ہو گیا..... ہائے اللہ بیٹی چک میں.....وہ سوچ کر رہ گئیں۔

لڑکا دیکھا تم نے.....رقیہ نے آہستہ سے کہا۔

ہاں.....لڑکا بھی اچھا ہے.....گھر بار بھی اچھا ہے.....لیکن لڑکے کی نوکری نہیں ہے.....زلفن نے معذوری ظاہر کی۔

کر لے گا نوکری..... پڑھا لکھا تو ہوگا.....نوکری بھی مل جائے گی.....رقیہ بانو نے آسانی پیدا کرنا چاہی۔

اس کی ماں نوکری کے بغیر نہیں شادی کرتی.....وہ کہتی ہے کھلاؤں گی کہاں سے..... باپ تو ہے نہیں.....زلفن بولی۔

یہ تو خاص مجبوری نہیں ہے.....تم شادی کی بات پکی کرو..... چند دن کی بات ہے..... میکے رہ لے گی لڑکی۔

کچن میں کان لگائے زلیخا نے دانت پیسے.....زلیخا کو غصہ آ رہا تھا۔

تھوڑی سی بھنک شاہدہ کے کان میں بھی پڑ گئی۔

اری بی بی جوانی رکھنا آسان نہیں ہے.....دیکھ سوچ لو.....داماد کی چھاؤں میں کوئی کتا بھی نا بیٹھے۔زلفن نے خبردار کیا۔

تم کوشش کرو.....لڑکی نے بھی بنک کا کورس کیا ہوا ہے.....نوکری کر لے گی.....رقیہ بانو نے کہا۔

اچھا.....اب جاتی ہوں..... آگے بھی جانا ہے۔زلفن نے کھڑے ہو کر چادر لپیٹی.....اسے

اطمینان سا ہو چلا تھا۔

کب آؤ گی۔ رقیہ بانو خود بھی کھڑی ہو گئیں۔

اب پکی شگنی کر کے ہی آؤں گی ..... تم فکر نہ کرنا..... کام بن جائے گا۔ زلفن کہتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی۔

رقیہ بانو پلٹی ہی تھیں کہ زلیخا نے بغور گھورا.....

کیا بات ہے..... کیسے دیکھ رہی ہو۔ رقیہ بانو آتے ہوئے بولیں۔

تنگ آ گئے ہیں آپ لوگ مجھ سے۔ زلیخا کا انداز تلخ تھا۔

کیا بک رہی ہے تو۔ اپنے حواسوں میں تو ہے..... رقیہ بانو بولیں۔

آپ کو میری شادی کی اتنی جلدی کیوں پڑی ہوئی ہے..... زلیخا نے برانگیختہ ہو کر کہا۔

جلدی..... جلدی پڑی ہوئی ہے..... تیرے ساتھ کی تین تین بچوں کی مائیں بن گئی ہیں..... تیس سال کو ہاتھ لگ گیا ہے..... تیرا..... جلدی نہ کروں تو اور کیا کروں .... رقیہ بانو جیسے پھٹ ہی پڑیں.....

رحیمہ کا رشتہ طے ہے..... اس کا کر دیں..... بعد میں ہو جائے گا میری طرف..... زلیخا پاؤں پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔

امی جان زلیخا ٹھیک ہی کہہ رہی ہے..... رحیمہ کا کر دیجئے..... شاہدہ نے صحن میں آ کر کہا۔

شاباش ..... بہو ..... تیری بھی بھلی کہی ..... لوگ انگلیاں گھسیڑ گھسیڑ کر میرے جبڑے توڑ دیں گے ..... پہلے چھوٹی کا کر دیا..... بڑی میں نقص ہو گا۔

اسلام علیکم ..... صحن میں حمیدہ کے آتے ہی سلسلہ کلام منقطع ہو گیا۔

خالہ آ گئی..... شاہدہ نے رقیہ بانو کو منایا کہ اب بات ختم کریں۔

آپا..... کیسی ہو۔ حمیدہ بانو نے بڑی محبت سے بہن کو گلے لگایا۔

اماں اندر آ جاؤ..... میں چائے لاتی ہوں۔ شاہدہ نے کہا۔

دونوں بہنیں سامنے بڑے کمرے میں چلی گئیں۔

شرجیل کیسا ہے..... ٹھیک تو ہے۔ رقیہ بانو نے بڑے پیار سے پوچھا۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے..... شرجیل ٹھیک بھی ہے اور اس کی ترقی بھی ہو گئی ہے۔ حمیدہ بانو نے بڑی چاہت سے کہا۔

بڑی خوشی کی بات ہے ..... شرجیل بھائی سے مٹھائی کھائیں گے۔ چھوٹی عاصمہ نے اچھل کر اپنی بھرپور مسرت کا اظہار کیا۔

مٹھائی ضرور کھلاؤں گی ..... فی الحال آج تو اپنی امانت لینے آئی ہوں۔ حمیدہ بانو ہنس کر بولیں۔

کیا؟..... رقیہ بانو کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

ہاں آپا..... کوئی بات نہیں سنوں گی ..... یہی تو دن ہیں کھانے کمانے کے ..... اب تو ماشاء اللہ افسر لگ گیا ہے میرا بیٹا..... حمیدہ بانو نے اپنے الفاظ میں زبردست اصرار پیدا کیا۔

ہاں اماں..... خالہ ٹھیک ہی تو کہتی ہیں ..... کر دیں نا رحیمہ باجی کا..... ڈھولک بجے گی..... گھر میں مہمان..... دفعان ہو جا..... ڈھولک کی پیاری۔ رقیہ بانو عاصمہ کو مارنے کے لئے دوڑیں لیکن وہ چھلانگ لگا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

تمہیں کیا ہوا..... رحیمہ نے ہنستے ہوئے عاصمہ کو دیکھا۔

ہونا کیا ہے..... وہی مسئلہ..... اماں بضد ہیں کہ زلیخا آپا کی شادی پہلے ہو..... میں نے کہہ دیا کہ رحیمہ باجی کی پہلے کر دیں..... اماں مارنے کو دوڑیں میں ادھر آ گئی..... عاصمہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

اوہو..... ہماری قسمت کہاں..... زلیخا آپا کی شادی ہو اور نہ ہماری سنی جائے..... رحیمہ بڑی مایوسی سے ہنس کر بولی۔

اماں روڑے اٹکا رہی ہیں..... باقی سب گھر والے تو راضی ہیں۔ عاصمہ نے کہا۔

مان تو اماں کی جائے گی نا..... گھر والے جو مرضی کہتے رہیں.....

چھوٹی......... ٹرے میں چائے اور تمام چیزیں لے جاؤ، زلیخا اندر داخل ہوئی۔

کیا بات ہے آپا..... عاصمہ نے پلٹ کر جواب دیا۔

اندر دے آؤ..... پلیز نا.........

میں تو نہیں جاتی..... اماں نے مار کر نکالا ہے..... عاصمہ شریر انداز میں ہاتھ جوڑے بولی۔

رحیمہ تم لے جاؤ..... ساس کو سلام بھی کہہ دینا۔ زلیخا بھی شریر ہو گئی۔

آپا تم لے جاؤ نا..... مجھے شرم آتی ہے..... اچھا نہیں لگتا..... رحیمہ نے معذرت خ[illegible]ہن سے انکار کر دیا۔

میں تم سب کی مجرم ہوں..... مجھے دیکھ کر اماں خالہ سے اور رونا رونے لگے گی..... زلیخا کو غصہ آ گیا۔

آپا..... کیسی باتیں کرتی ہو..... لاؤ میں لے جاؤں..... عاصمہ کو بڑی بہن پر ترس آ گیا..... وہ پھر جانے کے لئے تیار ہوگئی۔

لو..... شاباش..... میری ننھی منھی بہن بہت اچھی ہے..... زلیخا نے عاصمہ کو ٹرے تھمائی اور خود بیٹھ گئی۔

تو پھر آ گئی۔ رقیہ بانو ہنس دیں.....

ہائے اللہ نہ ڈانٹو..... میری بیٹی چائے لائی ہے۔ حمیدہ بانو نے محبت سے عاصمہ کی طرف دیکھا اور ٹرے تھام لی۔

جاؤ..... رقیہ بانو نے جانے کا اشارہ کیا۔

آپا شرجیل بھی اب بڑا اصرار کر رہا ہے..... حمیدہ بانو نے کہا۔

کچھ تو خیال کرو..... بڑی چھوڑ چھوٹی کا کیسے کر دوں..... لوگ کیا کہیں گے۔ رقیہ بانو کا دل ہول کھانے لگا۔

لوگوں کی طرف نہ جاؤ آپا..... اب بسم اللہ کر دو..... حمیدہ بانو جیسے منوا کر ہی جائیں گی۔ ان کے انداز میں منت شامل تھی۔

دیکھو میری بہن..... اس طرح تو خواہ مخواہ میں لڑکی رسوا ہو جائے گی.....! چھوٹی بیاہ دی..... نہ جانے بڑی میں کیا برائی تھی..... کیا عیب تھا۔ رقیہ بانو نے بڑی وجہ گوش گزار کی۔

اچھا آپا..... میں تو چلی..... آخری بات میں بھائی صاحب سے کروں گی۔ دل میلا سا لئے حمیدہ بانو اٹھ گئیں۔

ارے ناراض ہوگئی ہو۔ رقیہ بانو نے حمیدہ بانو کی پیشانی پر سلوٹیں دیکھ کر کہا۔

اب بھائی سے ہی بات ہو گی..... تم سے بات حتمی نہیں ہو سکتی آپا..... وہ بغیر سلام دعا کے باہر نکل گئیں۔ اور باقی سب ان کے نقش قدم کو گھورتے رہے۔

تم آ گئے..... حمیدہ بانو شرجیل کو بیٹھے دیکھ کر حیران ہوگئیں۔

آج جلدی آ گیا..... کام تھا..... آپ سنائیں بڑی خالہ مانی کہ نہیں۔ شرجیل نے حمیدہ بانو کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگا لیا۔

وہی مرغے کی ایک ٹانگ..... حمیدہ بانو خفا خفا سا بولیں۔

اماں..... وہ اپنی بیٹی کو سمجھتی کیا ہیں..... قبول صورت لڑکی میٹرک پاس..... کوئی انفرادیت ہے اس میں..... رحیمہ کیا ہے..... شرجیل کو غصہ آ گیا۔

بیٹا..... تمہاری خالہ کی بیٹی ہے..... اور پھر تمہاری بچپن کی منگ بھی..... یہ کم بات نہیں ہے..... اپنے ہیں..... حمیدہ بانو نے بیٹے کے تیور دیکھ کر کہا۔

اسی بات کو نبھائے جا رہا ہوں میں..... ورنہ..... وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

نہ میرے لال..... کوئی دل میں وسوسہ اور وہم وگمان نہیں لانا..... میں ایک مرتبہ پھر جاؤں گی..... بلکہ بھائی سے بات کروں گی۔ حمیدہ بانو نے شرجیل کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

ٹھیک ہے اماں..... شرجیل نے فرمانبردار بیٹے کی طرح ماں کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔

چائے لاؤں تمہارے لئے.....

لے آئیے..... اپنے لئے بھی..... باتیں کرتے ہیں۔ وہ بڑے خوشگوار موڈ میں بولا۔

ابھی لائی..... حمیدہ بانو بیٹے کو خوش دیکھ کر کچن میں گئیں اور چائے کے ساتھ پکوڑے بھی لے آئیں۔

یہ اتنی جلدی..... وہ حیرت سے بولا۔

فرج میں بیسن بنا ہوا پڑا تھا..... سوچا تمہارے لئے پکوڑے بنا لوں..... وہ چائے کا کپ شرجیل کے سامنے رکھ کر بولیں۔

VERY GOOD اماں..... ویسے وہ رحیمہ کھانے پکانے میں اچھی ہے نا..... وہ سنجیدہ سا بولا۔

تمہیں کیا فکر پڑ گئی..... آپا کی تینوں بیٹیاں گھرداری میں اچھی ہیں۔ رحیمہ بہت اچھی لڑکی ہے بیٹا..... خدا تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔ وہ کپ اٹھا کر بولیں۔

جوڑی تو تب سلامت رہے گی جب جوڑی بنے گی..... شرجیل شریر ہو گیا۔

ارے بیٹا بن جائے گی جوڑی..... میں تو خود چاہتی ہوں کہ تمہارا گھر آباد ہو جائے..... اس آنگن میں پھول کھلیں..... وہ بڑی آس سے مسکرا دیں۔

بڑی خالہ چاہتی کیا ہیں۔ وہ بولا۔

ارے بیٹا.....وہ چاہتی ہے کہ پہلے زلیخا کا کہیں رشتہ ہو جائے پھر چھوٹی کا ہو۔حمیدہ بانو نے بغور بیٹے کی طرف دیکھا۔

اچھا.....بڑی کے انتظار میں سب چھوٹیاں بوڑھی ہو جائیں۔

نہیں نہیں.....ایسا نہیں ہوگا.....میں بھائی صاحب سے بات کروں گی۔

حمیدہ بانو بھی جانتی تھیں کہ اب بیٹا بھی گھر آباد کرنا چاہتا ہے۔

ہاں اماں خالو سے بات کرو.....دوست یار مذاق کرنے لگے ہیں۔شرجیل نے ماں پر اصرار کا بوجھ ڈالا۔

ہاں بیٹا کیوں نہیں..... چند دن اور ٹھہر کے میں پھر بات کروں گی .....اور تاریخ لے کر آؤں گی۔

ٹرن ٹرن.....ٹیلی فون کی آواز پر شرجیل ادھر لپکا اور حمیدہ بانو ادھر ادھر کے خیالات کے بوجھ اٹھائے اور برتن سمیٹے کچن میں چل دیں۔

حمیدہ بانو اسی ادھیڑ بن میں مصروف بہت دیر کچن میں کام کرتی رہیں.....بہن کے ارادے خطرناک دکھائی دے رہے تھے.....کاش آپا مان جائے.....ورنہ دونوں بہنیں علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گی.....شرجیل اور انتظار نہیں کر رہا۔آپا کو زلیخا کی پڑی ہے.....نہ زلیخا کا ہو اور نہ رحیمہ اپنے گھر کی ہو۔وہ عجیب عجیب سوچوں کے تانے بانے میں الجھی خواہ مخواہ ہی سبزی کاٹنے میں مصروف رہیں.....

☆

سفید بالوں کو مروڑ کر اس نے چھوٹا سا چونڈا بنایا.....صحن میں ریشمی لحاف کو پھیلایا اور ڈورے دینے میں مصروف ہو گئی۔اچانک باہر والا کیواڑ ٹھک سے کھلا اور زلفن داخل ہوئی۔

ماسی دولاں ایک دم ابھری.....دو دروازے جب کھٹاک سے کھلے تو ساری گلی دھل گئی.....اور دروازے کی چوب ایک دم چوں چوں کر کے بجنے لگی۔جرا ہولی دروجہ کھول لیا کر.....توڑے گی کیا.....جلفن تمہارا ستیاناس.....ماسی دولاں نے ایک سسکی کے ساتھ انگلی سے سوئی نکالی.....

تیرا دروازہ ہی ایسا ہے.....بند ہو جائے تو کھلتا نہیں.....کھل جاوے تو بند نہ ہوئے.....تو اس کو ٹھیک کیوں نہیں کرواتی.....منہ میں خربوزے کی پھانک چپ چپ چباتے زلفن ماسی دولاں کے پاس ہی ریشمی لحاف کے اوپر بیٹھ گئی۔

اتنے پیسے کہاں ہیں میرے پاس.....یہ جو چار آنے ملیں گے.....بڑی مشکل سے چٹنی روٹی پوری ہو گی۔ماسی دولاں بڑی مایوسی سے بولی۔

کہاں ہے تیرا انکھو.....زلفن نے سامنے ٹوٹے پھوٹے کوٹھری نما کمروں میں جھانک کر دیکھا۔

باہر ہوگا.....ماسی دولاں نے ڈورے ڈالتے ہوئے کہا۔

زلفن دیکھتی رہ گئی.....سامنے دو کوٹھڑیاں ہیں.....جن میں چند چیتھڑے لٹکے ہوئے تھے.....گھر میں بیٹھنے کو ایک چارپائی بھی نہ تھی..... خالی ویران ٹوٹے پھوٹے خستہ حال کمرے چمگادڑوں کا مسکن نظر آ رہے تھے.....دوپہر ہو چکی تھی لیکن دن کو بھی ایک سناٹا تھا.....ہر طرف تیرگی ہی تیرگی تھی.....

اس ٹوٹے ہوئے گھر کو دیکھ رہی ہو.....ماسی دولاں نے ایک دم ہاتھ کھینچ کر زلفن کو دیکھا۔

ہاں ..... زلفن صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

یہ دیکھ ..... یہ کنیا بھی خالی ہے ..... کل سے اس میں روٹی نہیں پڑی ..... تو ان کوٹھڑیوں کو کیا کروں ..... آگ لگا دو ..... تمہیں اس کی پڑی ہے ..... ماسی دولاں نے دیگر آواز کے ساتھ اپنے پیٹ پر زور زور سے دو ہتھڑ مارے اور اونچی آواز میں رونے لگی۔

وہ تیرا چھوکرا کام کیوں نہیں کرتا ..... دس جماعتیں تو ہے ..... نوکری کر لے۔ زلفن کو نرم انداز اختیار کرنا پڑا ..... ماسی دولاں خاصی مضطرب نظر آ رہی تھی۔

کوتوالی کے خواب دیکھے میرا چھوکرا ..... چھوٹی موٹی نوکری کہاں کرے ..... ماسی دولاں نے آہستہ سے کہا۔

اچھا چھوڑ ان باتوں کو ..... میں تو تیرے پاس کام سے آئی تھی۔ زلفن نے بالوں کو درست کیا۔

کام ..... میں تیرا کیا کام کر سکتی ہوں ..... ڈورے ڈلوا لے۔ ماسی دولاں نے اپنے تہی دست ہونے کا احساس دلایا۔

تو نذیرے کی شادی کرے گی۔ زلفن نے بڑی امتحانی انداز میں دولاں کی طرف دیکھا۔

نذیرے کی شادی ..... اس کے ساتھ ہی دولاں قہقہہ لگا کر ہنس دی ..... یوں جیسے ساری کائنات کا تمسخر اڑا رہی ہو ..... یا فرش سے عرش تک درمیانی ہر چیز کو ٹھوکروں سے ریزہ ریزہ کر دینا چاہتی ہو۔ وہ اندر سے ٹوٹ چکی تھی لیکن ان ریزوں کو جوڑے منظم بیٹھی تھی۔

ہنس کیوں رہی ہو ..... زلفن نے حیران ہو کر پوچھا۔

تیری عقل تو گھاس چرنے چل دی ہے ..... نذیرے کی شادی کی بات کر رہی ہے ..... پیٹ میں روٹی نہیں اور اماں چلی دانے بھنوانے۔ ماسی دولاں نے کھانس کر اپنے زندہ رہنے کا احساس دلایا۔

کیا معلوم ..... کوئی اچھی لڑکی آ کر تمہاری تقدیر بدل دے۔ زلفن نے پھر بات شروع کی۔

اچھی لڑکی آئے گی کیسے ..... یہ گھر تو اچھی بھیڑ بکری کے لئے بھی نہیں ہے۔ تم لڑکی کی بات کر رہی ہو۔ ماسی دولاں نے جیسے خبردار کیا۔

پھر بھی کوشش میں کیا حرج ہے ..... کیا خبر کوئی لڑکی مل ہی جائے ..... زلفن کی ارزتی نگاہوں میں زلیخا کا ہیولہ گھوم گیا ..... رقیہ بیگم کی پریشانی اور اضطرابیت اس کو یاد آ گئی ..... اگر جیرے

کے ساتھ زلیخا کی شادی ہو جائے تو اس گھر کے حالات سدھر سکتے ہیں .....

جلفن کن چکروں میں پڑ گئی تو ..... جو آئے گی ..... وہ روٹی مانگے گی ..... کپڑا، ہار سنگار ..... کہاں سے ملے گا اسے سب کچھ ..... جیرا تو اپنے جوگا بھی نہیں ..... وہ اس مقدراں ماری کو کہاں سے دے گا۔ زلفن کو دیکھ کر ماسی دولاں نے لحاف کو طے کیا اور اٹھا کر ایک طرف لپیٹ دیا۔ جہاں چٹائی پڑی ہوئی تھی۔

اچھا ..... میں چلی ..... اگر کام بن گیا تو پھر آؤں گی ..... زلفن جاتے ہوئے بولی۔

ہنہ ..... شادی کراتی پھرتی ہے ..... ماسی دولاں نے لاپرواہی سے کہا اور کمرے میں چلی گئی۔

اماں ..... دروازہ کھڑاپ سے کھول کر جیرے نے اپنی مخصوص آواز میں پکارا ..... اماں کہاں چلی گئی۔ وہ گلے میں ڈالے مفلر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے مروڑتے اندر داخل ہوا۔ کیا کر رہی ہے۔ وہ دولاں کو ایک ایک روپیہ گنتے دیکھ کر بولا۔

روٹی کے لئے پیسے گن رہی ہوں کہ پورے ہوئے کہ نہیں۔ وہ پانچ نوٹ گن کر بولی۔

ہو گئے تو لا دے تنور سے روٹیاں لے آؤں ..... وہ ماں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بولا۔

لے جا دفعہ ہو جا ..... نکھٹو ..... وہ پانچ روپے زور سے جیرے کی ہتھیلی پر مار کر بولی۔

اچار ہے ..... وہ جاتے جاتے بولا۔

ہاں ہاں ..... پڑی ہیں دو مرچیں ..... تیرے جوگی بہت ہیں ..... وہ چلا کر بولی۔

اور وہ باہر نکل گیا۔

ہائے اللہ ..... یہ ٹوٹی پھوٹی گاڑی کب تک چلتی رہے گی میرے بدن میں اب زیادہ کام کی سکت نہیں رہی ..... ایک لحاف سی کے کئی دن کمر کا درد جان نہیں چھوڑتا ..... اگر چار پائی پر پڑ گئی تو یہ نکھٹو جیرا تو مجھے پانی نہیں دے گا ..... دوائی دارو کے لئے اتنے پیسے کہاں سے آئیں گے ..... آپ تو چلا گیا ..... مجھے دکھوں کے حوالے کر گیا ..... جیرے کے ابا ..... تمہیں کیا جلدی پڑی تھی جانے کی ..... کیا تھا جو اتنے برس جیون میرے ساتھ گزار جاتا ..... تو تھوڑی بہت مزدوری کرتا تھا مجھے اور جیرے کو پیٹ بھر کے روٹی تو ملتی تھی نا ..... وہ ہی تیرا پوتر جس کو ایک سال کا چھوڑ کر گیا تھا ..... جیرا۔ بھوک پوری کرتے کرتے بھوکے ہی ہو گئے ہیں۔ ایک دن جی بھر کے پیٹ کو ایندھن نہیں ملا۔

امّاں.....وہ واپس بھی آ گیا۔ اندر آ جا۔ وہ کھڑی کھڑی سوچوں سے ابھری۔

اوتو ابھی ویسے ہی کھڑی ہے.....وہ دولاں کو جوں کا توں کھڑے دیکھ کر ہنس دیا۔

بس سوچیں ہی ایسی آ گئیں کہ وقت گزر گیا.....وہ چارپائی پر بیٹھ کر روٹیاں کھولنے لگی۔

یہ کیا؟.....وہ روٹیوں کے اوپر چھوٹے سے لفافے میں دال دیکھ کر بولی۔

استاد سے دو روپے لئے تھے.....تنور سے دال بھی لے آیا۔

استاد کیا مطلب ہے تمہارا.....وہ گامو.....وہ چیخ پا ہوگئی۔

ارے اماں گامو یار ہے میرا.....پھر میں اس کا کام کرتا ہوں۔ وہ شرمندہ سا بولا۔

کیا کام کرتا ہے.....بول.....دولاں کو بے حد طیش آ گیا۔

اماں.....کبھی کبھی اس کے پاؤں دبا دیتا ہوں.....اور بس..... وہ گھگھیاتا ہوا بولا۔

لکھ دی لعنت ہے تیری جوانی پر.....وہ جوا کھلائے اور تو اس کے پیر دبائے.....اور پیر دبانے کے تجھے دو روپے دیتا ہے.....ماسی دولاں چلا چلا کر رونے لگی.....

اماں.....بس کرنا.....دیکھ دال کتنے مزے کی ہے.....جرا کھا کے دیکھ۔ وہ محبت سے ماں کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

دور ہو جا.....مجھے بھوک نہیں ہے وہ روٹیاں پرے کرتے بولی۔

تجھے بھوک نہیں تو میں بھی نہیں کھاؤں گا.....وہ بھی روٹیاں چھوڑ کر بیٹھ گیا۔

اچھا اچھا.....کھا رہی ہوں.....لے کھا.....وہ گرم گرم روٹی جیرے کے ہاتھ پر رکھتے بولی۔

اماں.....ہمارے دن تو ایسے ہی رہیں گے.....چاہے کچھ بھی کرے۔ وہ لاپرواہ سا حلق سے لقمہ اتار کر بولا۔

ہم نے ماں مارے تیں رب کے.....وہ بولی۔ اور آہستہ آہستہ ٹوٹی پھوٹی بتیسی سے آہستہ آہستہ کھاتی رہی

اور کیا.....تو خود ہی کہتی ہے میں سال کا تھا جب ابا اس دنیا سے چلا گیا۔ اس وقت سے ایسے ہی حالات ہیں۔ وہ پانی کا کٹورا مٹکے سے بھر کر کھڑے ہی غٹرغٹر پینے لگا۔

اگر تو پڑھ جاتا تو حالات سدھر ہی جاتے۔ دولاں کو افسوس ہوا۔

تو نے پڑھایا ہی نہیں۔ وہ الزام ماں پر دھرنے لگا۔

تو نہیں پڑھا.....ماسٹروں کے خوف سے کماد میں چھپا رہتا تھا۔ وہ پھر گرم ہوگئی۔

اچھا اچھا.....زیادہ غصہ نہ کر.....روٹی کھا لے.....اکڑ جائیگی.....وہ دولاں کے سامنے پڑی روٹی کو دیکھ کر بولا.....جو وہ آہستہ آہستہ چبا رہی تھی۔

میری پھکر نہ کر تو.....کھا لوں گی۔ وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

جیرے نے دہلیز پار کی اور صحن میں چلا گیا۔

ویہڑے گھر میں گزار لے.....کیوں مارا مارا پھرے دوسروں کے دروازوں پر.....وہ آخری لقمہ حلق سے اتار کر ایک ہانک لگا کر بولی۔

اماں! گامو استاد کے پاس جا رہا ہوں.....وہ ہانک لگا کر باہر نکل گیا۔

گامو تجھے جلیل کرے.....تیرا ککھ نہیں چھوڑا اس نے..... وہ کمر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے کیواڑ بند کرنے چل دی۔

کون ہے ایک دم اچھلی۔

میں دولاں.....اے ماسی دولاں دروازہ کھول.....کھول بھی دے اب سامنے والی عورت ہانپتی ہوئی دولاں کو ہاتھ سے ایک طرف کرتی صحن میں چل دی.....ہیں.....یہ چوروں کا اڈا ہے چھوری.....کس طرح کیواڑ توڑ کر اندر داخل ہوئی ہے......

لیکن وہ لڑکی جس کو چھیماں کہتے تھے بڑی باریک نظروں سے ماسی دولاں کے گھر کو چھاننے لگی۔

ارے بک تو سہی.....کیا کھو گیا ہے تیرا.....اس طرح تو کوتوال بھی تلاسی نہ لے.....ماسی دولاں نے کولہوں پر ہاتھ رکھے غصے سے کہا۔

ماسی.....تیرا جیرا میری مرغی لے آیا ہے.....وہ افسوس سے بولی۔

دماغ چل گیا ہے تیرا لڑکی.....وہ مرغی چور نہیں ہے.....میرا جیرا ایسا نہیں ہے۔ ماسی دولاں نے دل کھول کے بیٹے کی طرف داری کی۔

وہ افسردہ کھڑی رہی۔

میرا جیرا ابھی ابھی دال مرچ سے روٹی کھا کے گیا ہے.....مرغی کیا کرے گا.....ماسی دولاں نے پھر کہا۔

ماسی.....تو چاہے مان یا نا مان.....لڑکوں نے کہا ہے کہ وہ مرغی لے کر ادھر ہی بھاگا تھا

...... آ لے ذرا جیرا...... ٹانگ نہ توڑی...... وہ جاتے جاتے وارننگ دے گئی۔

ارے چل...... آئی ٹانگ توڑنے والی...... دیکھ لوں گی تجھے بھی...... غریب جرور ہیں اچھے ہیں۔ وہ دروازہ بند کرتی واپس آ گئی......

ہوں...... من کو یہ بات تو لگتی ہے کہ جیرا ایک دن کسی جولاہے کی بطخ چرالایا تھا...... اور گامو کے ڈیرے پر بھون کے کھائی تھی......

دیکھ لیتی ہوں گامو قصائی کو...... وہ دروازہ کھول گامو کے ڈیرے کی طرف تیز تیز چلنے لگی۔

ادھر گامو نے چونک کر گلی کی نکڑ پر دیکھا شیدے او یار چھلانگ مار ...... جیرے کو کہو...... ماسی دولاں آ رہی ہے۔ مرغی لے کر دیوار پھلانگ جائے۔

گامو نے گوشت کے بڑے پارچے کو سامنے لٹکی رسی میں آویزاں کیا......

کہہ دیا استاد...... رفو چکر بھی ہو گیا......

گامو...... چند قدموں پر ماسی دولاں نے ہانپتے ہوئے پکارا۔

آؤ...... بسم اللہ...... ماسی دولاں...... آئی ہے...... رحمتیں آ گئیں...... ماسی یہ لے...... کلو گوشت لے جا...... بھون کے کھا لینا...... وہ اپنے سامنے رکھی لکڑی کی مڈی پر ایک پارچہ رکھ کر بوٹیاں کرنے لگا۔

گوشت کو چھوڑ...... یہ بتا...... جیرے کو کس کام پر لگا دیا ہے تو نے...... وہ پاس ہی بنچ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

کیا...... جیرا ہمارا یار ہے...... بس...... کیوں شیدے......

ہاں استاد...... جیرا تو نیک آدمی ہے...... آتا ہے چلا جاتا ہے...... شیدے نے ہاں میں ہاں ملائی۔

وہ جو ہے نام چھیماں...... وہ کہہ رہی ہے کہ جیرا مرغی چرا کر ادھر بھاگا ہے۔ ماسی دولاں نرم پڑ گئی۔

ہا...... ہا...... گامو کے قہقہے کے ساتھ کھی کھی شیدے کی بھی شامل ہو گئی۔

نا تو ہنس کیوں رہا ہے...... ماسی دولاں آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

ارے ماسی مجھے ہنسی اس بات پر آئی ہے...... کہ میں وڈ قصائی ہوں۔ کھابے کھاتا ہوں...... کیوں چوری کرے گا مرغی۔ جیرا میرا یار ہے۔ گامو نے پوری طرح سینہ تان

کر یقین دہانی کرائی......

کسی دشمن نے خبر اڑائی ہے استاد...... جیرا مرغی چور تو نہیں۔ شیدا بولا۔

جیرا ہے کہاں...... وہ ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔

آج تو وہ آیا ہی نہیں...... بادشاہ بندہ ہے...... آیا تو کہہ دوں گا۔ گامو نے کہا۔

اچھا...... اسے کہنا...... گھر آئے...... تمہاری ماں پریشان ہے...... وہ جاتے جاتے بولی۔

اماں گوشت تو لے جا...... گامو کو اس عورت پر رحم آ گیا۔

نہ نہ...... پیسے نہیں میرے پاس...... وہ پلٹ کر بولی۔

پیسے کون مانگ رہا ہے...... ماسی دولاں...... لے نا...... وہ گوشت کو پلاسٹک کے بیگ میں ڈال کر بولا۔

نہ بھی نہ...... مفت نہیں کھاتی...... اور نہ گوشت کا سوق ہے...... رکھ لے...... تو بس جیرے کو بھیج دے میرے پاس...... وہ ہاتھ کے اشارے سے گوشت کی واپسی کا کہہ کر اپنے گھر کی طرف لوٹ آئی۔

کیسی عورت ہے استاد...... مفت کی ایک بوٹی نہیں کھاتی...... شیدے کو افسوس ہوا......

ہاں...... پاگل ہے...... پیٹ کی بھوک بھی اس کو مجبور نہیں کرتی...... چل چل...... جیرے کو بلالا...... سائیں بیری والے کے پاس بیٹھا ہوگا۔ گامو نے شیدے سے کہا۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ جیرے نے پچھلا دروازہ کھولا اور آ دھمکا۔

لے استاد...... سائیں سے حلال کروا لایا ہوں...... وہ مرغی بغل سے نکال کر پھٹے پر رکھتے ہوئے بولا۔

چل بے...... کھنب اتار کے بھون لے جلدی سے...... اندر چلا جا...... گامو نے شیدے سے کہا۔

ابھی گیا استاد...... شیدا مرغی بغل میں دبا کر دوسری طرف نکل گیا۔

ارے یار ماسی دولاں تمہیں تلاش کرتی ادھر آ گئی تھی۔ گامو نے کہا۔

ہاں...... پتہ چل گیا تھا...... وہ چھیماں ہے نا...... اس کی آگ لگائی ہوئی تھی...... دیکھنا...... رات سوئی ہوئی کی گت نہ گھسیٹی...... جیرا بے حد طیش میں آگ بگولا ہو رہا تھا۔

نہ نہ...... ہم سب بہنوں بیٹیوں والے ہیں...... کسی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالنا...... گامو

نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔
اس نے میری ماں کو کیوں ستایا جا کر......جیرا پھر غصے سے بولا۔
میرے یار......اس کی سو روپے کی مرغی چوری ہو گئی......وہ تلاش تو کرے گی نا......اس کا نقصان ہوا ہے۔گامو نے ہنستے ہوئے کہا۔
ابھی تو اس کا ایک اور نقصان ہو گا......جیرے نے کسی ارادے کے تحت کہا۔
نہ یار......حوصلے سے...... چند دن ٹھہر کے......وہ چینی ککڑ......اس کے ساتھ ہی گامو اور جیرے نے فلک شگاف قہقہہ بلند کیا۔

☆

امی جان خالہ زلفن آئی ہے۔صحن میں آتے ہی شاہدہ نے زلفن کو دیکھ کر رقیہ بانو کو خبردار کیا۔
دلہن بیٹھک میں بٹھاؤ......وہیں آ رہی ہوں......رقیہ بانو نے سوٹ کیس میں کپڑے رکھتے بلند آواز سے کہا۔
خالہ ادھر ہی چلی جاؤ......چارپائی پر بیٹھتے شاہدہ نے بیٹھک کی طرف اشارہ کیا......اور خود اپنی بیٹی کو دودھ پلانے بیٹھ گئی۔
اری دلہن...... بی بی کو جلدی بھیجو...... مجھے سو کام ہیں......وہ اپنا حسب عادب رعب جماتے اندر چل دی۔
آ رہی ہوں......آ رہی ہوں......رقیہ بانو مسکراتی بیٹھک میں داخل ہوئیں۔
سلام بی بی
وعلیکم السلام......کوئی کام بنا......رقیہ بانو نے دوپٹہ درست کرلے زلفن کے چہرے کو دیکھا۔
ہاں بی بی......کوشش کر کرا کے رشتہ تو ہاتھ میں آ گیا۔زلفن نے کہا۔
پھر کیا ہوا......رقیہ بانو آگے بڑھ کر بولیں۔
لڑکا بھی اچھا......عمر بھی جائز ہی ہے...... بلکہ اپنی بٹیا سے چھوٹا ہی ہو گا......زلفن نے تعریفانہ انداز میں کہا۔
پھر کیا بات ہے......پہیلی کیوں بجھوا رہی ہے......کھل کے بات کر......رقیہ بانو زچ ہو کر بولیں۔
لڑکا نوکری نہیں کرتا......وہ ایک دم سے بولی۔
پڑھا لکھا ہے......رقیہ بانو کو امید نظر آئی۔

ہاں...... پڑھا تو ہے۔ زلفن نے دبی زبان سے کہا۔

تو مل جائیگی نوکری بھی...... ماشاء اللہ میری زلیخا خود پڑھی لکھی ہے۔ نوکری کے کاغذ اس نے تیار کر رکھے ہیں...... انشاء اللہ کہیں نہ کہیں تو ملے گی اس کو ملازمت۔ رقیہ بانو اس امید کو توڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

ایک اور بات ہے بی بی...... باہر سے آتے زلیخا نے بیٹھک میں کھسر پسر سنا تو دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہوگئی۔

زلیخا...... چل ہٹ...... چھپ چھپ کر کیوں سن رہی ہے۔ شاہدہ نے ہنس کر چھیڑا۔

وہ ہی زلفن آئی ہوگی۔ زلیخا نے کہا۔

ہاں ہاں...... تمہاری شادی کی بات کرنے آئی ہے۔ شاہدہ نے کہا۔

یہ شادی اتنی آسانی سے نہیں ہوگی بھابی...... اماں کو بھاری بنی ہوئی ہوں میں۔ وہ غصے میں پرس جھولاتی اپنے کمرے میں چل دی۔

شاہدہ نے مسکرا کر اپنی بیٹی کو اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے گئی...... رحیمہ اور عاصمہ پہلے ہی اپنے کمرے میں لڈو کھیل رہی تھیں۔

اور کیا بات ہے...... جلدی بتاؤ...... رقیہ بانو فکر مند ہوگئیں۔

بی بی...... گھر میں کچھ نہیں ہے۔ بس غریب سے شرافت کے مارے لوگ ہیں۔ زلفن نے اپنی اداکاری کے فن دکھاتے کہہ بھی دیا اور خامی بھی بتا دی۔

ایسے کرو...... تم رشتہ ہاتھ میں رکھو...... میں زلیخا کے ابا سے بات کروں گی۔ رقیہ بانو نے کہا۔

ہاں ہاں کر لو بات...... کسی دن تم بھی میرے ساتھ چلی چلنا...... دیکھ لینا ان لوگوں کو...... بیٹی کا معاملہ ہے...... دونوں جانب جان پہچان ہونی ضروری ہے۔ زلفن نے ایمانداری ظاہر کی......

لے...... چائے پان کے لیتی جا...... رقیہ بانو نے دس دس کے دو نوٹ نکال کر زلفن کو تھمائے۔

بی بی...... بیس روپے...... بس...... پچاس تو کرو...... زلفن دونوں نوٹ ہاتھ میں پکڑے اکڑ کر کھڑی رہی۔

اچھا...... یہ لے...... باقی کام ہونے پر...... بادل نخواستہ رقیہ بانو نے کرتے کی داہنی جیب میں سے تین دس دس کے نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔

ہاں...... کام ہونے پر تو ایک مرتبہ ہی لوں گی...... وہ باہر جاتے جاتے بولی۔

رقیہ بانو خاموشی سے اندر چل دیں۔

زلیخا...... تم آ گئی۔ رقیہ بانو نے دیکھا...... زلیخا برآمدے کی بڑی چوکی پر چائے پی رہی تھی

چائے لاؤں آپ کے لئے...... زلیخا نے ماں کے اداس چہرے کو دیکھ کر کہا۔

لے آؤ...... اگر بنائی ہے تو......

وہ ٹھنڈا سانس لیتی اسی چوکی پر بیٹھ گئیں...... جہاں سے زلیخا اٹھی تھی۔

بنائی ہے آپ کے لئے۔ زلیخا کچن کی طرف چل دی۔

رقیہ بانو نے زلیخا کے جاتے ہی ادھر ادھر دیکھا...... شاہدہ اپنے کمرے میں بیٹی کو سلا رہی تھی اور رحیمہ عاصمہ اپنے کمرے میں تھیں۔ میدان خالی دیکھ کر پرچی نکالی اور حساب لگایا...... اوئی اللہ بیڑا غرق کرے زلفن تیرا...... ہاتھ پہ ہاتھ مار کر تو اب تک پانچسو لے چکی ہے...... اچھا اب سہی...... وہ بڑبڑاتی ہوئی پرچی کرتے کی جیب میں ڈال کر بولیں۔

اماں...... یہ زلفن ہے...... کپڑے بھی اتارے گی آپ کے...... ابھی تو...... اندر آتے زلیخا نے ماں سے کہا۔

شیش...... زلیخا کو خاموش رہنے کو رقیہ بانو نے انگلی ہونٹوں پر رکھی۔

شاہدہ بھابی اپنے کمرے میں ہے...... زلیخا نے کپ رقیہ بانو کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

دیکھ میری بچی اگر زلفن کے منہ کو گھی نہ لگے گا تو کام نہیں بن سکتا۔ رقیہ بانو نے بڑی مجبوری ظاہری کی۔

امی جان...... کیا مصیبت پڑی ہے آپ کو...... میری شادی کی اتنی جلدی کیوں ہے آپ کو۔ زلیخا نے کہا۔

جلدی...... تجھے معلوم ہے اپنی عمر...... تیس کو پہنچنے لگی ہے تو...... ایک دم اچھل کر رقیہ بانو نے یوں کہا جیسے اس میں بھی زلیخا کا قصور ہو۔

کیا فرق پڑتا ہے...... اماں...... رہنے دیں۔ زلیخا رنج ہو کر بولی۔

تیری وجہ سے تیری بہن بیٹھی ہوئی ہے...... شرجیل کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے...... اگر چند ماہ میں تجھے رخصت نہ کیا تو وہ کہیں اور شادی کر لے گا...... رقیہ بانو نے بغور زلیخا کے چہرے کی طرف دیکھا۔

آپ رحیمہ کا بیاہ کر دیں...... مت فکر کریں میری...... زلیخا نے کہا۔

واہ...... لڑکی...... تیری فکر کیوں نہ کروں...... لوگوں کی باتیں کون سنے گا...... تیرا رشتہ ہو جائے تو رحیمہ کو رخصت کر دوں گی۔ رقیہ بانو کو جیسے اچھے دن آنے کی کس قدر امید تھی۔

ایک تو آپ کو لوگوں کی بڑی فکر رہتی ہے...... وہ پاؤں پٹختی اپنے کمرے میں چل دی۔

کیا بات ہے...... بچی کو کیوں ڈانٹ رہی ہو۔ اندر آتے ٹوپی اتارتے ہی کرامت علی تھکے تھکے بیٹھ کر بولے۔

صائمہ...... پانی لا باپ کے لئے۔ وہ کرامت علی کو تھکے ہوئے دیکھ کر صائمہ کو آواز دینے لگیں۔

لائی اماں...... اور صائمہ پانی کا گلاس لے آئی۔

شاباش میری بچی...... جیتی رہو......

کیا بات تھی...... زلیخا کو ڈانٹ رہی تھی...... وہ پھر بولے۔

ڈانٹ کہاں رہی تھی...... حمیدہ کی بات بتا رہی تھی کہ وہ اب بہت اصرار کرنے لگی ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

میں تو کہتا ہوں...... کوئی اچھا دن دیکھ کر رحیمہ کی بسم اللہ کر دو۔ جیسے اب کرامت علی بھی تنگ آ گئے ہوں۔

رحیمہ کی بسم اللہ...... کیا کہہ رہے ہیں آپ...... رقیہ بانو حیران رہ گئیں۔

بھئی اب اچھا رشتہ کوئی بھی زلیخا کے لئے نہیں آ رہا...... پھر رحیمہ کو کیوں بٹھائے رکھیں۔ وہ آرام کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر بولے۔

زلفن نے ایک رشتہ بتایا تو ہے......

رقیہ بانو' یہ رشتے کروانے والوں کے چکر میں نہ پڑو...... یہ ہیرا پھیری عورتیں ہوتی ہیں...... سودے کرواتی ہیں...... وہ اپنے تجربے کے مطابق بولے۔

چھان بین کر لیں گے نا...... رقیہ بانو نے یقین دلایا۔

بعد میں دیکھا جائے گا...... تم رحیمہ کی تیاری کرو...... وہ حتمی فیصلہ کرتے بولے۔

سٹھیا گئے ہیں آپ...... اگر رحیمہ کا کر دیا تو صائمہ پندرہ کو لگ گئی ہے۔ برادری والے تو اس طرح زلیخا کو بالکل ہی فراموش کر دیں گے۔ رقیہ بانو ایک دم تیزی سے بولیں۔

برادری نے پہلے کونسا پوچھ لیا ہے...... اول تو اب زلیخا کے ساتھ والے تمام لڑکے بیاہے گئے...... گر ہیں تو چھوٹے ہیں......

برادری کو تو آپ گولی ماریں...... سوئی ہوئی ہے برادری تو...... یہ اس لئے بھی ادھر نہیں آتے کہ کرامت علی شاید لڑکیوں کو جہیز نہیں دے گا...... آخر جتنی ہماری پہنچ ہو گی دیں گے...... کوئی تین کپڑوں میں لڑکی رخصت کر دیں گے کیا...... رقیہ بانو نے خود کو اور کرامت علی کو مطمئن کرنا چاہا۔

رقیہ بانو! تم ماں ہو...... میں تمہارے جذبات سے واقف ہوں...... تمہارا یہی خیال ہے کہ زلیخا جلدی اپنے گھر کی ہو جائے...... یہی چاہتی ہو نا...... وہ سوال کرنے لگے۔

میں تو یہی چاہتی ہوں...... رقیہ بانو نے کہا۔

لیکن بہتر یہی ہے کہ رحیمہ کا نکاح کر دو...... شرجیل آج مجھے ملا تھا۔

شرجیل ملا تھا...... کہا تھا اس نے کچھ...... رقیہ بانو ایک دم بولیں۔

وہ کمپنی کی طرف سے جاپان جا رہا ہے...... وہ چاہتا ہے کہ رحیمہ اور حمیدہ بانو کو چھوڑ کر وہ سکون سے جائے...... تاکہ حمیدہ بانو کے اکیلے پن کا مسئلہ حل ہو جائے۔ وہ تفصیل سے بتانے لگے۔

لو اور سنو...... یہ بھی اچھا بہانا بنایا ماں بیٹوں نے...... وہ غصے سے اچھل کر بولیں۔

بس اسی ضد میں تینوں ہی بوڑھی کر لینا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

زلیخا کی شادی ایک مسئلہ بن چکی تھی۔ وہ چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے۔ رحیمہ کا مسئلہ اپنی جگہ درست تھا...... اور زلیخا کا اپنی جگہ۔ بڑھاپا اس کی دہلیز تک آ پہنچا تھا۔ زلیخا دبلی پتلی نازک اندام سی لڑکی تھی۔ اسی وجہ سے اپنی عمر سے بہت چھوٹی نظر آتی تھی...... لیکن جاتے سالوں کو کون روک سکتا تھا...... تیس سے اوپر گزر گیا تو جوانی ڈھلتی جائے گی۔ کیا زلیخا کے مقدر میں کوئی اچھا لڑکا نہیں ہے...... وہ شام ڈھلتے یہی سوچتے رہے...... سکون اور آرام ان سے دور رہا۔ ایک دم وہ اٹھ کر بیٹھ گئے...... ان کو اپنی بہو شاہدہ کا خیال آ گیا...... شاہدہ کے دو

بھائی ہیں۔ایک کی تو شادی ہو چکی ہے ...... دوسرا شاید ابھی کنوارہ ہے ......اس خیال کے آتے ہی انہوں نے شاہدہ سے بات کرنا چاہا......لیکن پھر اپنے آپ کو روک لیا کہ یہ بات رقیہ بانو کے کرنے کی ہے ...... چنانچہ دوسرے دن رقیہ بانو کو سمجھا کر خود کام پر روانہ ہو گئے۔

رقیہ بانو حسب عادت چائے کا کپ ہاتھ میں لئے تخت پر بیٹھی ہیں۔اس وقت دیوار پر آویزاں کلاک نے دن کے دس بجا دیئے ہیں......

شاہدہ بیٹی......وہ زیادہ پیار سے بولیں۔

جی اماں......شاہدہ ہاتھ میں فیڈر پکڑے داخل ہوئی۔

چندہ سو گئی کیا۔وہ بولیں۔

جی امی سو گئی ہے ...... فیڈر دھونے جا رہی ہوں ...... آپ کو کام ہے کوئی ......شاہدہ نے کہا۔

ہاں......تم سے کچھ باتیں کرنا ہے......فیڈر دھو کے آجاؤ......

جی اچھا......وہ کچن میں فیڈر دھونے چل دی......

بتائیں کیا بات ہے۔شاہدہ دوسری کرسی پر سکون سے بیٹھتے ہوئے بولی۔

لڑکیاں تو گھر میں نہیں ہیں......رقیہ بانو نے کہا۔

رحیمہ اپنی سہیلی نازیہ کے ساتھ بازار گئی ہے...... صائمہ سکول اور زلیخا معلوم ہے آپ کو......نوکری کی تلاش میں......شاہدہ نے افسردگی سے کہا۔

زلیخا......کی وجہ سے میں بڑی پریشان ہوں......رقیہ بانو نے شاہدہ کو بغور دیکھا۔

امی جان......خدا پر چھوڑ دیجئے......کوئی بہتر صورت نکل آئیگی......شاہدہ نے کہا۔

بیٹی......تم اس گھر کی بہو ہو......تم سے کوئی پردہ نہیں......تمہارے عزیز رشتہ داروں میں کوئی ایسا لڑکا نہیں جو زلیخا کے مطابق ہو......رقیہ بانو نے تمہید باندھی۔

ہمارے رشتہ داروں میں......امی جان...... ہمارے اور آپ کے رشتہ دار کوئی دو تو نہیں ......ایک ہی برادری ہے ہماری......ایک لمحہ سوچنے کے بعد شاہدہ نے کہا۔

میرا مطلب کہ بیٹی......تمہارے بھی ماشاء اللہ دو جوان بھائی ہیں......دونوں کے رشتے ہو گئے کیا۔رقیہ بیگم کو امید کی ایک کرن نظر آئی۔

بڑے بھائی کی شادی تو مجھ سے بھی پہلے ہو چکی ہے......اور چھوٹا نعیم ہے وہ یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے......اس کی بات اس کی کلاس فیلو سے چل رہی ہے......وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں......شاہدہ نے صاف صاف کہہ دیا۔

اس کا مطلب کہ یہ کام بھی نہیں ہو سکتا۔رقیہ بانو ناامیدی کے بھنور میں غوطے کھانے لگیں۔

یہی مجبوری ہے امی جان......شاہدہ اٹھتے ہوئے بولی۔

اچھا......رقیہ بانو نے کہا اور گاؤ تکیے پر ٹیکنے کے انداز میں بازو رکھ کر نیم دراز ہو گئیں۔

ہزاروں خیالات آئے اور دماغ سے گزر کر چلے گئے ......کیا کروں اے خدا......میری معصوم بیٹی کے نصیب کھول دے......

بڑے بازار کی نکڑ پر نازیہ نے بائے کہا اور اپنے گھر کی طرف جانے والی سڑک پر چل دی۔ ہاتھ میں بیگ پکڑے رحیمہ پلٹی اور ایک دم سے گھبرا کر ہڑبڑا سی گئی......

رحیمہ......اکیلی......اتنی ایڈوانس کب سے ہو گئی تم۔سٹرینگ پکڑے گاڑی میں شرجیل نے ہنس کر کہا۔

آپ...... یہاں......وہ بوکھلی سی رہ گئی۔

آؤ......کہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔شرجیل نے اپنے ساتھ والا دروازہ کھول دیا۔

مجھے دیر ہو رہی ہے......اماں ناراض ہوں گی۔وہ سہم سی گئی۔

بیٹھو......کچھ نہیں ہوتا......میں تمہارا منگیتر بھی......اور خالہ زاد بھی......شرجیل نے رحیمہ کے بیٹھتے ہی گاڑی سٹارٹ کر لی۔

بھائی نہ دیکھ لے۔وہ جمیل کے خوف سے کانپ گئی۔

دیکھ لے......لو میرج کی ہے اس نے شاہدہ کے ساتھ......تم تو میری منگیتر ہو......وہ نڈر سا بولا۔

آپ کا کیا مطلب ہے۔رحیمہ ڈر کر بولی۔

میرا مطلب کہ آج ایک مدت کے بعد اگر تنہائی کا موقع ملا ہے تو ڈر اور خوف کی ندامت کرو......گاڑی ایک خوبصورت ریسٹوران میں داخل ہوئی۔

میں نے جلد گھر پہنچنا ہے۔رحیمہ فکر مند لگنے لگی تھی۔

کوئی بات نہیں......کہہ دینا بازار میں دیر ہو گئی۔شرجیل نے دروازہ کھولا۔

بازار میں اتنی دیر تو نہیں ہوتی۔وہ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

میں چھوڑ آؤں گا......

دونوں ایک ساتھ بہت بڑے ہال میں داخل ہوئے......رحیمہ نے اپنی زندگی میں آج ت
ایسا جدید انگلش طرز کا ہال تو کیا کبھی ہوٹل کی شکل بھی نہ دیکھی ہوگی۔ وہ صرف دیکھ کر رہ گئی۔

دونوں سنگ مرمر کی بنی ہوئی میز کے گرد آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

کیا پسند کروگی......آئس کریم......کوئی ڈرنک یا کافی......

کافی نہیں......وہ ناگواری سے بولی۔

ٹھیک ہے......کول ڈرنک چلے گی......شرجیل نے چٹکی بجائی......اور بیرا لپک کر پار
گیا۔

دوکول ڈرنک......مودب انداز میں بیرا جھکا اور چند لمحوں کے بعد دوکول ڈرنک میز پر رکھ
چلا گیا۔

شرجیل نے بول رحیمہ کے سامنے رکھی اور دوسری اپنے سامنے۔

رحیمہ......وہ یوں بولا جیسے اس کی آواز بڑی دور سے آرہی ہو۔

جی......وہ اتنا ہی کہہ سکی......آج وہ شرجیل نہ تھا۔ جو اس نے بہت سال پہلے دیکھا
......وہ اس کا بچپن کا منگیتر تھا......آج کل شرجیل نے آنا جانا بھی کم کر دیا تھا......اب وہ ک
فرم میں افسر تھا۔ گاڑی کوٹھی کار اس کے پاس تھی......اس کی شخصیت......وہ دیکھ کر حیران
گئی۔ شرجیل بہترین شخصیت کا مالک نظر آرہا تھا......اس کے توانا جسم پر سیاہ پینٹ اور سف
قمیض کس پدر جچ رہی تھی......سیاہ گھنے بالوں کو سلیقے سے بنایا ہوا تھا۔ مردانہ وجاہت کے ا
میں تمام گر شامل تھے۔

کیا سوچ رہی ہو......میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ شرجیل نے بغور رحیمہ کو دیکھا۔

جی......رحیمہ نے پھر جی پر اکتفا کیا۔

جی کے علاوہ بھی کچھ کہوگی کہ نہیں۔ وہ مسکرا دیا......

رحیمہ نے جھنپ کر بوتل کو ایک طرف رکھ دیا۔ آپ کہئے......میں سُن رہی ہوں......رح
نے جھجک کر کہا۔

میرا خیال ہے......اماں ہر دوسرے تیسرے دن بڑی خالہ سے بات کرتی ہوں گی......
شرجیل نے تمہید باندھی۔

جی......خالہ اماں کو کہتی تو ہیں۔ رحیمہ نے کہا۔

اور بڑی خالہ کا یہی جواب ہے کہ زلیخا آپا کی شادی ہو جائے تب رحیمہ کی ہوگی......کیوں
ہی ہے نا جواب۔ شرجیل نے آخر میں زور دیا۔

جی......اماں کہتی تو ہیں......کہ آپا کا کہیں رشتہ ہو جائے۔ رحیمہ کو بھی رقیہ بانو پر
صہ آگیا۔

لیکن مجھے یہ جواب نہیں چاہئے......میں بہت جلد شادی کرنا چاہتا ہوں......وہ ایک دم
زی سے بولا۔

جی......وہ بولی......

جی......میری مجبوری ہے۔ شرجیل نے برجستہ نقل اتاری۔

میرا خیال ہے اماں نے خالہ سے بات تو کی تھی۔ رحیمہ کو یاد آگیا۔

مجھے معلوم ہوگیا ہے......میں تین ماہ کے اندر شادی کرنا چاہتا ہوں۔ شرجیل نے کرسی پر پہلو
ا۔

آپ چند ماہ اور نہیں رک سکتے۔ رحیمہ نے نظریں جھکا کر کہا۔

نہیں......میں تین ماہ سے زیادہ ایک گھنٹہ بھی نہیں......میں ان دنوں جاپان جا رہا ہوں
...میں اماں کو اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا......وہ ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

چھا......یہ مجبوری ہے جناب کی۔ رحیمہ مسکرا دی۔

کر ہے......ہونٹوں پر مسکراہٹ تو آئی۔ شرجیل ہنس دیا۔

ب میرے لئے کیا حکم ہے۔ رحیمہ نے مسکرا کر ازراہ مذاق کیا۔

حکم کیا......ہم تو گزارش کر سکتے ہیں کہ بڑی خالہ اپنی ضد سے باز آجائیں......شرجیل نے
مہ سے کہا۔

یہ ضد نہیں ہے......اماں کی بھی مجبوری ہے کہ آپا کا رشتہ ہو جائے تو لوگ باتیں نہ بنائیں
...کہ بڑی کو چھوڑ چھوٹی کا کر دیا......رحیمہ نے شرجیل کے کان میں بات ڈال دی۔

لوگوں کا خیال کرتے کرتے چاہے چھوٹی کا بھی ہاتھ سے نکل جائے۔ شرجیل نے اپنے دل
ی بات ظاہر کردی۔

کیا مطلب ہے آپ کا......وہ ایک دم بری طرح چونکی۔

بھئی ظاہر ہے میں زلیخا آپا کے انتظار میں جوانی برباد نہیں کر سکتا ...... ویسے بھی مجھے
حالات میں گھر بسانے کی اشد ضرورت ہے۔ شرجیل کے چہرے پر خود پرستی کی ایک لکیری
آئی تھی۔ اسے صرف شادی خانہ آبادی کی ضرورت تھی۔ اس میں کسی ایک لڑکی یا رحیمہ ہی
او...... محبت کا کوئی عنصر شامل نہیں تھا۔ وہ شرجیل کے چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔

کیا دیکھ رہی ہو ...... شرجیل نے مسکرا کر رحیمہ سے کہا۔

میں دیکھ رہی ہوں کہ اٹھارہ سال گزر گئے آپ کی اور میری نسبت کو ٹھہرے ہوئے۔ کیا
میں کسی بھی لمحے چاہت کا وقت نہیں آیا ...... یا انس محبت پیدا نہیں ہوئی۔ رحیمہ کو شاید ا
ہو رہا تھا۔

او ہو ...... رحیمہ ...... تم میری باتوں کا مطلب غلط سمجھ رہی ہو ...... وہ زچ ہو گیا۔

پھر کیا مطلب ہے آپ کا ...... اٹھارہ سال کی زنجیر کو چشم زدن میں توڑ دیا آپ نے
رحیمہ خفا خفا سا بولی۔

پہلے تو یہ بات ہے کہ اگر مجھے تم سے محبت یا انس چاہت نہ ہوتی تو آج بڑی خالہ کی
کرنے کی بجائے میں کسی اور سے شادی کر چکا ہوتا ...... مجھے تم سے محبت ہے۔ میں
سال کی ریاضت کو تباہ نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی اس زنجیر کو توڑ رہا ہوں ...... میں کیا کروں
جاپان جانا میرے مستقبل کا سوال ہے۔ میری ترقی کے راستے کھل جائیں گے ......
جانتی ہو کہ اگر میں چلا جاؤں تو اماں ...... اماں کو اکیلا چھوڑ کے جاؤں ...... یہ ایک تق
صورت میں بولا اور آخر میں ہنس دیا۔

آپ تقریر اچھی کر لیتے ہیں ...... بلکہ میں مان گئی کہ آپ مقرر بھی ہیں ...... وہ ہنس دی

THANK YOU ......

اس نے دیکھا ...... رحیمہ اچھی لڑکی تھی ...... قبول صورت ضرور تھی لیکن اس کی عادات
رحم اور ہمدردی بھی شامل تھا۔

رحیمہ اس جاذب نظر تحفے کو دیکھتی رہ گئی جو بہت پڑھی لکھی اور امیر کبیر لڑکی کے قابل
ڈھیر ساری جائیداد کا مالک ہو ...... اگر اماں نے بات نہ مانی تو میرا روشن مستقبل تاریکیوں
ڈوب جائے گا ...... میں ایرے غیرے کے قابل رہ جاؤں گی ...... ایسا نہیں ہو گا......
کروا لوں گی اماں ...... یہ بات ...... شرجیل جیسا شوہر کہاں ملے گا۔ دولت مند، صحت مند

ہدے پر فائز۔ آنے والے دور میں وہ آسمانوں پر پرواز کرنے لگے۔ زندگی کی آسائشوں
نے اسے خود غرض بنا دیا۔

رحیمہ ...... میری بات کو سمجھ رہی ہو نا۔ وہ بڑے نرم لہجے میں بولا۔

میں اچھی طرح سمجھ چکی ہوں ...... ویسے اب چلنا چاہئے ...... رحیمہ نے جیسے اجازت
چاہی۔

دل تو نہیں مانتا ...... تم سے مل کر دل خوش ہو گیا ...... وہ یوں بیٹھے بیٹھے مسکرا دیا۔ اس کے
انداز میں چاہت شامل تھی ......

اب چلنا چاہئے ...... صبح سے نکلی ہوں ...... اماں نہ جانے کیا کیا صلواتیں سنا رہی ہوں گی۔
وہ ہنستی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

چلیں جناب ...... دونوں ہوٹل سے باہر آ گئے۔

شام کے دھندلکے چھانے لگے تھے ...... بلکہ اکا دکا روشنیاں بھی جگمگا اٹھی تھیں۔ رحیمہ نے
ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا ...... لیکن شاہدہ نے کھڑکی سے دیکھ لیا تھا کہ وہ شرجیل کے ساتھ
آئی ہے۔

رحیمہ ...... اتنی دیر لگا دی تم نے۔ شاہدہ نے آتے ہی سوال کیا۔

بھابی مجبوری ہو گئی تھی ...... بتاؤں گی آپ کو ...... بھائی تو نہیں ہیں ...... رحیمہ نے شاہدہ
کے گلے میں بانہیں ڈال کر معذرت خواہی کے انداز میں کہا۔

نہیں آج تو تمہارے بھائی اور ابا دونوں نہیں ہیں ...... شاہدہ نے اس کی تسلی کر دی۔

اور اماں ...... وہ ایک دم بولی۔

اماں کی باتیں سننے کے لئے تیار رہو ...... اچھا ادھر سے فارغ ہو کر میرے پاس آنا۔ شاہدہ
جاتے جاتے بولی۔

وہ بیگ لٹکائے سہمی سہمی سی برآمدہ پار کر کے اپنے کمرے میں چل دی۔

اے لڑکی ...... ادھر آ ...... برآمدے کی چوکی پر بیٹھے رقیہ بانو نے کرخت لہجے میں آواز دی۔

جی اماں ...... وہ پلٹی ......

ادھر آ ...... بیٹھ یہاں ...... رقیہ بانو نے ہاتھ کے اشارے سے جیسے اس کی اندر سے دنیا ہلا
دی ہو۔

جی اماں ...... ماں کی آنکھوں سے انگارے لپکتے دیکھ کر خوف زدہ سی ہو گئی۔ وہ پرس کو ایک طرف رکھ کر رقیہ بانو کے سامنے چوکی پر ایک طرف بیٹھ گئی۔

کہاں سے آ رہی ہے ......اماں کا عجیب سا انداز اسے کاٹ گیا۔

بازار سے ...... نازیہ نے بہت سی شاپنگ کرنا تھی ...... اس لئے دیر ہو گئی......وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

اتنی دیر......صبح کی گئی ......شام میلی ہو گئی ......آسمان سیاہ ہو گیا...... تیرا ستیا ناس ...... کیوں ذلیل کرنے پر آ گئی ہے تو......اماں جیسے روہانسی سی بولی۔

اماں ......کیوں پریشان ہو رہی ہو......دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ باہر نکل کر زلیخا نے کہا۔

تو چپ رہ ...... تیری وجہ سے بھی میں ناک تک آ گئی ہوں ......نگوڑا گولی جوگا ...... ادھر راستہ کسی کو نہیں آتا......کوئی آیا ہی نہیں ......رقیہ بانو نے بری طرح زلیخا کو جھڑک دیا۔

اسی وجہ سے تو میں کہہ رہی ہوں کہ جس کا راستہ کھلا ہے اس کا بند نہ کر اماں ......خالہ آئے دن دے دے اس کو ......زلیخا نے مضبوط الفاظ میں کہا اور واپس چلی گئی۔ اور رحیمہ اٹھ کر شاہدہ کے کمرے میں لوٹ گئی۔

ہاں ......اب بتا ...... کیا بات ہوئی ...... میں نے شرجیل کو دیکھ لیا تھا۔ شاہدہ نے رحیمہ کو اپنے پاس بٹھایا۔

جی ......رحیمہ چونک گئی۔

کوئی بات نہیں ......تو سنا وہ کیا کہتا ہے ...... بے تکلف کہہ دے ......تاکہ معلوم تو ہو ...... شاہدہ جیسے ہمہ تن گوش ہو گئی۔

وہ شادی کے لئے بہت مصر ہے ......رحیمہ افسردہ سی گویا ہوئی۔

کیا زلیخا کی شادی کا انتظار نہیں کرے گا؟ شاہدہ نے کہا۔

کبھی نہیں ...... اگر ایسا ہوا تو وہ کہیں اور شادی کر لے گا۔ بڑی بددلی کے ساتھ رحیمہ نے کہا۔

ہاں ...... یہ بات تو ہے ......اس کی مجبوری ہے ......وہ جاپان جا رہا ہے ......شاہدہ نے کہا۔

وہ جا رہا ہے ......اور خالہ کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتا...... پھر اس کے مستقبل کا سوال ہے......

بڑی ترقی ہونے والی ہے اس کی بھابی ......رحیمہ نے شرجیل کی مجبوری کا بھرپور اظہار کیا۔

میں جانتی ہوں ......لیکن اماں کیوں نہیں سمجھتیں ......کیا کریں۔ شاہدہ نے ایک لمبا سانس لیا۔

اماں اس وقت سمجھیں گی ...... جب وہ کسی اور جگہ شادی کر لے گا......رحیمہ کو بڑا دکھ ہو رہا تھا۔

تم مت پریشان ہو ......میں اماں سے بات کروں گی......اور اس نے کیا کہا۔

بس پورا وقت اسی موضوع پر بات ہوتی رہی ......وہ کہتا ہے تین ماہ کے بعد مجھے دوش نہ دے۔ رحیمہ نے کہا۔

ٹھیک ہی کہتا ہے وہ ...... زلیخا کے ساتھ تمہارا بھی مسئلہ بن جائے گا۔ شاہدہ افسردگی سے بولی۔

پلیز بھابی ...... کچھ کیجئے ......شرجیل بہت اچھا لڑکا ہے ......اگر یہ رشتہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو زلیخا آپا کی طرح برادری میں کوئی میرے لئے نہیں آئے گا۔ رحیمہ نے آنکھیں صاف کیں اور اداس پریشان کمرے سے نکل گئی ......

کیا ہوا...... رحیمہ ...... صائمہ نے دیکھا ......وہ تکیے پر چہرا رکھے سسک سسک کر رو رہی تھی ......اس کے جسم کے خفیف جھٹکوں سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بری طرح سے رو رہی ہے۔ صائمہ نے رحیمہ کے بالوں کو سنوارا...... کچھ بتاؤ گی کہ روتی ہی جاؤ گی ......صائمہ نے محبت سے کہا۔

یہ زلیخا آپا...... کیوں ہمارے راستے کی دیوار بنی بیٹھی ہے۔ روتے روتے رحیمہ نے چہرا اٹھا کر صائمہ سے کہا۔

زلیخا آپا کا تو اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ صائمہ نے کہا۔

قصور ہے یا نہیں ...... میں تو تباہ زلیخا آپا کی وجہ سے ہو جاؤں گی نا ......رحیمہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

کیسے؟ ...صائمہ حیرت سے بولی۔

آج شرجیل ملے تھے۔ رحیمہ نے چہرا صاف کرتے ہوئے کہا۔

شرجیل بھائی ...... اللہ ...... بہت پیارے لگنے لگے ہیں ...... گاڑی، بنگلہ ......اور اچھی

نوکری ...... کاش تمہاری جلدی شادی ہو جائے ...... عیش کروں گی عیش ...... صائمہ نے تصور ہی تصور میں جھوم کر کہا۔

زلیخا آپا کے ہوتے ہوئے تو ایسا نہیں ہو گا ...... رحیمہ کو پھر زلیخا پر غصہ آ گیا۔

ٹھہراؤ نہیں میری جان ...... ان تین ماہ میں تمہاری شادی شرجیل سے ضرور ہو گی ...... زلیخا چہرے پر پوری داستاں سجائے داخل ہوئی۔

رحیمہ اور صائمہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے زلیخا کو دیکھا۔

میں نے تمام باتیں سن لی ہیں ...... اور میں اب تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں بنوں گی ...... دیکھتی ہوں اماں میری وجہ سے تمہارا مستقبل کیسے تباہ کرتی ہیں۔ زلیخا نے رحیمہ کے شانے پر ہاتھ رکھا اور مسکرا دی۔ جیسے بہن کے لئے ساری محبت خلوص اُمڈ آیا ہو۔

زلیخا آپا ...... میں تو یونہی ...... رحیمہ ندامت بھرے انداز میں زلیخا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولی۔

نہیں ...... میں تم سے ناراض نہیں ہوں ...... حالات ہی ایسے ہیں ...... زلیخا نے بڑی فراخ دلی سے رحیمہ کو مسکرا کر یقین دلایا اور ساتھ لگا لیا۔

آپا ...... اب کیا ہو گا ...... صائمہ نے کہا۔

اب اچھا ہی ہو گا ...... میں خود اماں سے بات کروں گی۔ زلیخا نے مستحکم ارادے سے کہا۔

آپ بات کریں گی ...... اماں سے۔ صائمہ بولی۔ لیکن رحیمہ خاموش ہی رہی ...... اس کے اندر وسوسے سے اٹھ رہے تھے کہ اس کی باتیں زلیخا آپا نے سن لی ہیں ...... نہ جانے زلیخا آپا کیا سوچے ...... حالانکہ زلیخا نے رحیمہ کو مطمئن کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی رحیمہ کے دل کو تسلی نہیں ہوئی۔ وہ بدستور پریشان تھی۔ اور ندامت کا کانٹا کھٹکتا رہا۔

ہاں ...... میں بات کروں گی ...... کوئی سترہ سال کی نہیں ہوں جو برا لگے گا ...... تیس سال عمر کے گزار چکی ہوں ...... تم سب سے بڑی ہوں ...... وہ تو ......

اے لڑکیوں دسترخوان بچھاؤ ...... سب اکٹھے مل کے کھاتے ہیں۔ رقیہ بانو کے آتے ہی زلیخا خاموش ہو گئی۔

ہاں اماں ...... چلئے ...... میں بھابی کے ساتھ کھانا لگاتی ہوں۔ زلیخا باہر نکل گئی۔

زلیخا کچھ کہہ رہی تھی۔ رقیہ بانو نے صائمہ سے کہا۔

نہیں ...... زلیخا آپا نے تو کچھ نہیں کہا ...... رحیمہ خاموش تھی۔ صائمہ نے جواب دیا۔

پھر تم سب کو سانپ کیوں سونگھ گیا ...... یوں پھٹی پھٹی نظروں سے کیا دیکھ رہی ہو ...... رقیہ بانو ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولیں۔

رحیمہ نے ایک آبرو کے اشارے سے صائمہ کو سمجھا دیا۔ شرجیل بھائی ملے تھے رحیمہ کو۔ صائمہ نے کہا۔

کیا ...... رحیمہ سے ملا تھا ...... اتنی آزاد ہو گئی تو ...... تجھے شرم نہ آئی منگیتر سے ملتے ...... آنکھوں کا پانی ڈھل گیا تیرا ...... رقیہ بانو آپے سے باہر ہو گئیں۔

اماں ...... کوئی عشق و محبت کی داستان سنانے نہیں ملا تھا وہ مجھے ...... میرے جیسی ہزاروں پڑی ہیں اس کے راستے پر ...... رحیمہ کو غصہ آ گیا۔

بکواس نہ کر ...... ہاں صائمہ ...... کیا کہا اس نے کہا۔ رقیہ بانو نرم پڑ گئیں۔

اگر تین ماہ میں شادی نہ ہوئی تو وہ کہیں اور کر لیں گے ...... صائمہ نے کہا۔

اچھا ...... بے شرم ...... اعلیٰ نوکری جو مل گئی ...... دولت سے کھیلنے لگا ہے۔ تبھی باتیں آ گئی ہیں ...... رقیہ بانو حسب عادت پھر طیش میں آ گئیں۔

ان باتوں کو چھوڑو اماں ...... آگے کی سوچو ...... صائمہ نے کہا۔

پہلے آپ سب کھانا کھا لیجئے ...... بھائی بلا رہے ہیں ...... ان باتوں کے لئے بہت وقت ہے۔ زلیخا نے اندر آتے کہا۔

چلو ...... رقیہ بانو کے ساتھ تینوں دسترخوان پر آ گئیں۔

بڑے ہی پرسکون اور خاموش لمحات میں کھانا ختم ہوا ...... کسی نے کوئی بات نہ کی ...... البتہ کرامت علی کبھی کبھار جمیل سے کوئی بات کر لیتے ...... یا چندہ اپنے باپ سے کچھ بول لیتی ...... لیکن شاہدہ اور تینوں ماں بیٹیاں مسلسل چپ سادھے کھانے میں مشغول رہیں ...... کھانا ختم ہوا ...... زلیخا برتن سمیٹنے لگی۔

زلیخا ...... جمیل نے پانی کا گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

جی بھائی ...... زلیخا نے کہا۔

اگر ایک ایک کپ سبز چائے ہو جائے تو کیسا رہے گا۔ جمیل نے بڑے مرغوب انداز مین کہا۔

گرمی ہے......شاہدہ بولی۔

سبز چائے گرم نہیں ہوتی......تم بناؤ بیٹی......کرامت علی گلاس اٹھا کر صحن میں جاتے بولے۔

بس......تیرے باپ کا بھی جی چاہ رہا ہے......بنا لے ایک ایک کپ......رقیہ بانو نے کہا۔

چلو رحیمہ......زلیخا کی مدد کرو۔جمیل بھی اٹھتے ہوئے بولا۔

میں بنالوں گی بھائی......یہ کونسا کام ہے۔

زلیخا برتن اٹھاتے بولی......نہ جانے اس کا جی رحیمہ کا سامنا کرنے کو کیوں نہیں چاہ رہا تھا......وہ اپنے آپ کو رحیمہ کی مجرم تصور کر رہی تھی......یا اسی کے کسی ناکردہ گناہ کی سزا رحیمہ کو ملنے والی تھی نہیں یہ ایسا نہیں ہونے دے گی......بے شک اماں کا وجود ایسا ہے کہ اس گھر میں تو کوئی تنکا نہیں ہلا سکتا......اماں کی ضد کے آگے تو ابا بھی ہتھیار پھینک چکے ہیں......لیکن وہ اماں کے سامنے سینہ سپر رہے گی وہ مجبور کر دے گی......رحیمہ کا مستقبل تاریک نہیں ہونے دے گی۔صبح وہ اماں سے دوٹوک بات کر دے گی کہ جیسے بھی رحیمہ کی شادی کر دی جائے۔

لے جاؤ آپا......کچن کے دروازے پر رحیمہ نے کہا۔

ہاں لے جاؤ......وہ ٹرے میں کپ رکھتے بولی۔

رحیمہ ٹرے اٹھا کر برآمدے میں لے گئی......

اور زلیخا اپنا کپ اپنے کمرے میں لے گئی۔ہر شخص اپنے ہی خیالات میں مگن تھا......خیالات کی اندھی کسی کی بہت تیز تھی اور کسی کی بہت سست......رحیمہ کی اپنی سوچیں تھیں......وہ کسی بھی طور شرجیل کو کھونا نہیں چاہتی تھی......جب تک اس نے اس قدر قریب سے شرجیل کو نہیں دیکھا تھا اس کے اور خیالات تھے......اس نے تو وہی اٹھارہ سال پہلے والا کھلنڈرا لڑکا جو باپ کی وفات کے بعد خالہ کا کہنا بھی نہیں مانتا تھا......لیکن کھیل کے ساتھ ساتھ وہ اپنی تعلیم بھی مکمل کر ہی گیا......اب وہ روشن راہوں پر چل رہا تھا......اس کی عزت اور شان ہی اور تھی......وہ کس قدر مہذب سمجھ دار اور سلجھا ہوا لگ رہا تھا......

نہیں نہیں......وہ شرجیل کو حاصل کرنے کے لئے اڑ جائے گی......

رحیمہ نے کروٹ لی......اس کے ساتھ صائمہ کی چارپائی تھی......وہ بچپنے کی نیند سو رہی تھی......ابھی اس کی سوچوں کا محور کوئی نہیں تھا۔اس سے کافی فاصلے پر زلیخا کی چارپائی تھی......اماں ابا کی دوسری طرف......بھائی اور بھابی کوٹھے پر اگر کبھی خالہ زلفن خالہ آئی تو......خود کہہ دے گی کہ اس کو رشتہ منظور ہے......وہ اپنی وجہ سے اپنی بہن کو کسی قسم کی پریشانی سے الجھنے نہیں دے گی۔وہ خود شرجیل سے مل کر رحیمہ کے رشتے کی بات کرے گی......اگر رحیمہ کی شادی نہ ہوئی تو تمام عمر وہ بھی رشتے کے انتظار میں چاندی بالوں میں سجائے منتظر رہے گی اور کوئی رشتہ نہیں آئے گا......نہیں......وہ اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں لے کر اس دنیا سے جائے گی۔ادھر رقیہ بیگم کے اپنے خیالات اور کرامت علی کے اپنے خیالات۔وہ بیٹیوں کی وجہ سے اس قدر پریشان تھے کہ کسی کو اپنا دکھ بھی نہیں سنا سکتے تھے......بیوی ہٹ دھرم اس قدر کہ وہ اپنی بات منوائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی......اس کی خواہش یہی تھی کہ کسی طرح آسمان سے کوئی رشتہ آئے اور زلیخا کو دلہن بنا کر لے جائے......لیکن وہ ایسی سیاہ بخت تھی کہ آج تک اس کا کوئی رشتہ ہی نہیں آیا تھا۔تمام رات اسی خیال کے تحت گزر گئی......

صبح ہوئی......نماز قرآن سے فارغ ہوتے تسبیح لے کر بیٹھ گئیں......سب اپنے اپنے کام کو جا چکے تھے......دن کے دس بج چکے تھے۔

اماں! زلفن خالہ آئی ہے۔شاہدہ نے صحن سے اطلاع کی۔

برآمدے میں بھیج دو زلفن کو......رقیہ بانو نے تسبیح ایک طرف رکھ دی۔

اپنے کمرے میں بیٹھی زلیخا کے بھی کان کھڑے ہو گئے......اپنے ملازمت کے کاغذات سمیٹے زلیخا نے کان زلفن کی بات پر ہی رکھا۔

سلام بی بی......زلفن نے منہ میں رکھے پان کو چبایا۔

ادھر آ جاؤ......میرے پاس ہی بیٹھو......اے دلہن چائے لاؤ خالہ کے لئے......رقیہ بانو بڑی پذیرائی کرتے بولیں۔

لا رہی ہوں اماں......شاہدہ باہر سے ہی بولی۔

اب سناؤ......بڑے دنوں کے بعد آئی ہو......کوئی خوشی کی خبر ہے۔رقیہ بانو نے ہنس کر کہا۔

خوشی کی خبر تو ہے......آگے مقدر بٹیا کے......زلفن نے چادر اتار کر چہرا صاف کیا۔

لے خالہ چائے پی لو۔شاہدہ نے ٹرے میں چائے اور بسکٹ پیش کئے۔

اے دلہن بیٹی ایک گلاس پانی پلاؤ...... بڑی دور سے آئی ہوں۔ کہاں کہاں کی آبادی چھان ماری میں نے۔ وہ تھکے تھکے انداز میں دونوں ٹانگیں چوکی پر رکھتے بولی۔

اچھا خالہ...... شاہدہ واپس گئی اور فوراً بلوریں گلاس میں ٹھنڈا پانی لے آئی۔

ہاں...... سناؤ...... تم خوشی کی بات کر رہی تھی نا...... رقیہ بانو نے شاہدہ کو واپس جاتے دیکھ کر کہا۔

آپا...... رشتہ تو ہے...... پر...... آگے زلفن بات دبا گئی۔

پر کیا...... یہ بات پر پر نہ چھوڑا کرو ہاں...... وہ جھنجھلا گئیں۔ رقیہ بانو کا دل سینے میں بیٹھ گیا۔

غریب لوگ ہیں...... بری شری نہیں لا سکتے...... زلفن نے رقیہ بانو کے چہرے کو جانچنے کے لئے دیکھا۔

اری زلفن زیادہ بری لانے کو کون کہہ رہا ہے...... بس سادہ سا کام ہو جائے...... زیادہ دھوم دھڑکا تو ہم لوگوں کو بھی پسند نہیں...... رقیہ بانو نے بات آگے بڑھائی۔

بی بی...... ان میں تو تھوڑا تھوڑا کرنے کی بھی سکت نہیں...... زلفن کچھ کچھ بات بتا کر اپنے آپ کو صاف پاک کرنا چاہتی تھی۔

کیا مطلب ہے تمارا...... ایک دو جوڑوں کی بھی ہمت نہیں ان لوگوں میں...... رقیہ بانو نے حیرت سے کہا۔

بس لڑکا ہی لڑکا ہے......

اچھا...... خیر جوڑوں کو چھوڑو...... لڑکا کیسا ہے...... گھر بار...... کتنے رشتہ دار...... بتاؤ تو سہی...... رقیہ بانو کو امید کی کرن نظر آئی۔

گھر بار تو ہے...... ایک ماں ہے بڈھی...... باپ عرصہ ہوا مر چکا ہے...... لڑکا نوکری کی تلاش میں ہے...... مل جائے گی...... زلفن نے اپنے خیالات میں وزن پیدا کیا۔

ہاں...... نوکری تو مل ہی جائیگی...... پڑھا لکھا ہے نا...... رقیہ بانو نے کہا۔

ہاں...... پڑھا لکھا تو ہے...... وہ دبی دبی زبان میں بولی۔

زلیخا کو بھی اب دو ماہ کے اندر اندر نوکری مل جائے گی۔ کمپنی کے افسر نے وعدہ کیا ہے۔

تو بس پھر...... مل ملا کے دونوں کر لیں گے گزارہ...... زلفن نے اس طرح کہا جیسے اس کے سر سے آدھا بوجھ اتر گیا ہو۔

تو نے گھر بار تو دیکھا ہی ہوگا ان لوگوں کا...... رقیہ بانو نے کہا۔

ہاں...... میں نے تو دیکھا ہے...... تم نے دیکھنا ہے تو دکھا دوں گی۔ زلفن نے کچھ سوچا۔

اچھا...... کسی دن میاں جی اور تم چلی چلو...... خود تسلی کر لو...... بات صاف ہو جائے گی۔ زلفن نے ہاتھ میں پکڑا ہوا چائے کا خالی پیالہ ایک طرف رکھا۔

رشتہ پکا ہو جائے تو تجھے خوش کر دوں گی۔ رقیہ بانو نے زلفن کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا......

پچیس سو ریٹ ہے میرا...... اس سے کم نہ زیادہ...... زلفن نے دوٹوک فیصلہ کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔

پچیس سو...... اتنا زیادہ...... رقیہ بانو کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

کوئی زیادہ نہیں ہے اماں...... رشتہ پکا ہی سمجھو زلفن خالہ...... قریب آتے زلیخا نے کہا۔

زلیخا بیٹی...... زلفن ایک دم کھڑی ہو گئی۔ اور رقیہ بانو سکتے میں آ گئیں۔

بس اس سے زیادہ اور بات نہیں ہو گی...... دیکھنے دکھانے کی بھی ضرورت نہیں ہے...... بات مکمل کرو...... زلیخا نے جل کر اونچی آواز میں کہا۔

زلیخا...... تم پاگل تو نہیں ہو گئی۔ رقیہ بانو چونک کر بولیں۔

ابھی میں پاگل نہیں ہوئی...... کوئی وقت آئے گا کہ آپ سب مجھے پاگل کر دیں گے...... اس وقت سے بہتر ہے کہ میں یہاں سے چھٹی کروں...... وہ درد بھری آواز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں کرب شامل تھا۔

زلفن ابھی تک دیکھ رہی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے......

شاہدہ اور رحیمہ بھی زلیخا کے اس طرح بولنے سے قریب آ گئی تھیں۔

میری بچی...... نہ دل میں دکھ لا...... اللہ تمہیں خوش رکھے۔ زلفن نے زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

تمہیں کہا نا خالہ...... ان لوگوں کو ہاں کہہ دو...... اور کسی دن آ کر مجھے لے جائیں...... میں اب خود اس گھر میں ایک دن رہنا نہیں چاہتی۔ وہ پاؤں پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اچھا بی بی...... پھر آؤں گی۔ زلفن ماحول کو افسردہ سا دیکھ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

بات کیا ہے...... کئی دنوں سے میں دیکھ رہی ہوں زلیخا اکھڑی اکھڑی سی رہنے لگی

ہے......رقیہ بانو نے تشویش بھرے لہجے سے کہا۔
شاہدہ نے رحیمہ کی طرف دیکھا۔
کوئی بات اس کے کان میں پڑی ہے ضرور......اس طرح تو وہ کبھی بھی نہیں بولی......اس کا دل دکھا ہے ضرور......رقیہ بانو نے شاہدہ کی طرف دیکھا۔
ہم نے تو کبھی ایسی بات نہیں کی......
رحیمہ اپنے کمرے کی طرف چل دی۔
کیوں بہو......کوئی بات ہے نا......رقیہ بانو نے رحیمہ کے جانے سے اندازہ لگایا۔
میرا خیال ہے کل زلیخا نے رحیمہ کی باتیں سن لی تھیں......شاہدہ نے کہا۔
باہر آؤ رحیمہ......رقیہ بانو چلا کر غصے سے بولیں۔
جی امی......رحیمہ نے کہا۔
کیا ہوا تھا۔رقیہ بانو نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔
میں کل صائمہ سے شرجیل کی بات کر رہی تھی......تو زلیخا آپا نے سن لیا......رحیمہ سہم کر بولی۔
ہوں......بس اب وہ ضد میں کرے گی جو کرے گی......بلکہ اب تمہاری خاطر سولی پر چڑھے گی رقیہ بانو بے حد پریشان نظر آنے لگی تھیں۔
اماں......میں سمجھا دوں گی اس کو......آپ پریشان نہ ہوں۔شاہدہ نے دلاسا دیا۔
یا الٰہی یہ سلسلہ کب حل ہو گا......میری تو کوئی جان لے لے......اور زلیخا اپنے گھر کی ہو جائے۔وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگیں۔
اماں......سب ٹھیک ہو جائے گا......گھبرائیے نہیں......شاہدہ ساس کے پاس بیٹھ گئی۔
میری بچی......زلیخا خدا تجھے آباد کرے......وہ روہانسی آواز میں بولیں......
کئی دن گزر گئے۔کوئی خوشگوار یا ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔جمیل اور کرامت علی کے بھی وہی شب و روز تھے۔رحیمہ اور صائمہ اپنے اپنے حال میں مست تھیں۔البتہ زلیخا نے اپنی زندگی کا پورا لائحہ عمل تیار کر لیا تھا......وہ پوری کوشش میں تھی کہ کسی طرح اس کی شادی زلفن کے بتائے ہوئے لڑکے سے ہو جائے......اور وہ اس گھر سے ناطہ توڑ دے......اور کبھی اپنی صورت ان لوگوں کو نہ دکھائے......وہ بڑی انسلٹ محسوس کر رہی تھی کہ اس کی وجہ سے گھر کا ماحول پراگندہ ہے......اس کی بہنیں اس کی وجہ سے بیٹھی ہوئی ہیں......وہ ان کے مستقبل کی دیوار ہے......

اسی کی وجہ سے رحیمہ کی شادی نہیں ہو رہی......حالانکہ اماں نے سب کچھ بنایا ہوا ہے......وہ ایک دم بری طرح تڑپ اٹھی......
بو سارے کچن میں پھیل گئی......گوشت کا مسالحہ جل چکا تھا......زلیخا کہاں کھوئی ہوئی ہو......
جلے ہوئے گوشت کی بو آتے ہی شاہدہ چندہ کو تھپک کر باہر آ گئی۔
بس بھابی خیال ہی نہیں رہا۔وہ مارے خفت کے بری طرح چونک گئی اور چمچ سے بوٹیاں اوپر اوپر سے دیگچی میں ڈالنے لگی۔
کوئی بات نہیں......دہی ڈال لینا......ٹھیک ہو جائے گا۔شاہدہ واپس لوٹ گئی......
اماں ابا نے بہت دیر لگا دی۔اپنے کمرے میں جاتے شاہدہ نے رحیمہ سے کہا۔
آ جائیں گی......کیا معلوم گھر بھی ملا کہ نہیں۔رحیمہ نے کہا۔
گھر کیوں نہ ملے گا......زلفن ساتھ ہے۔شاہدہ ہنستے ہوئے بولی۔
اور رحیمہ اپنے کمرے میں چلی گئی......اپنے کاڑھنے والے دوپٹے کو شاہدہ کے پاس لے آئی۔
ابھی پورا نہیں ہوا۔کتنے دن ہو گئے بناتے ہوئے......شاہدہ نے دوپٹے کو پھیلا کر کہا۔
کیسا ہے......رحیمہ نے مسرت بھرے انداز میں دوپٹے کو دیکھا۔
بہت خوبصورت ہے......شاہدہ نے کہا۔
تھوڑا سا کام رہ گیا ہے......پھر یومی کا کرتا اسی کڑھائی سے بناؤں گی۔وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔
تمہیں وقت کہاں ملے گا بی بنو......شاہدہ ہنستے ہوئے بولی۔
وقت مل جائے گا......ابھی تو آپا کا بھی ایک دوپٹہ میں نے بنانا ہے۔رحیمہ نے کہا۔
آپا کا تم فکر نہ کرو......ایسے دوپٹے جہیز میں اچھے لگتے ہیں۔وہ دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔
کیسی بات کرتی ہو......زلیخا......تمہیں بھلا جہیز کے بغیر کون جانے دے گا۔شاہدہ نے کہا۔
رحیمہ خاموش رہی۔
تم نے ابھی رحیمہ کو معاف نہیں کیا......شاید اپنے الفاظ پر غور کر رہی تھی۔شاہدہ نے کہا۔
آپا......ایسے ہی میں نے کہہ دیا......اب بھول جاؤ نا تم......رحیمہ نے کہا۔

تمہارا تو اس میں کوئی قصور نہیں ......نہ میری عمر بڑھتی...... اور نہ ایسے مسائل پیدا ہوتے...... یہ جو کچھ ہو رہا ہے......سب میری وجہ سے ہے......زلیخا نے رحیمہ کو ساتھ لگا لیا۔

معاف کر دیا نا آپا......رحیمہ ساتھ لپٹ گئی۔

تم نے کیا کیا ہے...... اگر کہتی ہو تو معاف کر دیا...... زلیخا نے ہنس کر رحیمہ کو اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

رحیمہ......چلو اس خوشی مین گرم گرم چائے پلاؤ......شاہدہ بولی۔

ٹھیک ہے......ابھی لائی۔

رحیمہ اٹھی......

ہنڈیا اتار لینا......

اچھا آپا......وہ کچن کی طرف جاتے جاتے بولی۔

زلیخا......شاہدہ نے خاموش بیٹھی زلیخا سے کہا۔

جی......زلیخا نے چونک کر کہا۔

ایسے ہی رحیمہ کے منہ سے نکل گیا......تم دل میں میل مت لانا۔شاہدہ نہیں چاہتی تھی کہ دونوں بہنوں میں پھوٹ پڑے۔

ارے نہیں بھابی......رحیمہ نے کون سی بری بات کہہ دی تھی......ایک طرح تو ٹھیک ہی کہا اس نے......حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے۔زلیخا ہر طرح سے خود کو ہی قصور وار ٹھہرا رہی تھی۔

کیا کہا اس نے۔شاہدہ کو شاید بھول گیا۔

میری وجہ سے ہی معاملہ گڑ بڑ ہے۔رحیمہ کے راستے کی میں ہی تو دیوار ہوں......وہ تو یہی سوچ رہی ہے نا کہ میری وجہ سے اس کی شادی رکی ہوئی ہے......زلیخا افسردگی سے بولی۔

خدا کرے......اماں ابا کو تمہارا رشتہ بھی پسند آ جائے۔ دونوں بہنوں کا ایک ساتھ ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔شاہدہ خوش نظر آ رہی تھی۔

لیکن زلیخا نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

رحیمہ ٹرے میں چائے لے آئی۔

لو......اماں ابا آ گئے۔شاہدہ نے اچک کر دریچے میں دیکھا......رقیہ بانو اندر آ رہی تھیں۔

آ گئی اماں......رقیہ بانو کے اندر آتے ہی شاہدہ نے کہا......رحیمہ کھڑی رہی اور زلیخا چل

دی......اتنی دیر میں کرامت علی بھی آ گئے۔لڑکیوں پانی پلاؤ۔رقیہ بانو نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

کرامت علی بھی ایک طرف بیٹھ گئے اور ٹوپی اتار کر ایک جگہ رکھ دی۔

اماں......بتاؤ......لوگ کیسے ہیں۔شاہدہ کو تجسس تھا۔

بھئی چھوٹا سا کنبہ ہے......شریف خاندان ہے۔رقیہ بانو نے کہا۔

کوئی ساس نند تو ہو گی۔شاہدہ نے کہا۔

نند نہیں ہے...... ساس تو ہے...... بس اللہ میاں کی گائے ہی سمجھو......لڑکا بھی اکیلا ہے......اور ایک چچا کا بیٹا ہے......غلام علی نام ہے۔لڑکے کے پاس ہی رہ رہا ہے......نوکری نہیں لڑکے کی......رقیہ بانو نے کہا۔

گھر کا گزارہ کیسے ہوتا ہے۔شاہدہ بولی۔

باپ ریلوے میں ملازم تھا۔پینشن کھا رہے ہیں......بہر حال ٹھیک ہے......رقیہ بانو نے بغور کرامت علی کی طرف دیکھا جو خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

ابا......چائے لے لیں......رحیمہ نے ایک کپ باپ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

کرامت علی نے چائے لی اور خاموشی سے پینے لگے۔آپ کچھ نہیں بول رہے۔رقیہ بانو نے کہا۔

کرامت علی نے دیکھا کہ زلیخا اور رحیمہ کے جانے کے بعد شاہدہ اپنے کمرے میں جانے کے لئے پر تول رہی تھی کہ ایک دم پومی کے رونے کی آواز آئی۔شاہدہ لپک کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

زلیخا کے ابا......ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات تو کریں۔رقیہ بیگم نے کپ کو چوکی پر رکھا۔

کیا کروں بات...... مجھے تو سارے کا سارا فراڈ نظر آ رہا تھا۔وہ بڑے تلخ لہجے میں بولے۔

آہستہ بولئے......بہو سن لے گی......نا فراڈ کہا......بس ذرا بہت دولت مند نہیں ہیں۔

دولت کی بات نہیں ہے رقیہ بانو......وہ مائی بھی چکری نظر آ رہی تھی۔ وہ کپ میں سے آخری گھونٹ حلق سے اتار کر بولے۔

اے جانے بھی دیں......اس طرح تو شادی نہ ہوئی لڑکی کی......آپ کوئی نہ کوئی نقص نکال کر بیٹھ جاتے ہیں......رقیہ بانو نے جیسے مورد الزام ٹھہرایا۔

بیٹی کا معاملہ ہے......اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا ہوں۔وہ بولے

سب کو چھوڑیئے......لڑکا تو اچھا ہے نا......رقیہ بانو نے کہا۔
ہاں ٹھیک ہی ہے۔ اس کے بھی چلن میں فرق لگتا ہے۔ وہ ایک دم بولے۔
چلن......کیا مطلب ہے آپ کا۔ وہ ایک دم بولیں۔
مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ نشہ کرتا ہے۔ وہ سوچ کر بولے۔
نہ نہ......جانے بھی دیں......میں نہیں مانتی......اگر وہ نشہ کرتا ہے تو بولتا کیسے۔ وہ تو اچھا
خاصی باتیں کر رہا تھا ہمارے ساتھ۔ وہ بولیں۔
تمہیں نہیں معلوم رقیہ بانو......بس اور چند دن ٹھہر جاؤ......میں پتہ لگا لوں گا۔
بس رہنے دیں......رشتہ مت خراب کیجئے گا......خدا خدا کر کے اگر مل گیا ہے تو......وہ
انداز میں بولیں۔
لڑکی کو کنویں میں گرا نہیں سکتا میں۔ وہ زچ ہو گئے۔
نہیں گرتی کنوئیں میں......کہیں رشتہ بھی کرو گے کہ نہیں......رقیہ بانو بری طرح جھنجھلا
بولیں۔
اگر میری بچی کو کچھ ہوا تو تمہیں نہیں چھوڑوں گا......وہ طیش میں اٹھے اور اپنے کمرے میں
چل دیئے......
زندہ گاڑ دینا زمین میں......دشمن ہوں بیٹی کی......وہ منہ میں بڑبڑاتی رہیں۔
اماں......کیا ہو گیا......کیوں جھگڑ رہے ہو آپس میں۔ زلیخا واپس آتے بولی۔
تیرے باپ کا دماغ چل گیا ہے......بس مجھے ہی موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے......اس گھر میں
جو کچھ ہو رہا ہے......میرے ہی ایما سے ہو رہا ہے......رقیہ بانو نے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا۔
ادھر جیرے نے گامو کو ساتھ لپٹا لیا۔ یار ہو تو ایسا ہو......بڑی عزت رکھ لی تم نے۔
بھئی دوست ہو ہمارے......ہم ایسا نہ کرتے تو اور کون کرتا۔ گامو نے حسب عادت قہقہہ لگایا۔
اچھا بیٹا......میں جا رہی ہوں......دو دن ہو گئے کام پڑا ہے۔ ماسی دولاں گھٹنوں پر دونوں
ہاتھ رکھ کر بڑی مشکل سے کھڑی ہو گئی۔
ابھی سے......لڑکی والے پھر بھی چکر لگا سکتے ہیں۔ گاموں نے ماسی دولاں کے پاس جا کر کہا۔
کب تک تمہارے ہاں پڑے رہیں گے......وہ بولی۔
جب تک جی چاہے......یہ اماں تمہارا ہی تو گھر ہے۔ گامو نے بے حد مسرت بھرے انداز

میں کہا۔
گھر تو میرا ہے......تم بھی جیرے کی طرح میرے بیٹے ہو......لیکن آگے کیا ہو گا......اب
تو بات رہ گئی......دولاں کی آنکھوں میں خوفناک اندیشے سرسرا رہے تھے۔
سب کچھ اچھا ہی ہو گا اماں......جیرے نے کہا۔
گامو......لوگوں نے پوچھ لیا کہ تیرا بیٹا کیا کرتا ہے......تو کیا جواب دوں گی۔ ماسی دولاں
نے جیرے کی طرف دیکھا۔
بس کہہ دینا کہ......ہاں ہاں کہہ دوں گی نکھٹو ہے......نہ کام کا نہ کاج کا......دشمن اناج کا۔
واہ واہ......ماسی......کمال کی ماں ہے تو......دونوں کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا۔
کاکے کے ابا......دستک ہوئی۔
آ جاؤ......شازیہ......کوئی نہیں ہے......اپنے ہی ہیں......گامو نے کہا۔
شازیہ ہنستی ہوئی پردا اٹھا کر داخل ہوئی۔
کیا بات ہے......گامو نے کہا۔
سالن اور بنا لوں۔ وہ بولی۔
پہلا ختم ہو گیا......گامو نے کہا۔
نہیں پڑا ہے......میرا خیال ہے گزارہ ہو جائے گا۔ شازیہ سوچ کر بولی۔
اسی سے گزار کر لو بیٹی......زیادہ نہ سہی تھوڑا سہی......ماسی دولاں نے کہا۔
اماں......جا رہی ہو......شازیہ نے معنی خیز انداز میں گامو کی طرف دیکھا۔
اب جانا تو ہے بیٹی......دولاں نے کہا۔
بیٹھ جاؤ۔ چند دن اور رک جاؤ......ہو سکتا ہے کوئی آ ہی جائے۔ شازیہ نے ماسی دولاں کو
دوبارہ صوفے پر بٹھا دیا۔
لے بیٹھ گئی......وہ بولی۔
اماں چائے لاؤں تمہارے لئے......شازیہ نے کہا۔
ہم سب کے لئے بھی......شازیہ ڈیئر......گامو نے مسکرا کر کہا۔
ابھی لائی۔ وہ پچھلے دروازے سے نکل گئی۔
گامو پتر......اس کی نوکری کا کیا بنے گا۔ دولاں خاصی فکر مند لگنے لگی تھی۔

نوکری بھی لگ جائے گی......تو بیاہ ہونے دے اماں......گامو نے جیرے کی پشت پر تھپڑ ماری......

جیرا یوں ہنس دیا......جیسے آج تک دنیا میں کسی نفس کی شادی ہی نہ ہوئی ہو۔ واحد ایک جیرا ہی مرد آہن ہے......جس کو خدا نے یہ اعزاز بخشا ہے۔

لیکن دولاں ایک عمر رسیدہ زمانہ شناس اور سمجھ دار عورت تھی۔ وہ کئی طرح کے نشیب و فراز سے گزر کر یہاں تک پہنچی تھی۔ وہ کئی مرتبہ آنے والے خطرات کی بو سونگھ چکی تھی۔ اسے گامو پر بعض اوقات شک گزرتا کہ یہ قصائی بلاوجہ کیوں جیرے پر روپیہ خرچ کر رہا ہے......سارا خرچ اپنے گھر سے کر رہا ہے......آخر کیوں؟ اگر کبھی بھید کھل گیا تو کیا ہوگا......آنے والی لڑکی کیا خیال کرے گی......کیا وہ جھونپڑا اس کو پسند آ جائے گا......رہ لے گی......وہ لرز گئی۔ کافی دنوں کے بعد اس نے جیرے سے کہا۔

میں تو سوچ سوچ کر باؤلی ہوئی جا رہی ہوں کہ اس کٹیا میں ڈولا اترے گا دلہن کا......

اماں......شادی گامو کے ہاں ہوگی اور بارات بھی ادھر......جیرے نے کہا۔

اور ولیمہ کہاں ہوگا لاٹ صاحب کے پتر......وہ اونچی آواز میں بولی۔

ولیمہ......یہ تو سوچا ہی نہیں......گامو سے مشورہ کروں گا۔ وہ سوچتے سوچتے بولا۔

جیرے مروا نہ دینا......تو گامو کی پچھی پٹی چڑھ رہا ہے گر گیا نا تو ککھ نہ بچے گا۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے چلا کر بولی۔

بس کر اماں......تجھے تو وہم ہو گیا ہے......کبھی اچھی بات بھی کر لیا کر۔ جیرے نے کہا۔

کوئی اچھی بات نظر آئے تو اچھی بات بھی کروں......میں تو یہ سوچ سوچ کر دکھی ہو رہی ہوں کہ وہ آنے والی بختاں ماری کیا کہے گی۔ اس کھڈی میں آ کر۔ ماسی دولاں افسردہ سی ہو گئی۔

یہ تو مقدر کی بات ہے ماں......اس کے نصیب اس گھر سے جڑے ہوئے تھے تو رشتہ ہو گیا۔ جیرا کھڑا ہوتے بولا۔

اور ماسی دولاں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے گھر کی شکستہ دیواروں کو تکنے لگی۔ جہاں اداسی زلفِ بریدہ سو رہی تھی......

☆

اماں......اکیلی بیٹھی ہو۔ بیگ کو بڑی چوکی پر رکھتے وہ تھکی تھکی رقیہ بانو کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

اکیلی ہی ہوں......اس وقت گھر میں کوئی نہیں ہے۔ رقیہ بانو نے سامنے شاہدہ کے کمرے کی طرف دیکھا۔

شاہدہ بھابی کی وجہ سے اداس ہو......میکے تو جانا ہی تھا......چند دن رہ کر آ جائیں گی......اور صائمہ سکول گئی ہوئی ہے......ابا کام پر......ہاں......البتہ......رحیمہ کہاں ہے......زلیخا نے بالوں کو درست کیا۔

رحیمہ کو میں نے نازیہ کے ساتھ بازار بھیجا ہے......دوپٹوں کے لئے دھاگہ کم ہو رہا تھا......اور سنہرا گوٹہ بھی......تم دونوں کے کپڑوں کو لگانا جو ہے۔ رقیہ بانو نے مسکرا کر زلیخا کی طرف دیکھ کر کہا۔

میرا فکر نہ کرو اماں......رحیمہ بڑے افسر کے ہاں جا رہی ہے......اس کا سٹینڈرڈ دیکھ کر اس کی چیزیں بناؤ......وہ بیگ اٹھائے اپنے کمرے میں چل دی۔

زلیخا......ایک دم رقیہ بانو نے پکارا۔

چینج کر لوں......اماں آ رہی ہوں......

رقیہ بانو کا کلیجہ کٹ کر حلق میں آ گیا......کیا زلیخا کو احساس ہو گیا ہے کہ وہ کوئی کام نہیں کرتا۔ وہ چپ چپ سی ہو گئیں۔

جی اماں......زلیخا دوپٹہ درست کرتے پاس آ گئی۔

بیٹھ نا میرے پاس......وہ پیار سے بولیں۔

اماں......دو کپ چائے بناتی ہوں......پھر باتیں کریں گے۔ وہ ماں کا افسردہ چہرہ دیکھ کر ہنس دی۔

چنو بنا نو جلدی سے ......

ابھی گئی اور ابھی آئی ۔ وہ پلٹ گئی۔

بٹیا کچھ کھا لو......صبح جاتے ہوئے تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔اس کو جاتے دیکھ کر رقیہ بانو نے کہا

سب لوگ آپس میں مل کے کھائیں گے ......وہ کچن میں داخل ہو گئی۔

اور رقیہ بانو پھر زلیخا کے بارے میں سوچنے لگیں۔ چند لمحے بھی نہ گزرے تھے تو وہ دو کپ ہاتھوں میں پکڑے آ گئی۔

اتنی جلدی بیٹی ......رقیہ بانو حیران رہ گئیں۔

اماں ......گیس کا یہی تو فائدہ ہے......وہ کپ رکھتے بولی۔

قدرت نے کتنا عظیم تحفہ دیا ہے پاکستان کو ......وہ بولیں۔

ہمیں اس ذات کا شکر ادا کرنا چاہئے ......جس نے ایسے ہزاروں تحفوں سے نوازا ہے۔ زلیخا نے بڑی عقیدت سے کہا۔

رقیہ بانو نے کپ کو ہونٹوں سے لگایا اور ہلکی سی چسکی لی......اور کپ کو واپس رکھ دیا۔

بہت گرم ہے ......رقیہ بانو نے کہا۔

اماں آپ نے کیا کہا تھا۔ زلیخا کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی کہ رقیہ بانو کچھ کہنا چاہتی ہیں۔

بیٹی !تمہیں معلوم ہے نا کہ میں اور تمہارا باپ ایک دو مرتبہ تمہارے رشتے کے لئے پرانی بستی بھی گئے تھے۔

مجھے سب معلوم ہے اماں ......اب رشتہ پکا کر دیجئے ......مت وقت ضائع کیجئے......وہ جھلا کر بولی۔

کیا......تو کہہ رہی ہے ......رقیہ بانو کے دماغ میں ایک باریک سی رگ سرسرا اٹھی ......

میں کہہ رہی ہوں ......آپ میری شادی جیسے بھی ہے ......جلدی کیجئے ......اس طرح شرجیل کہیں اور شادی کر لے گا۔ زلیخا بے تکلف بولی۔

شرجیل ......تمہیں کہیں ملا تھا۔ رقیہ بانو چونک گئیں۔

جی ہاں ......وہ آج مجھے ملا تھا......میں اسی کی گاڑی سے آئی ہوں......

کیا کہہ رہا تھا وہ ......رقیہ بانو کا دل دہل گیا۔

وہ کہہ رہا تھا کہ اس کے جانے کا وقت قریب آ رہا ہے ......آپ اگر اس ماہ تاریخ نہ دیں

تو پھر یہ تھوڑا بہت خرچ کس نے کیا۔ زلیخا نے کہا۔

یہ سب خرچ گامو نے کیا ہے۔ دولاں بولی۔

گامو کو کیا مصیبت پڑی تھی نذیر کی شادی پر خرچ کرنے کی ......ضرور دال میں کالا ہے۔ اتنا سمجھدار اور اک رکھنے والی لڑکی تھی ......بے مقصد کوئی اتنی رقم نہیں لٹاتا۔ زلیخا سوچنے لگی۔

دولاں خاموش [illegible] رہی۔

اماں ......چند لمحے ٹھہر کر زلیخا نے کہا۔

کیا بات ہے بیٹی ......دولاں بولی۔

اب تو رات ہونے کو آئی ہے ......کل کسی وقت گامو کی بیوی شازیہ کو بلا کر لانا۔ تم کہو تو ابھی لاتی ہوں۔ دولاں نے لحاف کو لپیٹ کر کہا۔

نہیں ......کل سہی ......اب تو بھوک لگنے لگی ہے ......زلیخا نے دولاں کے افسردہ چہرے کی طرف دیکھا۔

گھر میں تو کچھ بھی نہیں بیٹی ......دولاں نے کہا۔

کوئی بات نہیں اماں ...... چند دنوں کی بات ہے سب ٹھیک ہو جائے گا......زلیخا نے محبت سے دولاں کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

تو کیا ملی کہ میرے بھاگ جاگ اٹھے۔ دولاں نے بڑی محبت اور چاہت سے زلیخا کی پیشانی چوم لی۔ میری بچی ہمارا کوئی دوش نہیں ......ہم دونوں کو معاف کر دے ......اگر تو چاہتی ہے تو ہمیں چھوڑ کر چلی جا......ہم تیرے بنا جی لیں گے بیٹی ...... تجھے نہیں بھولیں گے ...... اس نے ہاتھوں کو چہرے پر رکھے بلک بلک کر رو دی......

اماں ......کون چھوڑ رہا ہے تمہیں ......تم دونوں تو میری تقدیر کے ساتھ بندھے ہو۔ زلیخا نے اس کو ساتھ لگا لیا۔

سچ بیٹی ......دولاں نے بھیگی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

ہاں اماں ۔ میں سچ کہہ رہی ہوں ......خوش ہو جاؤ ......بس رونا نہیں ......وہ پرس سے سو کا نوٹ نکال کر بولی۔

اماں روٹیاں اور سالن لے آنا۔ جلدی آنا......زلیخا نے کہا۔

اچھا بیٹی......سڑک پر ہوٹل ہے وہاں سے لے آؤں......دولاں جاتے جاتے بولی۔

وہیں سے لے آؤ اور زلیخا کنڈی لگاتے واپس پلٹ آئی۔

اس گھر میں تو نمک کی چٹکی بھی نہیں ...... پرسوں وہ نوکری پر چلی جائے گی۔ تنخواہ ایک
کے بعد ملے گی ...... پورا مہینہ کیسے گزارہ ہوگا ...... کیوں نا دو انگوٹھیاں بیچ کر گھر کا سودا
لوں ...... کب تک بازار سے دال نان سے گزارہ ہوگا ...... اب سر پر پڑی ہے تو
پڑے گا ...... نہ جانے یہ غریب عورت زندگی میں کن کن مراحل سے گزری ہوگی ...... شو
وفات کے بعد اس نے کس طرح نذیر کی پرورش کی ہوگی ...... یہ گارے مٹی سے بنا مکان
امیر آدمی نے رحم کھا کر دے دیا ...... اور یہ عورت اس کے برتن دھونے جاتی ہے۔ اب
جانے دوں گی ...... میں اس بوڑھی بے گناہ عورت پر اب زمانے کے ستم نہیں ہونے دوں

ٹھک ٹھک ...... دروازے پر دستک ہوئی۔

آئی ماں ...... بھاگ کر زلیخا نے کنڈی کھولی۔

لے بیٹی ...... دولاں نے سفید رنگ کا شاپنگ بیگ زلیخا کو تھما دیا۔

اماں ...... نذیر کو جگا دو ...... منہ ہاتھ دھولے ...... میں روٹی لے کر آتی ہوں ...... وہ بو

جگا رہی ہوں ......

جیرے ...... اٹھ ...... ہوش کر ...... نشہ اترا کہ نہیں تیرا ...... دولاں نے زور سے ہلایا۔

ہاں اماں ...... اٹھ گیا ہوں ...... وہ لال لال آنکھیں لئے بیٹھ گیا ......

چل منہ دھو جا کر ...... شکل ٹھیک ہو تیری۔ دولاں کو اس طرح اجڑا اجڑا سا جیرا اچھا نہ لگا

زلیخا کہاں ہے۔ وہ اٹھتا ہوا بولا۔

روٹی لا رہی ہے ...... تو چل منہ دھولے ...... آج پیٹ بھر کر کھالے ......

روٹی اچھا ...... وہ لڑکھڑاتے قدموں سے نلکے کے پاس پہنچ گیا۔

اپنے تولیے سے منہ صاف کرو۔ باہر رکھا ہے ...... زلیخا کھانا اندر لے جاتے بولی۔

تولیا ...... میں نے تو کبھی تولیا استعمال نہیں کیا۔ وہ ہاتھ سے پانی جھٹک کر بولا۔

یہ رکھا ہے ...... تمہارے لئے نکالا ہے میں نے۔ وہ چار پائی کی طرف اشارہ
بولی ...... جس پر تولیا رکھا تھا۔

اچھا ...... واہ بھئی واہ ...... شادی کا ایک تو فائدہ ہوا ...... وہ تولیے سے چہرا صاف کر

میری بیٹی کی بات مانے گا تو بہت فائدے ہوں گے۔ دولاں نے نذیر کو اپنے پاس

زلیخا نے تین پلیٹوں میں سالن ڈالا اور روٹیاں درمیان میں رکھ دیں۔

اماں ...... یہ سب کیا ہے ...... اس طرح تو ہم نے کبھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ حسب عادت بڑا
سا لقمہ منہ میں داب کر بولا۔

اب کھایا کرو گے نا۔ خدا سب کچھ دے گا۔ وہ پانی کا گلاس رکھتے بولی۔

وہ کیسے۔ وہ بولا۔

دولاں خاموش کھانا کھاتی رہی۔

پرسوں میری نوکری شروع ...... صرف ایک ماہ کی تکلیف ہے ...... زلیخا نے دیکھا ...... وہ
خوش نظر آ رہا تھا۔

پھر تو گھر میں کھانا پکایا کرے گی۔ وہ آخری لقمہ نگل کر بولا۔

اور کیا۔ برتن کہاں سے لے گی۔ وہ سنجیدہ سا ہو گیا۔

اللہ رکھے ...... بہو کے پاس سب کچھ ہے ...... کسی چیز کی کمی نہیں۔ ماسی دولاں نے
خوش ہو کر کہا۔

زلیخا ...... وہ آہستہ سے بولا۔ تو نوکری کے لئے باہر جایا کرے گی۔ وہ بھول پن سے مسکرایا۔

اور کیا ...... نوکری میں تو باہر جانا پڑے گا۔ وہ مسکرا کر بولی۔

اماں کام پر چلی جایا کرے گی ...... اور میں گامو کے پاس ...... وہ ایک سوچ کر بولا۔

خبردار ...... تم نے گامو کے پاس نہیں جانا ...... اور نہ اماں اب کام پر جائیگی۔ وہ برتن سمیٹتی
ہوئی بولی۔

دولاں نے حیرت سے دیکھا۔

اور وہ زلیخا کا چہرا تکنے لگی ...... نذیر زلیخا کو دیکھنے لگا۔

کیا دیکھ رہے ہو میری طرف۔ وہ بولی۔

تو نے کتنی آسانی سے کہہ دیا ہے کہ اماں تھانیداروں کے گھر کام پر نہیں جائیگی۔ وہ بولا

ہاں کہہ دیا ہے ...... پھر ...... وہ سیدھی ہو گئی۔

وہ تھانیدار کی جورو ہے ...... نذیر خوفزدہ سا لگنے لگا تھا۔

تھانیدار کی جورو ہوگی تو اپنے گھر ہوگی ...... ہم ڈرتے ہیں کسی سے ...... وہ برتن اٹھا کر باہر لے گئی۔

اماں ...... سنا تو نے ...... تیری بہو کیسی باتیں کر رہی ہے۔ یہ تو کسی سے نہیں ڈرتی ...... بڑی

ظالم ہے۔ نذیر نے سامنے جاتی زلیخا کو دیکھا۔

وہ کیوں ڈرے کسی سے ...... اپنا کمائے گی اور اپنا کھائے گی ...... بلکہ ہم بھی کھائیں گے۔اماں نے بڑی محبت سے کہا۔

اماں ......تو اب کام نہیں کرے گی۔ میں نے تو سوچا تھا کہ بہو نے چند دن کے لئے منع کیا تھا......اب تو زلیخا کہتی ہے جانا ہی نہیں۔ دل میں دولاں پرسکون نظر آ رہی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

اٹھ کے دیکھ......کون ہے۔

زلیخا کھول دے کی گنڈی......وہ دوسرے پلنگ پر جا کر لیٹ گیا۔

یہی آرام تیری گھٹی میں پڑا ہے......وہ نئی بیاہی ہے......خود باہر جایا کر......دولاں کو غصہ آ گیا۔

اچھا اماں......وہ سیدھا چت لیٹ گیا۔

اتنی دیر میں زلیخا نے کنڈی کھول دی۔

سلام باجی۔ دس بارہ سال کا لڑکا زلیخا کو دیکھ کر بولا۔

وعلیکم السلام......کیا بات ہے بھائی۔ زلیخا مسکرائی۔

ماسی دولاں کو امی بلا رہی ہے...... تین دن سے کپڑے اور برتن پڑے ہیں۔لڑکا سامنے کمرے میں جھانکنے لگا۔

اپنی امی سے کہو......ماسی دولاں اب کام نہیں کرے گی......زلیخا نے کہا۔

کیوں؟ ایک دم لڑکا حیران رہ گیا۔

اس لئے کہ اس سے کام نہیں ہوتا...... بوڑھی ہوگئی ہے......زلیخا بولی۔

بوڑھی تو وہ کب سے ہے۔لڑکا ہنس دیا۔

زلیخا بھی ہنس دی۔

بس تم اپنی امی سے کہو...... کسی اور ملازمہ کا بندوبست کر لے...... اماں کام نہیں کرے گی ......زلیخا ہنستے ہوئے بولی۔

اچھا......لڑکا جاتے جاتے بولا۔

ابھی نصف گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ بُری طرح کسی نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

کون ہے...... ذرا آرام سے ......دروجہ توڑو گے ...... ماسی دولاں کہتے کہتے رک گئی۔

تھانے دارنی تم......

ہاں......میں ......رات ہونے والی تھی...... میں نے سوچا ابھی ماسی دولاں سے بات کر کر آؤں ......صبح تک انتظار میں نہ کر سکتی تھی۔ تھانیدارنی بڑی تیزی دکھا کر صحن میں بچھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اچھا...... یہ بہو ہے تمہاری ...... (جیرے کی ایسی بیوی) تھانیدارنی نے باہر آتے زلیخا کو حیرت سے دیکھا......اسوقت خوبصورت سیاہ سوٹ میں ملبوس تھی اور ہلکا سا زیور پہنا ہوا تھا۔

ہاں......اللہ رکھے یہ میری بہو ہے...... بڑے بھاگوں والی بڑے نصیبوں والی۔ دولاں نے بڑی چاہت سے زلیخا کو دیکھا......

اسی لئے تمہیں کام سے ہٹا دیا۔ وہ غصے سے زلیخا کی طرف دیکھ کر بولی۔

جی ہاں......اب اماں کو کام کی ضرورت نہیں ہے۔ زلیخا نے کہا۔

کیوں......ضرورت کیوں نہیں ہے۔ وہ اچک کر بولی۔

اب اماں کے بیٹے نذیر کی شادی ہوگئی ہے۔زلیخا نے مختصر سا جواب دیا۔

دولاں اب بھی خاموش تھی۔

نذیرے کو قارون کا خزانہ مل گیا ہے تھانیدارنی طنزاً ہنس دی۔

آپ یہی سمجھ لیجئے۔ زلیخا نے بھی ہنس کر برجستہ جواب دیا۔

اور وہ جو کافی دنوں کا کام پڑا ہے......اس کا کیا کروں۔ تھانیدارنی آگ بگولہ ہوگئی۔

اس کا فکر مت کیجئے......مجھ سے پیسے لے لیجئے کسی اور کو دے کر کروا لیجئے۔ زلیخا بڑے باوقار اور مہذب لہجے میں بولی۔

ارے واہ......آئی سیٹھنی ......تم چار پانچ روز میں مکان خالی کرو......وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

بیٹی......اب کیا ہوگا......دولاں کنڈی لگا کر بڑے متفکر انداز میں بولی۔

فکر کیوں کرتی ہو اماں......نوکری کے ساتھ مکان بھی ملے گا......ہم پرسوں سے ہی شفٹ ہو جائیں گے۔

☆

پھر وہ وقت بھی آ گیا۔ زلیخا نے سروس جوائن کر لی۔ اسے پرائیویٹ فرم میں سات ہزار روپیہ مہوار پر اچھی خاصی ملازمت مل گئی اور فیکٹری کے قریب ہی ایک خوبصورت چھوٹا سا بنگلہ نما مکان بھی مل گیا...... وہ بڑی خوش تھی۔ آفیسر مہربان آدمی تھا لیکن اس نے پہلے دن ہی مدد حاصل کرنا آسان نہ سمجھا...... وہ کسی مصلحت کے تحت رقیہ بانو کے ہاں چل دی۔

اماں ...... زلیخا نے صحن میں ہی پکارا۔

زلیخا ...... میری بچی ...... آؤ ...... ماشاء اللہ ...... خوش نظر آ رہی ہو۔ رقیہ بانو اسے لپٹا کر اپنے ساتھ اندر برآمدے میں لے آئیں۔

آپ ٹھیک تو ہیں۔ زلیخا نے سامنے کرسی پر بیٹھ کر پرس کرسی کی پشت پر لٹکا دیا۔

ٹھیک ہوں ...... تم سناؤ ...... تمہاری ساس ...... نذیر ...... کیسے ہیں۔ رقیہ بانو نے خوش ہو کر پوچھا۔

اماں ...... میری ساس تو اس قدر اچھی ہے کہ بس ...... یوں سمجھو ...... فجر کے نام والی ہے ...... مجھے دیکھ دیکھ کے جیتی ہے وہ۔ زلیخا کے چہرے پر مسرت جھلک رہی تھی۔

اور نذیر ...... رقیہ بانو نے کہا۔

نذیر بھی بہت اچھا ہے ...... بس بری صحبت نے اس کی عادتیں بگاڑ دی ہیں لیکن میرا بہت احترام کرتا ہے ...... جیسے بیوی نہ ہوا اس کی استانی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی زلیخا کھل کھلا کر ہنس دی۔

اللہ تمہیں خوش رکھے ...... جس دن سے تو بیاہی گئی ہے ...... تیرا ہی فکر جان کو کھائے جا رہا تھا ...... رقیہ بانو مطمئن انداز میں دیکھنے لگیں۔

میرا فکر کرنا چھوڑ دے اماں ...... مجھے اچھی خاصی نوکری مل گئی ہے ...... بلکہ فیکٹری میں گھر بھی ...... وہ مسکرا دی۔

اللہ تیرا کرم ...... بڑی خوشی کی بات ہے ...... خدا تمہیں سکھی رکھے۔ رقیہ بانو نے سو مرتبہ

بلائیں لیں۔

کہاں ہیں سب ...... وہ ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔

جمیل اور تیرے ابا تو اپنے اپنے کام پر ہیں ...... شاہدہ بازار گئی ہے ...... اور صائمہ سکول ...... رقیہ بانو نے بغور زلیخا کو دیکھا۔

ابا کے آنے میں تو بڑی دیر ہو گی۔ زلیخا الجھی سی لگنے لگی تھی۔

کوئی کام ہے کیا۔ رقیہ بانو نے زلیخا کے چہرے پر چند سوالات کی لکیریں پڑھ لیں۔ ہاں ابا سے کام تھا۔ زلیخا سنجیدہ سی ہو گئی۔

کام ہے ...... خیریت تو ہے نا ...... مجھے بتاؤ ...... رقیہ بانو خود پریشان سی لگنے لگیں۔

کچھ پیسے چاہئے تھے اماں ...... تنخواہ تو ایک ماہ کے بعد ملے گی نا ...... زلیخا کو ندامت ہوئی۔

تنخواہ تو مل ہی جائیگی ...... مجھے بتاؤ نا ...... پریشانی کیا ہے۔ رقیہ بانو نے آگے جھک کر زلیخا کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

اماں ...... آپ کو معلوم ہے نا ...... ان لوگوں کے گھر میں تو نمک کی چٹکی بھی نہیں جو بوقت ضرورت کام آ جائے ...... بلکہ گھر میں کھانے پکانے کا سامان ہی نہیں۔ زلیخا نے مجبوری ظاہر کی۔

تو کیوں گھبراتی ہے ...... سب چیزیں یہاں سے لے جا ...... میری بنی ہوئی ہیں۔ تیرے باپ کی کمائی کی ...... جو ضرورت ہے اٹھا لے ...... رقیہ بانو کو زلیخا پر شدید محبت کا احساس ہوا ...... ماں جو تھی ...... وہ اس کی اداسی اور بے بسی نہ دیکھ سکی۔

خدا آپ کو اور ابا کو خوش رکھے ...... یہ سب کچھ تو ہے ...... مجھے کچھ رقم درکار تھی۔ زلیخا نے منتظر نگاہیں ماں پر ڈالیں۔

کتنے چاہئے۔ زلیخا کی بات نے رقیہ بانو کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

کم از کم دو ہزار تو ہو ...... تاکہ تھوڑا بہت راشن تو ڈال لوں ...... مجھے یہ ٹکے ٹکے کا سودا منگوانے سے نفرت ہے ...... تنخواہ ملتے ہی میں لوٹا دوں گی ...... زلیخا نے کہتے ہوئے بڑے غور سے ماں کی طرف دیکھا۔

دیکھتی ہوں ...... تم دونوں کی شادی میں لینے دینے کے بعد جو بچا تھا میں نے سنبھال لیا ...... اب صائمہ کی فکر ہے ...... وہ بھی میرا مولا اچھا کر دے گا۔ وہ اپنے کمرے میں جاتے ہی چند لمحوں میں پلٹ آئیں۔

اماں ...... ابھی تک یہ تھیلی ہے۔ زلیخا رقیہ کے ہاتھ میں سنہری تھیلی دیکھ کر ہنس دی۔
ہاں بیٹی ...... یہ تھیلی بڑی برکتوں والی ہے۔ رقیہ بانو نے چوکی پر بیٹھتے ہی تھیلی سے نوٹ نکال کر آگے ڈھیر کر دیئے۔
یہ تو بہت زیادہ ہیں اماں۔ زلیخا دیکھ کر بولی۔
تمہیں جتنی ضرورت ہے لے لو ...... رقیہ بانو نے ہاتھ سے نوٹ اس کی طرف کر دیئے۔
اماں ...... یہ سارے پانچ ہزار ہیں۔ زلیخا نے گن کر کہا۔
تم رکھ لو نا ...... رقیہ بانو نے کہا۔
میں نے دو ہزار رکھ لئے ہیں۔ وہ ہزار کے دو نوٹ اٹھا کر بولی۔
بیٹی دو ہزار میں کیا آئے گا ...... تو ایک ہزار اور رکھ لے ...... رقیہ بانو نے ایک ہزار کا نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھا۔
نہیں اماں ...... بہت ہیں۔ زلیخا مروت سے ہنس دی۔
ارے نہیں میری جان ...... ضرورت کی سب چیزیں ڈال لینا ...... اور ہاں ...... اپنے نکال کر استعمال کر ...... رقیہ بانو نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
اچھا اماں ...... وہ نوٹ پرس میں ڈالتے ہوئے بولی ......
کچھ کھانے کے لئے لاؤں تمہارے لئے۔ رقیہ بانو باقی رقم پوٹلی میں ڈالتے ہوئے بولیں
پہلے آپ یہ تھیلی رکھ آئیں ...... میں نہیں چاہتی کسی کو علم ہو۔ وہ پراسرار لہجے میں بولی۔
تو فکر نہ کر ...... تیرے باپ کو بھی پتہ نہ چلے گا۔ رقیہ بانو تھیلی رکھ کر واپس آ گئیں۔
اماں ...... ابا کی تو خیر ہے ...... باقی رشتہ داروں سے میں بڑی خائف ہوں ...... زلیخا کو ماضی یاد آ گیا۔
جانے بھی دے ...... رحیمہ کی کسی بات کا خیال نہ کر ...... تمہیں معلوم ہے اس کی تو عادت ایسی ہے۔ رقیہ بانو نے رحیمہ کی شقاوت زلیخا کے دل سے نکالنا چاہی۔
بس آپ کسی سے بات نہ کیجئے گا۔ زلیخا نے کہا۔
تو فکر کیوں کرتی ہے ...... یہ میرے پیسے ہیں ...... اللہ رکھے تیرا باپ نوکری کرتا ہے میں کسی سے لیتی نہیں ہوں ...... اور نہ ہی بیٹے پر بوجھ ہیں ہم۔ رقیہ بانو نے سینہ تان کر تفاخر سے کہا۔

واقعی اماں ...... شوہر کی کمائی پر عورت کو کس قدر حق حاصل ہے۔ وہ سوچنے لگی (کاش نذیر بھی کچھ کرتا)
اچھا تو بیٹھ ...... میں تیرے لئے چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو لاؤں۔ رقیہ بانو اٹھتے ہوئے بولیں۔
نہیں چائے میں بناتی ہوں ...... آپ بیٹھیں ...... وہ رقیہ بانو کو ہاتھ کے اشارے سے بٹھا کر خود اٹھ گئی۔
کچن میں انڈے اور ڈبل روٹی ہے ...... سالن بھی ہے ...... اپنے لئے بنا لینا۔ رقیہ بانو نے کہا۔
اچھا اماں ...... واقعی بھوک سے اس کی آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں ...... صبح صرف لسی کے ساتھ ایک بن کھایا تھا ...... وہ بوڑھی عورت جس سے ایک بن بھی نہ کھایا گیا۔ وہ بھی آدھا نذیر کو دے دیا۔
زلیخا ...... کوئی اچھی سی چیز کھانے کے لئے لے آنا ...... باہر نکلتے نذیر نے فرمائش کی۔
اچھا ...... لے آؤں گی ...... تم نے باہر نہیں جانا ...... کنڈی لگا کے ماں بیٹا اندر ہی رہنا ...... وہ باہر نکلتے تاکید کرنے لگی۔
اچھا استانی جی ...... نذیر ہنس کر صحن میں بچھی چارپائی پر لیٹ گیا۔ اور وہ باہر نکل گئی۔
لے آ زلیخا ...... رقیہ بانو نے برآمدے سے ہی پکارا۔
آ گئی اماں ...... وہ ایک دم چونک گئی ...... ٹرے میں جلدی سے دو سلائس رکھے اور چائے کے دو کپ لئے ماں کے پاس آ گئی۔
لیجئے اماں ...... چائے ...... ارے صرف سلائس لائی ہو ...... انڈے نہیں بنائے۔ رقیہ بانو نے حیرت سے ٹرے پر نظر دوڑائی۔
یہی ٹھیک ہے اماں ...... انڈے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ چائے کی چسکی لیتے بولی۔
کتنے دنوں بعد اپنی بیٹی کے ہاتھ کی چائے نصیب ہوئی ہے۔ رقیہ بانو ساری جان سے فریفتہ ہو گئیں۔
زلیخا نے آخری سلائس کا لقمہ حلق سے اتارا۔ اچھا اماں اب اجازت ...... ابا، بھائی، بھابی اور صائمہ کو دعا و پیار کہئے گا۔ وہ بڑی عجلت میں پرس شانے پر لٹکا کر بولی ......
یوں سلام نہیں چلے گا ...... ہم پہنچ گئے ہیں۔ جمیل اور شاہدہ ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔

ارے بھائی اور بھابی۔

زلیخا ہنستے ہوئے شاہدہ سے لپٹ گئی۔

کیسی ہو......ٹھیک ہو نا......شاہدہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

ٹھیک ہوں...... بھائی آپ کیسے ہیں۔ وہ جمیل کے ساتھ لپٹ کر بولی۔

میں ٹھیک ہوں...... بڑے دنوں کے بعد آئی ہو......اچھی ہو نا......جمیل نے بڑی محبت سے زلیخا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

بہت ٹھیک ہوں......آج نوکری جوائن کر لی...... پہلا دن تھا۔ وہ ہنستے ہوئے بولی

اچھا...... یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے......مٹھائی کب کھلاؤ گی......جمیل نے قہقہہ لگایا۔اور سب واپس برآمدے میں آگۓ۔

شاہدہ! بارہ بج گئے......کھانا بنالو......زلیخا کھا کے جائیگی۔جمیل نے شاہدہ سے کہا۔

نہیں بھائی...... مجھے بہت جلد گھر پہنچنا ہے......کل تک ہم لوگوں نے نئے گھر میں شفٹ بھی ہونا ہے۔ بہت کام ہے......زلیخا کھڑی ہوگئی۔

نئے گھر میں......شاہدہ نے حیران انداز میں شوہر کی طرف دیکھا۔

نوکری کے ساتھ مکان بھی مل گیا ہے......زلیخا نے کہا۔

very good......زلیخا......یہ تو بہت خوشی کی بات ہے......

یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے......چلو جلدی سے شفٹ ہو جاؤ......جمیل اور شاہدہ نے بھرپور مسرت کا اظہار کیا۔

بس آپ تیار رہئے گا......زلیخا جانے کے لئے تیار ہوگئی۔

رکو گی نہیں......کھانا کھا کے چلی جاتی بیٹی۔ رقیہ بانو نے محبت سے زلیخا کو ساتھ لگایا۔

نہیں اماں اب اجازت دیجئے......ابا کو سلام کہہ دیجئے گا......وہ بھابی اور جمیل سے مل کر پوپی کی پیشانی چوم کر باہر نکل گئی۔

بیس بائیس دنوں کے بعد پہلی مرتبہ زلیخا کو خوش دیکھا ہے۔جمیل نے بیٹھتے ہوئے شاہدہ سے کہا۔

اچھی خاصی تنخواہ والی نوکری مل گئی ہے......خوش کیوں نہ ہوگی۔شاہدہ نے کہا۔

یہ تو ہے......اس کی ڈگریاں ہی زیادہ ہیں......جمیل نے کہا اور لباس تبدیل کرنے اپنے کمرے میں چل دیا۔

زلیخا نے پورے ماہ کا راشن خریدا اور دوپہر کے لئے کھانا لئے وہ چل دی۔ اس وقت دوپہر کے دو بج چکے تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

دیکھ......دلہن آئی ہے۔ ماسی دولاں نے بیٹے سے کہا۔

نذیر نے تقریباً بھاگ کر دروازہ کھول دیا۔

یہ چیزیں اتار......نذیر......وہ گھی کے ڈبوں کی طرف اشارہ کرتے بولی۔

نذیر اور ماسی دولاں نے مل کر سامان اتارا......

اماں......زلیخا بہت کچھ لے کر آئی ہے۔نذیر نے کہا۔

ہاں بیٹا......بڑی بھاگوان ہے بہو......چیزیں رکھوانے کے بعد زلیخا نے ٹوکری میں سے دو بڑے بڑے شاپر نکال کر نذیر کی گود میں رکھے۔

اس میں کیا ہے۔ وہ چونکا۔

تیرے لئے......جی بھر کے کھانا......وہ نذیر کے شانوں کو جھنجھوڑ کر بولی......

اچھا......تو کتنی اچھی ہے زلیخا......وہ لفافے کھول کر بولا......

ارے اس میں تو بہت کچھ ہے......تم منہ دھو آؤ......مل کے کھائیں گے۔ وہ دونوں شاپر پلنگ پر رکھتے ہوئے بولا۔

میں برتن رکھوں بیٹی۔ دولاں ایک دم اٹھ کر بولی۔

بس پلیٹیں رکھ لو اماں۔ زیادہ برتنوں کی ضرورت نہیں۔ وہ نلکے سے منہ ہاتھ دھوتے اونچی آواز میں بولی۔

دولاں نے پلیٹیں کپڑا اچھا کر رکھ دیں۔

نذیر نے لفافوں میں سے چٹنی کی تھیلیاں نکال کر ایک پلیٹ میں رکھیں

یہ کیا ہے۔اماں دولاں حیرت سے بولی۔

یہ مرغا ہے......بھنا ہوا......بلکہ زلیخا دو لے آئی ہے......اور یہ......دیکھو......کھیر......بس تیرے لئے اماں......تیرے دانت جو نہیں ہیں......اس کے ساتھ ہی نذیر اور زلیخا کھل کھلا کر ہنس دیئے۔

زلیخا تو کتنی اچھی ہے......اسی وجہ سے میں تیری بات مانتا ہوں......وہ نوالہ نگل کر بولا۔

اماں نذیر باہر تو نہیں گیا۔ زلیخا نے کہا۔

آج تو نہیں گیا......دولاں نے کھاتے کھاتے کہا۔

بس تو نے گاموسے نہیں ملنا......زلیخا کو گاموکے نام سے ہی نفرت تھی۔

زلیخا......تو ناراض نہ ہونا......گاموکے پیسے بھی دینے ہیں۔وہ ڈرتا ڈرتا بولا۔

دے دیں گے اس کے پیسے......نوکری مل گئی ہے نا......بلکہ مکان بھی۔کل تک ہم
چھوڑ دیں گے۔زلیخا نے پانی پی کر گلاس رکھا۔

اچھا......دولاں اور نذیر کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ہاں اماں......ہم اچھے بھلے مکان میں جائیں گے......گھر کی ضرورت جو تھی......میں
لے آئی ہوں......وہ سامنے پڑے سامان کی طرف دیکھ کر بولی۔

گھر میں پکایا کرے گی نا۔نذیر بڑی حسرت سے بولا......جس نے آجتک ماں کو گھر
کھانا پکاتے نہیں دیکھا تھا۔

ہاں......میں گھر میں کھانا پکایا کروں گی......اور وہ بڑا میز ہے نا وہاں کرسیوں پر بیٹھ
کھائیں گے۔

اماں......تو کیسے کھائے گی......تجھ سے بیٹھا ہی نہیں جانا۔وہ قہقہہ لگاتے بولا۔

لو......اماں کیوں نہ کھائے گی......کرسی پر اماں بیٹھ جائیگی......کیوں اماں......زلیخا
دولاں سے کہا۔

لو......یہ بھی کوئی مشکل بات ہے......جب اللہ نے دیا ہے تو میں بیٹھوں گی۔خدا سلام
رکھے میری بچی کو......سب کچھ اسی کے دم سے ہے۔ماسی دولاں نے بڑی محبت سے ز
کی طرف دیکھا۔

وہ آخری لقمہ نگل کر برتن سمیٹنے لگی۔

نذیر جلدی کرو......سامان سمیٹو......صبح ہم یہاں سے شفٹ ہو جائیں گے۔وہ جلدی جلد
برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔

بیٹی......ماشاءاللہ اتنا سامان ہے......کس پر جائیگا۔دولاں کو حیرت ہوئی۔

دفتر کی بڑی گاڑی آئیگی اماں......ایک دو چکر لگیں گے......ویسے بھی،ابا آ جائیں۔
......اور نذیر بھی تو ہے......وہ بڑے اطمینان سے بولی۔

نذیر کھانا کھا کے اٹھ گیا......ہاں میں ابا کے ساتھ جو ہوں......

......یہ لحاف کس کس کے ہیں......دے آ......زلیخا نے ریشمی لحاف دیکھ کر کہا۔

واپس کر دیئے ہیں بیٹی......بس یہی رہ گیا ہے......کر دوں گی۔وہ بولی۔

دے آ اماں......سویرے سویرے تو ہم چلے جائیں گے۔

بی۔دولاں نے گھٹنوں کو سیدھا کیا اور اندر چلی گئی۔

☆

گاموا استاد......غضب ہو گیا......حویلی کے اندر قدم رکھتے جیدی نے ہانپتے ہوئے آواز

اندر آ جا......اندر لیٹے لیٹے گامو نے کہا۔

استاد......جیرے کا مکان خالی پڑا ہے۔ جیدی زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

ہیں......خالی پڑا ہے......کیا مطلب ہے تمہارا۔ گامو تڑپ کر سیدھا بیٹھ گیا۔

وہ مکان چھوڑ گیا ہے......محلے والوں نے ایک بڑی سی گاڑی دیکھی جس میں سامان گیا
اور بڑا ٹرک بھی تھا......جیدی پراسرار سا منہ بنا کر بولا۔

یار جیرے کی بیوی بڑی تیز ہے......یہاں سے نکال کر لے گئی اس کو۔ گامو نے کہا۔

سنا ہے کسی دفتر میں نوکری کرتی ہے۔ جیدی حیرت سے بولا۔

اور کیا......نوکری کرتی ہے تو جیرے کو دولاں سمیت لے گئی۔ گامو نے لیٹتے ہوئے طنز کی

اب کیا ہوگا۔ استاد تو نے تو مجھ سے بھی پیسے لے کر اس کی مہندی سجائی تھی۔ جیدی کو ا
چند سو کی فکر پڑ گئی۔

میرے بھی بہت نکلتے ہیں......نکل آئیں گے......گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ گامو
ہنس کر اپنی سیاہ مونچھوں کو تاؤ دیا۔

کیسے نکلیں گے......میں نے تو سنا ہے......اس کی بیوی جیرے کو باہر نکلنے نہیں دیتی
جیدی نے راز داری سے منہ کھولا۔

جب رانی کا لشکارہ پڑا نا......جیرا خود باہر آ جائیگا۔ گامو نے کہا۔

بس آگے کیسوچ......کیا کرنا ہے۔ جیدی نے کہا۔

ہاں کرنا ہی پڑے گا کچھ......شادی پرانی ہو گئی ہے۔ گامو نے کہا۔

ابھی تو مہینہ بھی نہیں ہوا۔ جیدی نے کہا۔

نہ ہو مہینہ......ہمارا مشن شروع......گامو ہنس دیا۔

وہ کیسے؟ جیدی اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

تیری بھابی کو بھیجوں گا اس کے گھر۔ گھر کا پتہ چل جائیگا۔ جیدی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

پوچھتے پوچھتے آدمی چین چلا جاتا ہے......پھر جیرا......وہ تو میری مٹھی میں ہے۔

ہا......ہا......ہا......حسب عادت گامو نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

جیدی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔

آگے آگے دیکھ ہوتا کیا ہے......گامو نے منہ کو اپنے کندھے پر لٹکے رومال سے صاف کیا۔

اچھا......میں چلتا ہوں......پھر ملوں گا......جیدی اٹھ گیا۔

سن......ادھر آ......

ہاں استاد......جیدی قریب آ گیا۔

سکولوں کالجوں کے باہر سیدھے سادھے لڑکوں کو پھانسنے کی کوشش کر۔ دھندہ ٹھنڈا پڑتا جا رہا
ہے۔ گامو کو افسوس ہو رہا تھا۔

کوئی سنتا ہی نہیں......لڑکے بڑے ہوشیار ہو گئے ہیں......والدین نے پکا کر دیا ہے استاد
......جیدی نے اپنا تجربہ بیان کیا۔

سکولوں کے باہر جاؤ......طریقہ تمہیں میں بتاؤں گا۔

دوسرے دن دروازے کی بیل زور زور سے بجنے لگی۔

جیرے دیکھ کون ہے۔ بہو آ گئی ہے......دولاں نے اندر لیٹے لیٹے آواز دی۔

دیکھتا ہوں اماں......یہ زلیخا کی گھنٹی نہیں ہے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

نذیر نے دروازہ کھول دیا۔

بھابی......شازیہ کو دیکھ کر وہ ہکا بکا سا رہ گیا

تم تو چوری چوری چلے آئے......ہم نے تلاش کر ہی لیا نا......شازیہ آگے جاتے ماسی
دولاں کے پاس چلی گئی۔

بہت خوبصورت مکان ہے ماسی......یہ سب جہیز کی چیزیں ہیں نا......شازیہ گھر کی آرائش
اور زیب و زینت دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

اللہ رکھے......میری بہو بڑی گھنوں والی ہے......نوکری کرتی ہے......ماشاءاللہ بڑی تنخواہ

لیتی ہے۔دولاں نے تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔

ہاں......نظر آ رہا ہے۔

نذیر کہاں چلا گیا......دولاں نے چونک کر صحن کی طرف دیکھا۔

نذیر کے ساتھ زلیخا داخل ہوئی۔

اچھا......دلہن کو دیکھ کر رک گیا ہوگا۔دولاں نے خوش ہو کر زلیخا کو دیکھا۔

کوئی مہمان ہے اماں......دوسرے دروازے سے اندر جاتے زلیخا نے کہا۔

ہاں بنی......شازیہ ہے......گامو کی جورو......دولاں نے کہا۔

نذیر پلنگ پر بیٹھ گیا......شاید وہ شازیہ کا سامنا نہ کرنا چاہتا تھا۔

زلیخا......نذیر نے آہستہ سے آواز دی۔

یہ ضرور پیسے لینے آئی ہے......نذیر نے سرگوشی کی۔

تم لیٹ جاؤ......میں خود بات کرتی ہوں......گھبراؤ مت......وہ کہتی ہوئی ادھر چلی جہاں دولاں اور شازیہ بیٹھی تھیں۔

او شازیہ بھابی......کیسے آنا ہوا۔وہ شازیہ کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

تم لوگ تو چھپ چھپا کے نکل آئے......لیکن ڈھونڈنے والے بھی بڑے پیدا ہو گئے۔ کے ساتھ طنز کرتے شازیہ ہنس دی۔

لو اور سنو......ہم کوئی ڈاکہ ڈال کے نکلے تھے شازیہ بیٹی۔دولاں کو ناگوار گزرا۔

اماں ہمیں خبر ہی نہ ہوئی......

شازیہ ڈھیلی پڑ گئی......اسے دولاں شیر نظر آ رہی تھی۔

آپ کیسے تشریف لائی ہیں......زلیخا نے کہا۔

ماسی دولاں کو معلوم ہے میرے آنے کا کیا مقصد ہے۔وہ دولاں کی طرف دیکھ کر بولی۔

تم خود بات کر دو بیٹی......دلہن سے کیا پردا......اب تو یہی ہماری وارث ہے۔دولاں نے کہا۔

ہاں......بھابی آپ بات کریں......زلیخا نے کہا۔

جیرے کو پتہ ہی ہے......اس کی شادی پر کیا خرچ ہوا ہے۔شازیہ نے کہا۔

نذیر کہیں......جیرا مت کہا کریں......اماں کو بھی منع کیا ہے نذیر کہا کرے......دولاں ہنس دی

اچھا بابا......نذیر ہی سہی......بلاؤ تو سہی......وہ شاید آرام فرما رہا ہے۔شازیہ خفت مٹ

کرتے بولی۔

اب تو نذیر گھر میں ہی رہتا ہے......اللہ رکھے سب کچھ گھر میں ہے۔گانے سنتا رہتا ہے ٹیلی ویژن بھی دیکھتا ہے۔دولاں نے تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔

اسی لئے تو گھر سے نہیں نکلتا......جب سے شادی ہوئی ہے باہر ہی نہیں نکلا۔شازیہ نے زلیخا کی طرف دیکھا۔

میں نے خود ہی منع کر دیا ہے......باہر کیا رکھا ہے۔زلیخا نے کہا۔

تو کیا یہ اسی طرح رہے گا......کام کوئی نہیں کرے گا۔شازیہ نے ٹوہ لی۔

کرے گا کام......کیوں نہیں کرے گا......ذرا طبیعت ٹھیک ہو جائے زلیخا نے کہا۔

ہاں......یہ بات تو ہے۔نشہ بہت برا ہے۔شازیہ جانتی تھی کہ نشے کی گولیاں اب اس نے چھوڑ دی ہیں۔

اماں......میں ابھی آئی......زلیخا ایک دم کھڑے ہوتے بولی۔

دلہن پہلے اس کی بات سن لو......پھر جانا۔دولاں جھلا کر بولی۔

اماں......چائے بنا لوں......پھر بات کرتے ہیں۔

چائے کو رہنے دو زلیخا......میں نے جلد گھر پہنچنا ہے۔شازیہ نے اونچی آواز میں کہا۔

بس ابھی آئی......اور چند منٹوں میں زلیخا ٹرے میں چائے لے آئی۔اس کے ساتھ لوازمات شازیہ دیکھ کر رہ گئی......زلیخا سے شادی کر کے تو جیرے کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا تھا......کہاں دولاں لحافوں میں ڈورے ڈال کر روٹی پوری کرتی تھی......اور اب کس سلیقے سے یہ لوگ کھا پی رہے ہیں۔

ارے......اتنا کچھ......شازیہ مٹھائی، سموسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

زلیخا صرف مسکرا کر چائے بنانے لگی۔ایک کپ دولاں کو دیا۔دوسرا شازیہ کے سامنے رکھا

نذیر آ جاؤ......ادھر ہی......چائے پی لو......زلیخا نے پکارا۔

اچھا......زلیخا کی پکار پر نذیر ادھر ہی آ گیا......کیا حال ہے نذیر......شازیہ نے اخلاقاً کہا۔

بہت اچھا......بلکہ رب کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔نذیر نے ہنس کر زلیخا کی طرف دیکھا۔

ٹھیک ہی کہہ رہا ہے نذیر......زلیخا جیسی سگھڑ سمجھدار بیوی جو مل گئی۔شازیہ ہنس دی۔

نذیر تو خود بہت اچھا ہے شازیہ......غصہ تو اسے کبھی آیا ہی نہیں......زلیخا بھی ہنس دی۔

غصہ کیا آئے ......تو ایسی ویسی کوئی بات کرے تو غصہ آئے ...... ماسی دولاں نے کہا۔
زلیخا نے مسکرا کر کپ نذیر کو دیا اور مٹھائی کی پلیٹ سامنے رکھ دی۔
ہوں ......شازیہ نے ایک نظر زلیخا کی بانہوں کو دیکھا جس میں سنہری چوڑیاں چمک رہی تھیں اور دوسری طرف نذیر کی شکل وصورت پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ شادی کے بعد نشہ چھوڑ چکا ہے۔
چائے پیو...... بھابی ......ٹھنڈی ہو رہی ہے......نذیر نے شازیہ کو چونکا دیا۔
چونک کر شازیہ نے باقی چائے کا خاتمہ کیا۔
اچھا شازیہ......بہو کے سامنے بات کر۔ کیا کہنا ہے۔ دولاں بولی۔
مجھے گامو نے بھیجا ہے۔ شازیہ بولی۔
ہاں ہاں ......تو ساری بات کھول دے ......اب بہو سے کوئی پردا نہیں ہے۔ دولاں نے اس کی مشکل آسان کر دی۔
گامو نے کہا ہے کہ جو خرچ ہوا ہے وہ نذیر دے دے۔ ضرورت ہے۔ شازیہ نے نذیر کی طرف دیکھا......جو خاموش چائے پی رہا تھا۔
کتنا خرچ ہوا ہوگا......زلیخا نے کہا۔
یہی کوئی بیس پچیس ہزار......شازیہ کو جتنا گامو نے کہا......اتنا اس نے کہہ دیا۔
بیس پچیس ہزار......اتنی رقم......زلیخا حیرت سے بولی۔
شادی بیاہ پر اتنا تو خرچ ہو ہی جاتا ہے۔ شازیہ کھسیانی سے ہنس دی۔
کچھ کرنے سے خرچ ہوتا ہے......وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ زلیخا کو سب کچھ یاد آ گیا۔
مجھے نہیں معلوم......گامو جانے یا نذیر۔ شازیہ لاجواب سی بولی۔
نذیر نے کوئی ادھار تو نہیں لئے تھے۔ زلیخا نے کہا۔
مجھے صرف ایک سوٹ گامو نے سلوا کر دیا تھا......اور کوئی رقم میں نے گامو سے نہیں لی۔ نذیر ایک دم سے بولا۔
تم گامو سے ملو تو سہی......جب سے شادی ہوئی ہے تم تو ادھر گئے ہی نہیں......وہ اتنا تمہیں یاد کرتا ہے۔ شازیہ نے مسکہ لگایا۔
نہیں بھابی......نذیر ادھر نہیں جائیگا......زلیخا نے کہا۔

ماسی دولاں چائے پی کر کرسی پر سیدھی ٹیک لگا کر لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔
پھر رقم کا فیصلہ کیسے ہوگا۔ شازیہ نے مجبوری ظاہر کی۔
دیکھیں بھابی شازیہ ......نہ تو زیور نہ بری اور نہ ولیمہ......اس کے علاوہ اور خرچ نہیں ہوا ......اگر کوئی تھوڑا بہت ہے تو بھائی گامو کو کہیں لکھ کے دے اور ساتھ رسید بھی۔ زلیخا نے بڑی ہوشیاری سے کہا۔
رسید......وہاں جو باجے والوں کو دیئے......اس کی رسید کہاں سے آئیگی......دودھ پلائی کی رقم......شازیہ جلدی سے بولی۔
آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ دودھ پلائی کی رسم ہم نے کی ہی نہیں......اور باجے کی رقم پانچو......ابا نے ادا کئے تھے۔ گامو بھیا سے پوچھ لیں جا کر......زلیخا نے جیسے شازیہ کے جگر پر زبردست گھونسا مارا ہو۔
خیر......میں چلتی ہوں......گامو خود بات کرے گا۔ شازیہ خفا خفا سی کھڑی ہو گئی۔
بات کی ضرورت ہی نہیں......گامو بھیا کو کہیں لکھ کر دے......میں بھائی جمیل کو بلا کر سامنے پائی پائی ادا کر دوں گی۔ زلیخا نے کہا۔
ٹھیک ہے شازیہ بیٹی......بہو کہہ رہی ہے نا......ٹھیک ہے......ماسی دولاں سیدھی بیٹھ کر بولی۔
شازیہ چادر لپیٹے باہر کی جانب چل دی۔ زلیخا دروازہ بند کر کے لوٹ آئی۔
آ گئی......بڑی دیر لگا دی کاکے کی ماں۔ گامو نے شازیہ کو دیکھ کر کہا۔
بس دیر لگ ہی گئی......زلیخا چائے بنانے لگ گئی۔ شازیہ نے چادر اتار کر ایک طرف رکھی۔
چائے......زلیخا نے بنائی تھی......گامو ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سیدھا حیرت سے بولا۔
اسی نے بنائی تھی......واہ کیا ٹی سیٹ تھا......میرا خیال ہے جہیز کا تھا۔ شازیہ کے ذہن میں ٹی سیٹ کی نقش نگاری کھد گئی تھی۔
جہیز کا ہی ہوگا......جیرے کے پاس کہاں سے آیا۔ گامو نے کہا۔
بھئی جیرے کے تو مقدر روشن ہو گئے......ہر چیز اس کے گھر میں موجود ہے۔ شازیہ نے کہا۔
ہاں......سنا تو ہے کہ جیرے کے نخرے ہی بڑے ہیں......گامو بولا۔
کوئی ایک نخرے......وہ تو سیٹھ بیدار بخت بنا ہوا ہے......گھر سے ہی نہیں نکلتا۔ شازیہ نے

حیرت کا اظہار کیا۔

کچھ دن اور انتظار کرو...... گھر سے تو وہ ایسا نکلے گا کہ پھر کبھی واپس نہ جائے گا...... ہا...... ہا...... ہی ہی...... گامو نے آخر میں زوردار قہقہہ لگایا۔

شازیہ نے تھکے تھکے انداز میں سر کو صوفے کی پشت پر ٹکا لیا۔

اچھا اچھا...... سنا...... پیسوں کا کیا بنا۔ وہ آگے کو جھک گیا۔

بننا کیا ہے...... ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔ شازیہ نے نا امیدی ظاہر کر دی۔

کیا...... کیا مطلب ہے تمہارا...... گامو کے تن بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

مطلب یہ کہ تم پیسے کی بات کر رہے ہو...... وہاں سے ایک پائی کی بھی امید نہ رکھنا۔ شازیہ نے جیسے گامو کو خبردار کیا۔

کیوں نا امید رکھوں...... میں نے اس کی شادی پر خرچ کیا ہے۔ گامو خواہ مخواہ میں گرم ہو گیا

جو خرچ کیا ہے لکھ دو...... شازیہ نے زلیخا کی بات دہرا دی۔

لکھ دوں...... یہ تم نے کس سے کہا...... گامو بولا۔

وہی...... اس کی جورو...... زلیخا بی بی...... ایم اے پاس نے...... شازیہ مسکرا دی۔

یہ زلیخا نے کہا تم سے...... اتنی ہوشیار ہے وہ...... گامو بولا۔

ہاں...... وہ بہت پڑھی لکھی سمجھدار عورت ہے...... جیرا تو غلام ہو کر رہ گیا ہے جورو کا۔ شازیہ نے طنزاً کہا۔

ماسی دولاں سے بات ہوئی۔ گامو ایک دم بولا۔

ماسی دولاں...... اس کے تو مزاج ہی ٹھکانے نہیں...... وہ خود کوئی بات ہی نہیں کرتی...... جو کرے اس کی بہو کرے...... بلکہ ماسی دولاں بہو سے پانی پینے کی بھی اجازت مانگے۔ شازیہ نے بڑی تیز طراری سے ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔

اچھا...... یہ حالات ہیں...... جیرے کا تو پانسہ پلٹ گیا...... خیر میں اب دیکھ لوں گا...... وہ اضطراری کیفیت کے ساتھ کمرے میں چکر لگانے لگا۔ اور شازیہ آنکھیں بند کئے لیٹی رہی۔

کسی سوچ کے تحت گامو نے اپنے دائیں ہاتھ کا مکہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارا۔

ابو جی...... جیدی آیا ہے۔ بڑے بیٹے نے آ کر کہا۔

اچھا...... وہ تیز رفتاری سے بیٹھک کی طرف چل دیا۔

سلام استاد...... جیدی نے گامو کے اندر آتے ہی ماتھے پر ہاتھ لیجا کر کہا۔

بیٹھو...... گامو خود بھی بیٹھ گیا اور ہاتھ کے اشارے سے جیدی کو کہا۔

جیدی نے جیب سے کچھ رقم نکالی اور گامو کے حوالے کی۔

کتنے ہیں۔

تین ہزار...... جیدی بڑے انبساط سے بولا۔

گامو نے نوٹ گن کر جیب میں ڈالے۔

ایک ہزار...... جیدی ایک دم سے بولا۔

ایک ہزار...... یار بہت زیادہ نہیں رکھ لئے۔ گامو نے نرم لہجہ اختیار کر لیا...... کیونکہ اب جیرے کے بعد صرف اس کے کارندے جیدی اور طافو رہ گئے تھے۔

نہیں استاد...... زیادہ نہیں ہیں...... تمہیں معلوم ہے یہ دھندہ کتنا سخت ہے...... پل پل پولیس کا دھڑکا لگا رہتا ہے...... جیدی نے صفائی پیش کی۔

بس بس...... ٹھیک ہے...... گامو نے ہاتھ کے اشارے سے جیدی کو خاموش رہنے کو کہا۔

اب جاؤں استاد......

ہاں...... جانے سے پہلے طافو کو بھیجو...... گامو نے کسی گہری سوچ کے ساتھ جیدی سے کہا۔

☆

خوشیاں کسی کو ورثہ میں نہیں ملتیں...... میں تمہیں پا کر کس قدر خوش ہوں...... نذیر نے لباس کو اپنے لئے منتخب کیا......

زلیخا نے اپنے بالوں کو جھٹک کر اس کی طرف رخ کیا۔

تمہیں پا کر سچ مچ نذیر میں بھی بہت خوش ہوں...... زلیخا نے مسکرا کر کہا۔

چل جھوٹی...... شروع شروع میں تجھے دیکھتا تھا میں...... تو سیدھے منہ مجھ سے بات نہیں کرتی تھی۔ نذیر نے جیسے شکوہ کیا۔

ارے نہیں نذیر...... میں تو یوں ہی موجودہ حالات سے پریشان ہو گئی تھی...... اب تو کوئی بات نہیں ہے۔ زلیخا نے اس کی پشت سے نذیر کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

سچ کہہ رہی ہو نا...... دونوں پلنگ پر ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔

میرا یقین کرو نذیر...... تم سے اچھا مجھے کوئی نہیں ہے...... تم سے اتنی محبت اور چاہت ملی۔ کہ کوئی اور کیا دے گا...... زلیخا نے محبت سے بھرپور نگاہیں نذیر کے سیدھے سادھے چہرے ڈالیں جو اسے ہی مدہوش انداز میں تک رہا تھا۔

زلیخا...... مجھے اب چھوڑنا نہیں...... میں جیسا بھی ہوں...... نذیر نے احتجاجی نگاہیں ز کے صاف و شفاف چہرے پر ڈالیں۔

اب وہ وقت گزر چکا...... جب حالات سے شکوہ تھا مجھے...... اب اچھی بھلی ملازمت ہے ہے...... پیار کرنے والی ماں...... اور تم...... وہ ہنس دی۔

بس یوں ہی ہنستی رہو...... کوئی دکھ تیرے دوار کے پاس نہ آئے۔ نذیر نے زلیخا کے ہاتھ کو دبایا۔

دونوں کس قدر خوش تھے...... دروازے پر نرم سی دستک ہوئی۔

کون آ گیا...... نذیر کو اچھا نہ لگا...... ان لمحات میں جب اس کی کائنات اس کی زلیخا اس کے پاس ہو اور کوئی انہیں ستائے۔

میرا خیال ہے اماں ہو گی...... زلیخا تیز رفتاری سے دروازہ کھولنے چل دی۔

اماں...... اتنی دیر لگا دی۔ زلیخا نے دولاں کے ہاتھ سے ٹوکری پکڑ لی۔

ہاں بیٹا...... بھیڑ ہی بہت ہے...... کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ دولاں صحن میں بچھی چارپائی پر تھکی تھکی بیٹھ گئی۔

پریشان کیوں ہو...... کوئی بات ہو گئی کیا۔ زلیخا کی نگاہوں میں گاموکا ہیولہ رقص کرنے لگا۔

سبزی والے کو سو کا نوٹ دیا...... باقی اس سے پچاس لینے تھے...... اس نے دیئے نہیں...... جھگڑا کیا اس سے...... لیکن وہ نہیں مانا...... کہنے لگا...... راستے میں کھو آئی ہو...... میں ساری منڈی میں گھومتی رہی...... نوٹ نہ ملا۔

دفعان کرو اماں...... تم سے اچھا تو نوٹ نہیں تھا...... کیوں پریشان ہوتی ہو۔ زلیخا کو اس عورت پر بری طرح رحم آ گیا جو ایک ایک پیسے کے لئے سرگرداں رہی ہے...... بھلا پچاس کیسے چھوڑتی۔

تمہاری خون پسینے کی کمائی میں کیوں ضائع کروں...... دولاں نے زلیخا کی طرف دیکھا۔

چلو اندر اپنے کمرے میں...... میں پانی لاتی ہوں...... زلیخا بازو پکڑ کر دولاں کو اندر لے گئی۔

زلیخا...... چائے بنے گی...... نذیر دولاں کے کمرے میں آتے ہی بولا۔

بنا رہی ہوں...... اماں کو پانی دے لوں۔

تھوڑی دیر بعد وہ چائے لے آئی۔ تینوں نے مل کر بڑے مزے سے چائے پی۔

بیٹھ زلیخا...... دولاں نے پیالی رکھتے ہوئے کہا۔

کیا بات ہے اماں...... زلیخا نے گھونٹ حلق سے اتار کر کہا۔

میں یہ کہتی ہوں...... نذیر کب تک گھر میں پڑا رہے گا...... بیٹی اس کو بھی کسی کام میں لگا۔

دولاں نے نذیر کو دیکھا...... اس کی صحت اچھی ہو رہی تھی۔

اماں...... میں تو کب سے کہہ رہا ہوں...... مجھے کسی کام میں لگا دے...... زلیخا مانتی ہی نہیں۔ نذیر ایک دم سے بولا۔

اماں ...... نذیر کے لئے میں سوچ رہی ہوں ...... پر کیا کروں ...... کس کام میں لگاؤں ......وہ بے بس سی نظر آنے لگی۔

اپنے پاس چوکیدار رکھوالو۔ نذیر ہنس دیا۔

چوکیدار کے لئے بھی میٹرک پاس ہونا لازمی ہے۔ وہ مایوس سی بولی۔

پھر اس کو شہر میں دکان بنوا دو...... کچھ تمہارا ہاتھ بٹائے۔ ماسی دولاں بولی۔

ہاں اماں یہ ہوسکتا ہے......لیکن میں گامو سے خوفزدہ ہوں۔ زلیخا پریشان سی ہوگئی۔

گامو میرا کیا کرے گا......تیرا ساتھ ہے تو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ بڑی چاہت سے بولا۔

زلیخا ہنس دی......

میں کہاں کہاں تمہارا ساتھ دوں گی۔ خدا تمہاری نگہبانی کرے گا نذیر...... تمہارا اپنا بھی جذبہ صادق ہونا چاہئے۔ زلیخا پھر بولی۔

تم فکر نہ کرو...... میں تو گامو کے پاس پھٹکوں گا بھی نہیں۔ نذیر نے بڑے مستحکم ارادے کے تحت کہا۔

میں نے سارا دن گامو کے گھر میں رہ کر اس کی سرشت کو اچھی طرح سے پرکھ لیا ہے۔ وہ اچھا انسان نہیں ہے۔ زلیخا نے کہا۔

مجھ سے تو پیار سے بولتا تھا۔ اچھا ہی تھا......سیدھا سادا نذیر اس کے اندر کے تعفن کو نہ جان سکا۔

وہ اچھا انسان تھا......اس نے تمہیں گولیوں کا نشہ لگایا......اس کے عوض تم نے اپنے گھر کا صفایا کیا پھر بستی والوں کی چھوٹی چھوٹی چوریاں کر کے گامو کی جیب بھرتا رہا......اس کے بدلے میں وہ دو گولیاں تیری ہتھیلی پر رکھ دیتا۔

کیوں......اماں......ایسا ہی تھا نا......زلیخا نے اماں کی طرف دیکھا......جو لہسن چھیل رہی تھی۔

ہاں......تم ٹھیک کہتی ہو......ایسا ہی ہے بیٹی......گھر کا تو اس نے ایک گلاس بھی نہیں چھوڑا ......ماسی دولاں اونچی آواز میں ہاتھ نچا کر بولی۔

لو......اماں ہوگئی شروع......نذیر ہنس کر بولا۔

اب تو نے میری دلہن کی ہر بات ماننی ہے......خبردار جو زلیخا کی اجازت کے بغیر کوئی کام کیا۔ دولاں نے سخت لہجے میں کہا۔

اب چوہا بن کر گھر میں تو پڑا رہتا ہوں اور جورو کی کمائی کھا رہا ہوں۔ نذیر نے بڑی اپنائیت سے زلیخا کی طرف دیکھا جو گوشت نکال کر پلیٹ میں رکھ رہی تھی۔

جورو کی کمائی کھانا گناہ نہیں ہے......پھر یہ تو تمہارا مقدر ہے......زلیخا ہنس دی۔

مقدر کیسے ہوگیا جی......نذیر آگے کو جھک کر بولا۔

دیکھو......شادی سے پہلے میں نے دفتروں کے بہت چکر لگائے......کہیں نوکری نہ ملتی تھی ......جب تمہارے ساتھ بات چلی تو ایک ماہ پہلے انٹرویو کال آگئی اور اچھی خاصی مکان سمیت نوکری بھی مل گئی۔ وہ چاہت سے نذیر کو تکنے لگی۔

یہ تو تیری محبت اور چاہت ہے زلیخا......ورنہ میں اچھا تو نہیں لگتا۔ یوں روٹیاں توڑتا...... نذیر نے زلیخا سے کہا۔

کوئی بات نہیں......تم کوئی خیال مت کرو......جب مجھے برا نہیں لگتا......زلیخا اٹھتے ہوئے بولی۔

پھر بھی بیٹی اس کو کسی کام پر لگاؤ......اس کو عادت پڑے۔ دولاں نے کہا۔

نوکری کو چند ماہ اور ہو جائیں تو فرم سے لون لے کر نذیر کو شہر میں سٹور کھول دوں گی...... اس طرح اس کا دل بھی بہل جائے گا اور کام بھی......وہ بولی۔

لو اور سنو......میرا دل نہیں بہلتا......تو جب سے آئی ہے میرا دل خوش رہتا ہے......دنیا کی ہر نعمت مل گئی ہے مجھے......وہ بڑی عقیدت سے مسکرایا۔

خدا تم دونوں کو خوش رکھے اور ہمیشہ آباد رہو......میں تو اب تم دونوں کی وجہ سے زندہ ہوں۔ دولاں نے زلیخا کی طرف بڑی چاہت اور پیار سے دیکھا۔

اماں تم دعا دیا کرو......تمہاری دعائیں ہمارا سرمایہ ہیں۔ زلیخا سبزی گوشت کچن میں لے گئی۔

بیٹی تو آرام کر......میں پکا لیتی ہوں......دولاں نے اونچی آواز میں ہانک لگائی۔

نہیں اماں......آج چھٹی کا دن ہے......میں پکا لیتی ہوں...... باقی دن تو تیرے ہی ہیں ......وہ ہنس کر باہر آئی۔

لے پھر میں تو لیٹنے لگی۔ دولاں وہیں بستر پر لیٹتے ہوئی بولی۔

ہاں اماں تو لیٹ جا......میں زلیخا کی مدد کو جاتا ہوں......نذیر اٹھتے ہوئے بولا۔

جا......دونوں مل کے سالن بنالو......روٹیاں میں تنور سے لے آؤں گی۔ وہ لیٹے لیٹے بولی۔

اچھا اماں......وہ کچن کی طرف چل دیا۔

بہت ہفتے پھر ماہ اسی طرح خوشی خوشی گزر گئے......نذیر اور دولاں کی گتھی میں شاید محبت ہوئی تھی...... یا ان سے کسی نے محبت نہیں کی تھی۔ دونوں اس پر جان وارتے تھے...... چاہت تو اس نے اپنی ماں اور بھائی بہنوں میں بھی نہ دیکھی تھی۔ دولاں تو جیسے زلیخا کے ر کے ساتھ سانس لیتی تھی......نذیر اس کا اس قدر خیال رکھتا......جیسے وہ کانچ کی گڑیا ہو بلکہ جب وہ آفس سے واپس آتی تو اسے دیکھ کر کھڑا ہو جاتا اور اس کی چادر پکڑ کر رکھے ......اور وہ اکثر ہنس کر کہتی۔

نذیر......کیا کرتے ہو......تم میرے شوہر ہو......تمہارا احترام کرنا میرا فرض بنتا ہے۔

وہ دوسرے پلنگ پر تھکی تھکی سی بیٹھ جاتی......

لو پہلے پانی پیو......وہ پلک جھپکتے اس کے لئے ٹھنڈا پانی بھی لے آتا۔

وہ پانی کو آب حیات جان کر پی جاتی۔ پھر چند ماہ اور گزر گئے اس کے گھر میں فرج نہ تھی......اس کی رقم جو وہ بونس اور تنخواہ میں بچا کر رکھتی تھی اب کافی ہو چکی تھی......دو بازار گئے اور اپنی پسند کا ریفریجریٹر لے کر آئے۔ اماں بہت خوش ہوئی.....: جب جی چ ٹھنڈا پانی پیتی اور بہو کو ڈھیروں دعائیں دیتی......زندگی کس قدر آسائش سے گزر رہی اس کے دکھوں کا اس قدر بہتر مداوہ ہوگا...... یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اس دوسروں کی دولت سے کیا لینا۔ نذیر کے روپ میں اس کو خزانہ عظیم مل چکا تھا...... یہ محبت تھی جو اسے اس مقام پر لے آئی تھی......اس کی ملازمت کو کافی ماہ ہو چکے تھے......عید آ والی تھی۔ وہ عید کے بعد اسے اچھی جگہ سٹور کھول کر دینا چاہتی تھی...... چاہے اس کو فرم لون ہی کیوں نہ لینا پڑے......تاکہ وہ کسی کام میں مگن رہے۔

شب و روز یوں گردش میں رہے...... وہ حسب دستور وقت پر جاتی اور وقت پر آتی ......نذیر گھر میں ٹی وی، وی سی آر سے دل بہلاتا رہتا، سہولت کی گھر میں ہر چیز تھی...... باہر جانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی......وہ خوش تھا۔ دولاں حسب عادت بازار سودا سلف چلی جاتی......آج بڑی دکان کا زینہ چڑھتے وہ چونک گئی۔

ماسی دولاں......وہ ایک دم پیچھے کی طرف پلٹی......

ارے مجیداں تم......ٹھیک تو ہونا...... بچے کیسے ہیں۔ دولاں نے مجیداں کو کر گلے لگا لیا۔

سب کچھ ٹھیک ہے...... ماسی......تم سناؤ......ٹھیک ہو......مجیداں نے بڑے غور سے دولاں کے لباس کو دیکھا۔

یہ سب میرے مولا کا کرم ہے مجیداں......جس نے بہو کے روپ میں ساری دنیا کی نعمتیں دے دیں......ایسے کئی جوڑے ہیں......دولاں نے آسمان کی طرف بڑی احسان مند نگاہوں سے دیکھا۔

آؤ وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ مجیداں ایک دکان کے باہر بنے ہوئے تھڑے پر لے گئی۔

اچھا......ماسی دولاں اب سناؤ......کیسی ہو......سنا ہے تمہاری بہو نوکری بھی کرتی ہے۔

مجیداں حیرت سے بولی۔

ہاں......نوکری کرتی ہے......اور تنخواہ بھی بہت ہے......دولاں مسرت بھرے لہجے میں بولی۔

تم سناؤ......بستی ٹھیک ہے......اس جھونپڑی کا کیا بنا جو تھانیدار کبھی درست ہی نہیں کرواتا تھا۔ دولاں شکایتاً بولی۔

تمہارے جانے کے بعد وہ گرادی...... سنا ہے اچھا بھلا مکان بنوا کر کرائے پر دے گا۔ مجیداں نے کہا۔

ہمیں کیا......اللہ نے اچھا بھلا مکان بھی دے دیا......سیر کرنے کو باغیچہ بھی...... جہاں مرضی چلو پھرو......دولاں نے ہاتھ کو پھیلا کر کہا۔ جیسے وسعت کا اندازہ لگا رہی ہو۔

اچھا......مجیداں نے آنکھیں پھیلائیں۔

ہاں...... بڑا اچھا گھر ہے......کبھی آ جانا......دولاں نے بڑے اصرار کے ساتھ مجیداں کو آنے کی دعوت دی۔

ضرور آؤں گی......مجیداں آہستہ سے بولی۔

دیکھنا......میری بہو بہت اچھی ہے...... سچ پوچھو تو یہ سب راج مجھے میری بہو کی وجہ سے ملا ہے......میں تو گلیوں میں پڑے ہوئے ککھ کی طرح ہو گئی تھی......اتنا آرام تو میں نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا...... جتنا مجھے بہو نے دیا ہے۔ دولاں مدہوش تعریف کرتی رہی اور مجیداں حیران حیران سنتی رہی۔

ہاں یاد آیا...... ماسی تیرے چالیس روپے دینے ہیں۔ مجیداں ایک دم بولی۔
کونسے؟ دولاں نے حیرت سے کہا۔
دو لحافوں میں ڈورے ڈالے تھے نا...... میں دینے گئی تو تمہارے گھر تالا پڑا ہوا تھا۔ مجید نے کہا۔
اب مجھے ضرورت نہیں ہے...... رکھ لے...... بچوں کو کچھ کھلا دینا...... دولاں نے مجید کے ہاتھوں کو پرے کر دیا۔
تیری محنت ہے ماسی رکھ لے۔ مجیداں نے اصرار کیا۔
نہیں...... یہ دیکھ...... میرے پاس کتنے پیسے ہیں...... میری بہو مجھے پیسوں سے خالی رکھتی...... دولاں نے قمیض کی جیب سے سو سو کے کتنے ہی نوٹ نکال کر دکھائے۔
اچھا...... جس طرح تمہاری رب نے سنی ہے...... خدا سب کی سنے۔ مجیداں نے پھٹی آنکھوں سے دیکھتے پیسے چھوٹے سے بٹوے میں رکھ لئے۔
اچھا ماسی اب اجازت دو۔ رب راکھا۔ مجیداں نے کہا۔
اچھا...... بچوں کو پیار دینا۔ دولاں نے کہا۔
مجیداں سلام دعا کے بعد اپنے گھر کی جانب لوٹ آئی...... اور دولاں اپنے گھر۔
صحن میں قدم رکھتے ہی صائمہ چلا اٹھی۔
زلیخا آپا...... فرصت نہیں ملتی کیا...... میں نہیں بولتی آپ سے۔ زلیخا اور نذیر کو دیکھ کر وہ بھاگتی ہوئی زلیخا سے لپٹ گئی......
بھائی جان سلام...... صائمہ نے قریب جا کر کہا۔
جیتی رہو۔ بڑے بوڑھوں کی طرح نذیر نے صائمہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔
اماں...... بھابی...... دیکھو کون آیا ہے۔ صائمہ کی خوشی چھپ نہ رہی تھی۔
ارے...... میری زلیخا آئی ہے...... رقیہ بانو نے دونوں کو پیار دیا۔
زلیخا...... ارے...... کیسی ہو...... نذیر تم کیسے ہو۔ا
اللہ کا شکر ہے بھابی...... نذیر نے مودب کہا۔
ادھر ہی آ جاؤ برآمدے میں...... رقیہ بانو کے ساتھ سب برآمدے میں آ گئیں......
اماں...... ابا کہاں ہیں۔ زلیخا نے کہا۔

ذرا بازار تک گئے ہیں۔ رقیہ بانو نے نذیر کو بغور دیکھا۔
بیٹھو بھابی...... کہاں جا رہی ہو...... زلیخا نے شاہدہ کو اٹھتے ہوئے کہا۔
چائے بناؤں...... بھئی اتنے دنوں کے بعد تم لوگ آئے ہو۔ شاہدہ جاتے جاتے بولی۔
دن کیا...... میرا تو خیال ہے ایک مہینہ ہی ہو چلا ہے۔
اماں ٹائم ہی نہیں ملتا...... آپ کو پتہ تو ہے کہ صبح آفس...... شام کو گھر کی ذمہ داری۔ وہ دلچسپی سے بولی۔
نذیر بیٹے تم سناؤ...... ٹھیک ہو نا...... ماشاءاللہ اب صحت اچھی نظر آ رہی ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔
اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے نذیر اب بالکل ٹھیک ہے۔ زلیخا نے نذیر کو دیکھا...... جو صرف ہونٹوں میں مسکرا رہا تھا۔
بھابی کو دیکھتی ہوں۔ وہ اٹھ کر کچن میں چل دی۔
بھابی اٹھیے...... میں چائے بناتی ہوں۔ زلیخا نے کہا۔
نہیں بھئی...... اب تم مہمان ہو...... شاہدہ نے برتن ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا۔
نہیں بھابی...... بیٹیاں مہمان نہیں ہوتیں...... والدین کا گھر ہے۔ زلیخا قریب ہی بیٹھ گئی۔
زلیخا...... شاہدہ نے پراسرار انداز میں پوچھا۔
جی...... زلیخا نے ٹرے میں رکھے بسکٹ کو اٹھایا۔
نذیر اب تو اچھا لگنے لگا ہے...... کیا کھلایا تم نے اس کو...... شاہدہ کہتے ہوئے ہنس دی۔
کچھ بھی نہیں کھلایا...... دراصل غربت نے ان دونوں ماں بیٹا کے حواس باختہ کئے ہوئے تھے...... نہ کھانے کو کچھ تھا نہ پینے کو...... زلیخا بڑے دکھ سے بولی۔
ہاں یہ بات تو ہے۔ اب کیسا مہذب لگ رہا ہے...... اس وقت تو شاید نشہ بھی کرتا تھا۔ شاہدہ کو یاد آ گیا۔
ہاں بھابی...... تھی تھوڑی سی عادت...... بہرحال اب بالکل ٹھیک ہے۔ زلیخا نے کہا۔
ہاں جی...... اب تو وہ بالکل بانکا سجیلا نظر آ رہا ہے۔ کیمل کلر سوٹ میں شخصیت ابھر رہی ہے اس کی۔ شاہدہ نے چائے تیار کر کے مکمل کی۔
خدا کا شکر ہے۔ لایئے باقی چیزیں میں اٹھا لوں۔ زلیخا نے دوسرے ٹرے میں برتن اٹھائے اور دونوں برآمدے میں چل دیں۔

میں بناتی ہوں چائے۔ صائمہ نے کہا۔

شاہدہ اور زلیخا اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں۔

تم اس وقت کیسے آ گئیں......شام ہونے کو آئی ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

اماں......آپ سب کو دعوت دینے آئی ہوں......زلیخا نے کہا۔

رے کس بات کی......رقیہ بانو نے مسکرا کر کہا۔

نوکری کی......گھر کی......زلیخا نے ہنس کر کہا۔

ارے......اب تو سال ہونے کو آیا......نوکری پرانی ہوگئی۔ شاہدہ ایک دم سے بولی۔

بھابی......آپ کو علم تو ہے......مجھے ہر چیز نئے سرے سے بنانی تھی۔ گھر کو سیٹ کرنا زلیخا نے کہا۔

آپا......سنا ہے فرج لے لیا۔ کونسا لیا۔ صائمہ نے کہا۔

ہاں......ابا نے بتایا ہوگا......شریر......کہاں سے سن لیا۔ زلیخا نے صائمہ کو ساتھ لپٹا لیا۔

دونوں بہنیں ہنستی رہیں۔

چائے لیجئے بھائی جان۔ صائمہ نے کپ نذیر کو پکڑا دیا۔

بیٹی زلیخا ٹھیک ہونا اپنے گھر۔ رقیہ بانو کو جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

اماں......آپ کی دعاؤں سے میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں......ایک گھر نہیں تھا وہ بھی گیا۔ زلیخا نے چائے کا کپ واپس رکھا۔

بیٹی......کبھی رحیمہ کے ہاں بھی چلی جایا کرو......شرجیل بھی آ گیا ہے جاپان سے۔ رقیہ نے کہا۔

نہیں ماں......میں اس کی ہم پلہ نہیں ہوں......میرے شوہر کو اپنے گھر میں دیکھ کر اس کی ساکھ میں فرق آئے گا۔ زلیخا کو پرانی بات یاد آ گئی۔

بھول جاؤ بیٹی......تم بہنیں ہو۔ رقیہ بانو نے نصیحت آموز لہجے میں کہا۔

بہنیں تو ہیں......اس کا شوہر اعلیٰ افسر ہے......بنگلہ کار اس کی ملکیت ہے......اتنا تضاد تو کیسے ہم بہنیں مل سکتی ہیں۔

زلیخا نے خاموش ایک رسالے کی ورق گردانی کرتے نذیر کی طرف دیکھا......جسے شاہدہ کی باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

نذیر بیٹے چائے اور بناؤں......رقیہ بانو نے کہا۔

نہیں اماں......بس......نذیر نے رسالہ ایک طرف رکھتے کہا۔

صدقے جاؤں......نذیر کے منہ سے اماں کتنا اچھا لگا......رقیہ بانو نے بڑی محبت سے کہا۔

آپ زلیخا کی اماں ہیں تو میری بھی اماں ہیں۔ نذیر ہنس دیا۔

ہاں بیٹے......خدا تمہیں سلامت رکھے......میری بہن دولاں بیگم کا کیا حال ہے۔ جیسے رقیہ نو کو یاد آ گیا۔

خدا کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہیں......زلیخا نے کہا۔

کبھی لے آنا بیٹی۔ رقیہ بانو نے کہا۔

آج بھی کہا تھا......لیکن اماں گھر پر ہی رہنا پسند کرتی ہیں۔ زلیخا نے کہا۔

بھائی جان......سموسے لیجئے......دہی کی چٹنی کے ساتھ۔ باہر سے آئے سموسوں کی پلیٹ تو جوں کی توں پڑی دیکھ کر نذیر سے صائمہ بولی۔

نہیں بس......

نذیر ہنس دیا......انکار کا یہی ایک مخصوص انداز تھا اس کا۔

کھا کے دیکھئے......آپا لیجئے نا......صائمہ نے زبردستی دونوں کی پلیٹوں میں سموسے رکھ دیئے۔

ہاں یاد آیا......تمہارے باپ کو دکھ ہوگا......اسے ایک مرتبہ کہہ دینا......آگے اس کی مرضی۔ رقیہ بانو نے کہا م۔

ابا آ گئے......صائمہ نے اچک کر دیکھا......ہاتھ میں تھیلا پکڑے کرامت علی داخل ہوئے۔

ماشاءاللہ......میری بیٹی آئی ہے۔

ابا......کئی دنوں سے آئے ہی نہیں میری طرف۔ زلیخا نے محبت سے کرامت علی سے لپٹ کر کہا......نذیر بھی احتراماً کھڑا ہو گیا۔

جیتے رہو جیتے رہو......خدا عمر دراز کرے......وہ نذیر کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے بولے۔

شام کے دھندلکے پھیلنے لگے تھے......ماحول پر ملگجی سی سفیدی چھا گئی تھی۔ اماں اب اجازت دیجئے۔ وہ کھڑی ہوگئی......نذیر بھی کھڑا ہو گیا۔

رہ لیتی بیٹی۔ کرامت علی نے کہا۔

نہیں ابا......اماں گھر میں اکیلی ہیں۔

ہاں...... یہ بات تو ہے۔ کرامت علی نے کہا۔

اب آؤ تو میری بہن کو ضرور لے آنا......

اچھا اماں...... دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

ابا آپ رحیمہ اور شرجیل خالہ کو بھی کہہ دیجئے گا۔ وہ پلٹ کر بولی۔

ٹھیک ہے بیٹی...... تم کہتی ہو تو کہہ دوں گا...... کرامت علی بولے...... اور ہاں...... بھیا کو کہہ دیجئے گا...... اور چھوٹی تو ذرا ابا کے ساتھ جلدی آ جانا...... وہ صائمہ کی پکڑ کر بولی۔

ضرور...... جو حکم میرے باس کا۔ صائمہ نے ہنستے ہوئے کہا...... اور وہ نذیر کے ساتھ نکل گئی۔

سب واپس پلٹ آئے......

اللہ تیرا لاکھ شکر ہے میری زلیخا کو سکھی کیا تو نے...... وہ آسمان کی طرف منہ کر کے عقیدت سے بولیں۔

زلیخا نے سنبھال لیا سب کچھ۔ کرامت علی بولے۔

ہاں...... گھر بھی ٹھیک ٹھاک بنا لیا...... تھوڑا تھوڑا کر کے ہر چیز بنا رہی ہے۔ شاہدہ نے کہ کیسے حالات تھے...... جب اس کی شادی ہوئی تھی...... مجھے وہ گامو بردہ فروش نظر آ تھا...... کرامت علی نے ایک دم کہا۔

نذیر درست ہو گیا...... یہی کافی ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

ابا...... صائمہ نے باپ کی بانہوں میں جھولتے ہوئے کہا۔

کوئی فرمائش ہے...... کرامت علی نے ہنس کر کہا۔

ابا...... کل آپ جائیں گے رحیمہ کے ہاں...... صائمہ نے کہا۔

کل جاؤں گا...... اب تو وقت نہیں ہے۔ وہ بولے

رحیمہ کو کہئے گا کہ لازمی پہنچے زلیخا کے ہاں۔ رقیہ بانو نے جیسے تاکید کی۔

کہوں گا...... آ جائیگی......

ابا...... میں بھی چلوں گی...... صائمہ نے کہا۔

چلے جانا...... چھٹی ہے نا...... وہ ایک دم سے بولے

کل سنڈے ہے صائمہ نے کہا۔

چنانچہ دوسرے دن وہ صائمہ کو ساتھ لے کر رحیمہ کے ہاں چل دیئے......

اسلام علیکم...... اندر داخل ہوتے ہوئے وہ بولے

رحیمہ...... دیکھو تو...... بھائی صاحب آئے ہیں۔ حمیدہ بانو مسرت بھرے انداز میں خوش آمدید کہتے بولیں۔

ابا...... اتنی دیر کے بعد آئے ہیں...... رحیمہ بھاگ کر کرامت علی سے لپٹ گئی۔

بس بیٹا...... فرصت ہی نہیں ملتی۔

اداب خالہ...... صائمہ نے خود کو منوانے کے لئے حمیدہ بانو کو سلام کیا۔

خوش رہو...... میری بچی۔

سب ڈرائینگ روم میں داخل ہو گئے...... ڈرائینگ روم کی سج دھج دیکھ کر کرامت علی نے اندازہ بہت پہلے ہی لگا لیا تھا کہ شرجیل اچھے اعلیٰ عہدے پر فائز ہے لیکن آج ڈرائینگ روم کی آرائش و زیبائش دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

رحیمہ...... یہ کانسی کا مجسمہ بھائی شرجیل جاپان سے لائے تھے۔ صائمہ نے قریب جا کر کہا۔

جاپان سے بہت کچھ لائے ہیں...... آج رہو...... دکھاؤں گی تمہیں...... رحیمہ بڑے فخر سے بولی۔

اتنی توفیق نہ ہوئی کہ بہنوں کے لئے کچھ لے آتے۔ صائمہ سوچنے لگی۔

کیا سوچنے لگی۔

ہاں...... میں سوچ رہی تھی کہ کتنا پیارا ہے...... صائمہ بات الٹ گئی۔

یہ کیا ہے...... تم جیولری اور میرے سوٹ دیکھو تو حیران رہ جاؤ گی۔ رحیمہ بولی۔

ادھر کرامت علی اور حمیدہ بانو باتیں کر رہے تھے۔

تمہارے پاس اتنا سونا ہے۔ آرٹیفیشل (Artificial) کیا کرنا ہے۔ صائمہ سے رہا نہ گیا۔

تمہاری بات بھی ٹھیک ہے...... لیکن یہ کونسے کم قیمت کے ہیں...... شرجیل بتا رہے تھے ہزاروں کی مالیت ہے۔ رحیمہ نے کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے...... سونا سونا ہی ہے۔ صائمہ نے کہا۔

اچھا چھوڑو...... تمہیں وی سی آر پر فلم لگا دوں...... میں ذرا ابا سے بات کرلوں۔ وہ صائمہ کو

بڑے کمرے میں لے گئی۔

آؤ بیٹی...... تمہیں ایک پیغام دینے آیا ہوں۔

پیغام......وہ حیران سی صوفے پر بیٹھ گئی۔

ہاں بیٹا...... زلیخا نے اس اتوار کو تم سب لوگوں کی دعوت کی ہے۔ کرامت علی نے کہا۔

کس سلسلے میں ابا...... رحیمہ نے ایک دم کہا......اس کا چہرا کسی قسم کے تاثرات سے عاری تھا

اپنے گھر کی خوشی میں......نوکری کی خوشی میں......وہ بولے۔

ہوں......تو یہ بات ہے......وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

ہاں بیٹا......ضرور آنا......بہن حمیدہ تم بھی ضرور آنا......کرامت علی نے خاموش بیٹھی حمیدہ کی طرف دیکھا۔

ابا......آپ یہ بتائیں کہ ایک برس ہونے کو آیا ہے......آپا زلیخا ایک مرتبہ بھی میرے ہاں نہیں آئی...... جب بھی اچانک ملاقات ہوئی ہے امی کے ہاں ہی ہوئی ہے۔ رحیمہ نے زبردست شکوہ کیا۔

بھئی میری سمجھ میں تم دونوں بہنوں کی ناراضگی نہیں آتی۔ کرامت علی پریشان سے ہو گئے۔

ابا......بات تو کچھ بھی نہیں ہوئی......وہ......رحیمہ نے وہ پر زبان بند کر دی۔

کیا......کوئی جھگڑا ہوا تھا......مجھے تو کچھ علم نہیں......وہ چونک سے گئے۔

ارے نہیں ابا......جھگڑا تو نہیں ہوا......بھلا ہم بہنوں میں کبھی جھگڑا ہوا ہے۔ وہ کرامت علی کو مطمئن کرنا چاہتی تھی۔

پھر کیا بات ہوئی......کرامت علی آہستہ سے بولے

دراصل ابا یہ اس دن کی بات ہے جب شادی کے بعد ہم سب لوگ آپ کے ہاں گئے تھے......رحیمہ رک سی گئی۔

ہاں ہاں......کیا ہوا تھا اس دن......کرامت علی نے چہرا اٹھایا۔

میں نے نذیر کے بارے میں کچھ کہہ دیا تھا......آپا کو اچھا نہیں لگا تھا......رحیمہ نے جیسے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہو۔

تم نے ضرور نذیر کے بارے میں ہتک آمیز الفاظ کہے ہوں گے۔

الفاظ تو برے نہیں تھے......آپا کو اچھے نہیں لگے۔ رحیمہ معصوم بن گئی۔

دیکھو بیٹی......سب مقدروں کے کھیل ہیں......وہ ہی سب کو دینے والا ہے......وہ گھر اس نے اپنی محنت کے بل بوتے پر بنایا ہے۔ نذیر بھی اب ٹھیک ہوتا جا رہا ہے۔ کرامت علی نے کہا۔

بیٹی......چائے بناؤ کہ اب باتیں ہی کرتی رہو گی۔ حمیدہ بیگم کو جیسے یاد آ گیا۔

بناتی ہوں خالہ......وہ افسردگی سے بولی۔

دیکھو......صائمہ ٹرالی میں چائے معہ لوازمات کے لے آئی......

لو دیکھ لو......بہنوں کے یہ فائدے ہیں۔ ہمیں پتہ بھی نہیں چلا۔ حمیدہ بیگم نے بڑی محبت سے صائمہ کی طرف دیکھا۔ کرامت علی اور رحیمہ بھی ہنس دیئے۔

رحیمہ کے فریج میں جو بھی تھا نکال لائی ہوں۔ صائمہ نے کہا۔

بیٹی......اب گھر بار والی ہے باجی کہا کرو......کرامت علی بولے۔

نہیں ابا......اس کے منہ سے اچھا لگتا ہے......رحیمہ نے ہنس کر کہا۔

چلو تمہاری مرضی......وہ چائے کا کپ اٹھا کر بولے

☆

استاد......آج میں نے بڑی مارکیٹ میں جیرے کو دیکھا۔ جیدی بیٹھتے ہوئے بولا۔

کیا......تم نے جیرے کو دیکھا......ایک دم تڑپ کر گامو نے جیدی کے شانے پر زور سے
ہاتھ رکھا۔

ہاں استاد ...... کیا ٹوریں ہیں جیرے کی ...... وہ مسٹر نذیر نظر آتا ہے۔ جیرا تو لگ
نہیں......جیدی کے الفاظ میں زبردست حیرت پوشیدہ تھی۔

ہاں جیدی ......دراصل اس کی بیوی نے اس کا بہت ساتھ دیا ہے۔ گامو کسی سوچ میں پ
گیا۔

اب کیا ہوگا......جیدی بولا۔

ہونا کیا ہے...... میں چھوڑ دوں گا اس کو......اب تو اور بھی ضد پکی ہوگئی ہے۔ گامو نے
انتقاماً اپنی گھنی سیاہ مونچھوں کو تاؤ دیا۔

اکیلا تو نظر ہی نہیں آتا۔ جیدی نے کہا۔

نہ آئے......ایک دن تو نکلے گا......کب تک بیٹھا روٹیاں توڑتا رہے گا۔ گامو بولا۔

استاد......وہ نشہ چھوڑ چکا ہے......ورنہ اس کی صحت ایسی نہ ہوتی۔ جیدی حیرت سے بولا۔

گولیاں کھاتا تھا......چھوڑ دی ہوں گی......لیکن اگر قابو آ گیا نا تو چاند پر ہی پہنچے گا۔ گامو
نے حسب عادت قہقہہ لگایا۔

چاند پر......جیدی نے لاعلمی سے آنکھیں جھپکائیں......

سمجھا کر......گامو نے ہنستے ہنستے کہا۔

اچھا اچھا......سمجھ گیا......ہاں پھر دیکھیں گے...... باہر نکلتا ہے کہ نہیں جیدی نے کہا۔

تیرا دھندہ کیسا جا رہا ہے۔ گامو بولا۔

بہت اچھا استاد......قبرستان بھرے پڑے ہیں گاہکوں سے۔ جیدی بڑے فخر سے بولا۔

ہاں......ٹھیک ہے......استاد آج کل یہ تیز بڑی آئی ہے...... جیب میں ڈالو تو نشہ آ جاتا
ہے۔ جیدی نے کہا۔

یار خالص ہے......ملاوٹ نہیں نا......

ہوں......جیدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ایک پڑی وہ کھا لے گا تو سب بگڑے کام سنور جائیں گے...... گامو نے اپنی چمکتی نگاہیں
جیدی پر ڈالیں......زلیخا کا زیور اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔

اچھا استاد......میں چلتا ہوں۔ جیدی نے واپسی کی اجازت چاہی۔

سنو......گامو نے جاتے ہوئے جیدی کو پکارا۔

جیدی نے پلٹ کر دیکھا۔

زیادہ وقت ڈیرے پر آیا کرو......گھر میں آنا جانا اچھا نہیں لگتا......

کیوں استاد......جیدی حیران ہوتے ہوئے بولا۔

اوہو......محلے والوں میں بدنامی ہوتی ہے......ماسی دولاں کی وجہ سے بات پھیلی تھی......
اب ٹھنڈی ہے......اس کا خیال رکھو۔ گامو نے خبردار کیا۔

ٹھیک ہے استاد......جیدی نے کہا۔

دوپہر کے بعد میں ڈیرے پر ہی ملوں گا۔ گامو بولا۔

جیدی نے گردن ہلائی اور باہر نکل گیا۔

گامو نے کافی دیر سوچا......اس کی ہر نگاہ زلیخا کے زیور پر تھی......اور جو دو چار سو اس نے
جیرے کی شادی پر خرچ کیے تھے......وہ زلیخا نے آرڈر جاری کر دیا کہ فہرست پیش کرو......
تب رقم ملے گی۔

کاکے کے ابا......شازیہ نے پردے کی اوٹ سے آواز دی۔

آ جاؤ......جیدی چلا گیا ہے۔ گامو نے اٹھ کر باہر والا دروازہ بند کر لیا۔

کیا سوچ رہے ہو......جیدی کیا کہہ رہا تھا۔ شازیہ ہاتھوں سے خشک آٹا جھاڑتے ہوئے
بولی۔

اس نے کیا کہنا ہے......وہی جیرے کی بات کر رہا تھا۔ گامو نے پلنگ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

جیرا اب قابو نہ آیا......اس کی جورو بڑی کھرانٹ ہے۔ شازیہ نے کہا۔

رہنے دے ...... کبھی تو باہر نکلے گا ...... میں نے بھی بندے چھوڑ دیئے ہیں ...... تابوا
آیا ...... گامو کے الفاظ میں بڑا اعتماد تھا۔

اتنے بڑے بڑے تو گیٹ ہیں فیکٹری کے ...... چوکیدار سو طرح کی باتیں پوچھتا ہے ......
تلاشی لیتا ہے ...... مرد کو بغیر شناخت کے وہ نہیں جانے دیتے۔ شازیہ نے جو دیکھا تھا کہہ دیا

اچھا ...... دیکھا جائیگا ...... گامو نے ایک لمبی سانس لی اور باہر کی جانب چل دیا اور شازیہ
اندر کی جانب چل دی۔

سورج کی سفید کرنیں کائنات کو منور کر رہی تھیں ۔ لوگ کام کاج میں مشغول ہو چکے تھے
کرامت علی بھی تھیلا اٹھائے دروازے سے باہر نکلے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پلٹے۔

رقیہ بانو ...... دیکھو تو کون آیا ہے۔

جی ...... رقیہ بانو اور شاہدہ کرامت علی کی برق رفتاری دیکھ کر ایک دم صحن میں آئیں ...

کون ہے۔ رقیہ بانو نے حیران سی آواز میں کہا۔

یہ دیکھو۔ سجاد آیا ہے ...... وہ سجاد کو لے کر اندر آ گئے ......

سجاد ...... سجاد بیٹا ...... رقیہ بانو نے محبت سے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

یہ تمہاری بھابی ہے شاہدہ۔

آداب۔ رقیہ بانو کے تعارف پر سجاد نے مودب کہا۔

آداب۔ شاہدہ نے بھی کہا۔

اندر آ جاؤ۔ رقیہ اور کرامت علی اسے ڈرائینگ روم میں لے گئے۔

اچھا گھر بنا لیا آپ نے ...... وہ ڈرائینگ روم میں صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

بس اللہ کا کرم ہے ...... بچوں کی محنت کا ثمر ہے۔ کرامت علی مسکرا کر بولے۔

تائی ماں ...... جمیل کی تو شادی ہو گئی ...... بچے بھی ہوں گے۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔

ہاں ...... اس کی دلہن سے تو تم مل چکے ہو ...... پیاری سی ایک بچی ہے ...... سو رہی ہے شا
...... رقیہ بانو نے کہا۔

اور ...... وہ کچھ بھول سا گیا تھا۔

زلیخا اور رحیمہ دونوں اپنے گھر کی ہو گئیں ...... صائمہ اس وقت بہت چھوٹی تھی ...... اب
ماشاءاللہ میٹرک میں ہے۔

زلیخا کی شادی کر دی آپ نے ...... یوں جیسے اس کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا ہو۔

ہاں ......

کرامت علی تو خاموش رہے۔ البتہ رقیہ بانو نے اس کے اداس چہرے کو بغور دیکھا

انتظار بھی نہ کیا ...... اسے شکوہ سا ہونے لگا۔

انتظار ...... کس بات کا انتظار کرتے بیٹا ...... سلامت علی کے انتقال کے بعد تمہاری ماں
تمہیں لے کر ایسی میکے گئی کہ پھر پلٹ کر نہ آئی۔ رقیہ بانو نے کہا۔

میں آپ سے مل کر باہر گیا تھا۔

وہ چونکا۔

کتنی مدت ہو گئی ہے ...... دس سال کا طویل عرصہ گزر گیا ...... تمہاری طرف سے کوئی
سندیس آیا نہ گیا ...... جاتے جاتے کوئی آس ہی بندھا جاتے ...... رقیہ بانو کو شدید افسوس
ہونے لگا۔

ہوں ...... شاید ...... میں ہی قصوروار ہوں۔ وہ پشیمان انداز میں صوفے پر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

تم نے ابھی شادی نہیں کی ...... رقیہ بانو نے کہا۔

کرامت علی شاہدہ کی آواز پر باہر چلے گئے۔

نہیں ...... اسی امید پر رہا کہ کاروبار سیٹ ہو جائے تو ایک ہی مرتبہ چلوں ...... وہ آہستہ سے بولا۔

اب طاہرہ نے کسی رشتے کے بارے میں سوچا۔ رقیہ بانو کے من میں کوئی اور ہی خیالات جنم
لینے لگے۔

نہیں ...... چند دن ہوئے ہیں آیا ہوں ...... اس طرف ابھی کوئی خیال نہیں آیا۔ سجاد سنجیدہ
سا لگنے لگا تھا۔

اماں چائے لے آؤں ...... دروازے پر کھڑے ہو کر شاہدہ نے کہا۔

لے آؤ بیٹا ...... تم بھی آؤ ...... اپنے باپ کو بھی بلاؤ۔ رقیہ بانو نے کہا۔

بیٹا ...... رہو گے نا کچھ دن۔ رقیہ بانو کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

فکر نہ کیجئے ...... میں سب سے مل کر جاؤں گا ...... ابھی بہت جلد جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔

ٹھیک ہے بیٹا ...... تیرا اپنا گھر ہے ...... جم جم رہو ...... وہ جاتے جاتے مسرت بھرے لہجے
میں بولیں۔

اس نے بہت دن قیام کیا...... کرامت علی کے گھر کے ہر فرد کے بارے میں اچھی طرح
پڑھا رحیمہ شرجیل اپنے گھر بہت اچھے تھے...... زلیخا کو دیکھ کر اس کا دل بہت خراب ہوا
زلیخا ایسے شخص کے قابل تو نہ تھی...... وہ عقلمند ادراک رکھنے والی لڑکی تھی...... سب سے بڑھ کر
تعلیم یافتہ بھی...... ایک دن اس نے موقعہ جان کر کرامت علی اور رقیہ بانو سے کہہ ہی دیا۔
معاف کیجئے گا تائی ماں...... نذیر کے رشتے سے تو بہتر تھا زلیخا چند سال اور بیٹھی رہتی...... وہ
کیا کرتے دنیا باتیں بناتی تھی...... رحیمہ کی پہلے شادی ہو جاتی تو...... زلیخا کا بھی رشتہ
آ تا...... رقیہ بانو خوفزدہ سی بولیں۔
تو نہ آتا...... کم از کم اس مٹی کے مادھو سے تو بہتر تھا...... جو کوئی کام نہیں کر سکتا۔ میرا خیال
ہے بالکل ان پڑھ ہے۔ وہ صاف گوئی پر اتر آیا۔
اب تو ٹھیک ہو گیا ہے...... رقیہ بانو ندامت بھرے انداز میں بولیں۔
خاک ٹھیک ہو گیا ہے اسے تو بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ سجاد کو انتہائی افسوس ہو رہا تھا
کیا کرتے بیٹا مجبوری تھی...... وہ مجبور و بے بس نظر آنے لگیں۔
آپ نے اپنی مجبوری کی بھینٹ زلیخا کو چڑھا دیا۔ وہ صاف صاف بات کہہ گیا۔
بیٹا کیا کرتی...... حالات ہی ایسے تھے...... وہ خاموش ہو گئیں۔
کاش کچھ عرصہ آپ...... وہ بے بس سا لگا...... جیسے زلیخا کی شادی کا اسے بے حد افسوس ہو
تمہارا بھی قصور ہے...... تم نے تو پلٹ کر خبر ہی نہ لی...... اگر تمہیں اتنا خیال ہوتا تو خط
لکھتے...... رقیہ بانو کو بے حد افسوس ہو رہا تھا۔
اماں...... دروازے پر زلیخا کی آواز سن کر رقیہ بانو ایک دم اٹھ گئیں۔
زلیخا...... اندر آ جاؤ...... سجاد بھی ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔
کون ہے...... زلیخا نے اندر قدم رکھا۔
سجاد بیٹھا ہے۔ رقیہ بانو نے زلیخا کو اندر قدم رکھتے دیکھ کر کہا۔
زلیخا...... سجاد ٹھٹھک سا گیا...... سفید ساڑھی میں ملبوس شانے پر سیاہ بیگ لٹکائے وہ
جاذب شخصیت کی مالک نظر آ رہی تھی...... وہ نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔
آداب......
آداب......

وہ جواب دے کر سامنے بیٹھ گئی......
تم لوگ بیٹھو...... میں کھانے کو دیکھتی ہوں...... بہو اکیلی کام کر رہی ہے۔ رقیہ بانو باہر نکل گئیں۔
کیسی ہو...... سجاد نے کہا۔
اچھی ہوں...... تم سناؤ...... تمہیں یہاں کی یاد کیسے آ گئی۔ وہ چھپے چھپے انداز میں طنز کرتے بولی۔
باہر سے آتے ہی سب سے پہلے یہاں آیا ہوں۔ وہ اپنا اعتماد بحال کرنے لگا۔
یہ تو عنایت ہے جناب کی کہ آپ نے یاد کیا۔ زلیخا نے بیگ کو ایک طرف رکھا۔
طنز کی عادت نہیں گئی تمہاری۔ وہ مسکرا دیا۔
کئی دنوں سے آئے ہوئے ہو...... میرے ہاں کیوں نہیں آئے۔ زلیخا نے گلہ کیا۔
بس تم سے یہاں ملاقات کو بہتر سمجھا...... ویسے رحیمہ کے گھر پر ملاقات ہو گئی تھی۔ وہ اس کی
طرف رخ پھیر کر بولا۔
کچھ دن میرے ہاں رہو...... زلیخا نے کہا۔
نہیں...... بس ایک ملاقات ہی ساری ملاقاتوں پر محیط ہے۔ وہ مسکرا دیا...... جیسے اس کے
اندر کی عمارت لرز گئی ہو۔
کیا مطلب ہے تمہارا......
مطلب یہ ہے کہ میں بار بار تمہیں فرش و عرش کے درمیان معلق نہیں دیکھ سکتا۔
سجاد نے زلیخا کے چہرے کو گہری نگاہ سے دیکھا...... جس پر لاکھوں نامساعد حالات کی
پرچھائیاں رقص کناں تھیں...... نذیر سے شادی گویا اس نے سمجھوتوں کی ایک چٹان کھڑی کر
رکھی تھی۔
وہ خاموش زمین پر بچھی دری کو جوتے کی نوک سے کریدتی رہی۔ تم نے میری بات کا جواب
نہیں دیا۔
میں واقعی فرش اور عرش کے درمیان معلق ہوں...... اگر ٹوٹ کر گرتی ہوں تو پاش پاش ہو
جاتی ہوں...... رسوائیاں میرا مقدر بن جائیں گی...... اور اگر چاہوں کہ آسمان کی وسعتوں
میں کھو جاؤں تو...... کہ اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ بڑے کرب سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹشو
پیپر سے پیشانی پر پسینے کے قطروں کو صاف کرنے لگی۔
اس کا مطلب ہے کہ تم اس شادی سے خوش نہیں ہو۔

وہ فوراً بولا ...... جیسے اس نے کوئی مشکل سوال حل کر لیا ہو۔

میرے لئے اس خوشی کے معنی بدل چکے ہیں۔ زلیخا کے چہرے پر کرب کی پرچھائیاں

تم نے انکار کیوں نہیں کیا...... وہ اضطرابیت کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔

کیسے انکار کرتی ...... بڑے مسائل کا حل میرے ساتھ بندھا ہوا تھا۔

کیا...... وہ چونکا۔

اگر میں شادی سے انکار کرتی تو رحیمہ کی شادی نہ ہوتی ...... صائمہ کا آئندہ مستقبل
جاتا ...... والدین طعنوں کا شکار ہو جاتے ...... بڑی کو چھوڑ کر چھوٹی کی شادی کر دی ......
کوئی سننے کو تیار نہ تھا۔ وہ بے قراری سے اپنے ہاتھوں کو آپس میں رگڑتی رہی۔

اچھا...... تو گویا تم قربانی کا بکرا تھیں۔ وہ دوبارہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

وہ بظاہر پرسکون بیٹھ گئی ...... لیکن سجاد نے جو آگ بھڑکا دی تھی ...... وہ بڑھتے بڑھتے
بنتی جا رہی تھی ...... نذیر اس کا شوہر تھا ...... ایک مٹی کا مادھو ...... جس کا اپنا کوئی فیصلہ اپنا
ارادہ نہیں تھا۔

چند لمحے سکوت رہا ...... دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش رہے۔

کتنا عرصہ ہوا تمہاری شادی کو ...... سجاد نے کہا۔

تقریباً دو سال ہونے کو آئے ہیں۔ وہ آہستہ سے بولی۔

کاش اتنا عرصہ تائی ماں اور تایا ابا اس مسئلے کو دبائے رکھتے ...... وہ پچھتاوے کا تاثر لا
افسردہ سا ہو گیا۔

چاچی نے ہمیشہ سے بڑے گھر کی بہو کے خواب دیکھے ہیں۔ زلیخا نے یاد دلایا۔

یہ تو ہر ماں کا خواب ہے ...... زلیخا ...... سجاد بھائی ...... کھانا تیار ہے ...... آئیے ...... شا
نے اندر آتے ہوئے کہا۔

بھابی مجھے تو اجازت دیجئے۔ زلیخا نے باہر کی طرف چہرا کرتے ہوئے کہا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے ...... اماں بلا رہی ہیں۔ شاہدہ نے اصرار کیا۔

کلاک نے ٹن سے دو بجائے ...... زلیخا ایک دم کھڑی ہو گئی ......

اب اجازت دیجئے ...... اماں، ابا اور بھائی کو سلام کہیئے گا ......

بیٹی بیٹھو نا ...... تم نے تو کچھ بھی نہیں کھایا۔ رقیہ بانو نے ایک دم اسے روکا۔

پھر ملوں گی ...... اماں گھر میں انتظار کر رہی ہوں گی۔

خدا حافظ ...... وہ سجاد کو ایک نظر دیکھ کر تیزی سے باہر کی طرف لپکی ...... رکشہ لئے وہ گھر کی
جانب چل دی۔

کرایہ ادا کرتے گیٹ کے اندر داخل ہوئی ......

بی بی صاحب ...... خان بابا نے اسے روکا۔

کیا بات ہے خان بابا ...... زلیخا کی روح جیسے قفس عنصری سے پرواز ہو رہی ہو۔

بی بی ...... تمہاری والدہ روتی ہوئی یہاں سے باہر گئی ہے۔ خان بابا نے کہا۔

روتی ہوئی ...... کس وقت۔ وہ بڑی مشکل سے آواز پر قابو پاتے بولی۔

کوئی گیارہ بجے کا وقت تھا بی بی ...... وہ باہر کی طرف پلٹی

بی بی صاحب ...... خان بابا نے ایک دم آواز دی۔

کیا بات ہے خان بابا

نہیں جانا ...... والدہ صاحبہ منع کر کے گئی ہیں کہ آپ نے گھر پر ہی رہنا ہے۔ خان بابا نے
بڑے اصرار کے ساتھ ہاتھ بڑھایا۔

اچھا ...... وہ مجبوری واپس چل دی۔

بی بی صاحب بی بی صاحب ...... وہ اماں آ رہی ...... پکڑ لیا ...... ات تیرے کی ...... وہ
جوتوں سے۔ خان بابا نے زلیخا کی توجہ اس کی طرف دلائی ...... سامنے بڑی سڑک پر اماں
دوالاں ایک ہاتھ میں اپنا سلیپر نما جوتا اور دوسرے میں نذیر کی کلائی پوری طاقت سے پکڑے
بھاگم بھاگ آ رہی تھی ......

اماں ...... یہ کیا۔ نذیر کی مضحکہ خیز حالت دیکھ کر زلیخا ہونٹوں میں اپنی ہنسی نہ دبا سکی۔

تو ہنس رہی ہے ...... اماں نے اتنا مارا ہے مجھے ...... وہ پسینے سے شرابور زلیخا کو شکایت لگائے بولا۔

گھر چل ...... تو بھی بیٹی دوروازے کھول ...... زلیخا نے تیز رفتاری سے گھر کی طرف قدم اٹھائے۔

اماں کیا بات ہوئی ...... زلیخا نے نذیر کو تولیہ پکڑایا۔

اس لعنتی سے پوچھو ...... کیا کر دیا اس نے ......

کیا کیا نذیر نے ...... زلیخا نے الماری سے نذیر کے کپڑے نکالے۔

بیٹی ...... میں تو جیتے جی مر جاؤں گی ......

اماں معاف کر دے نا......اب ایسا نہیں کرتا۔ وہ پلنگ سے اٹھتا ہوا بولا۔

نذیر جاؤ غسل کر لو......تمہاری حالت درست ہو......پھر میں کھانا لگاتی ہوں۔

وہ ماں کو دیکھتا ہوا کپڑے اٹھاتا باتھ روم کی طرف بھاگ گیا۔

اب بتا اماں......کیا بات ہوئی۔ زلیخا سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

بیٹی میرے نصیب اچھے......یہ مل گیا......وہ بھی میں جلدی اس کے پیچھے بھاگی۔ اپنے دوپٹے سے چہرا صاف کرتے بولی۔

یہ تو مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ نذیر بھاگا ہے گھر سے......لیکن کیسے......وہ دولاں کے کی ہوائیاں اڑی دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

یہ دوسرے کمرے میں گانے سن رہا تھا......تمہیں پتہ ہے میری تو ایسے ہی آنکھ لگ جا......میں ادھر اچانک سو گئی......میرا دل کہتا ہے باہر والے دروازے پر دستک ہوئی......سننے گیا......اور وہ خدا غارت کرے گاموکا بندہ جیدی اس کو اپنے ساتھ لے گیا۔

گاموکا بندہ......زلیخا نے کہا......جیسے اس کا سانس رک گیا ہو......

ہاں......ماسی دولاں سیدھی لیٹ گئی۔ اس کا سانس پھر تیز تیز چلنے لگا۔

پھر اماں......یہ ملا کہاں سے۔ زلیخا دولاں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

وہ تو میری آنکھ کھل گئی......ٹیپ چل رہی تھی......میں نے غسل خانے میں دیکھا۔ دیکھا کہ باہر والا دروازہ پورے پٹ کھلا ہوا تھا......کیا بتاؤں میری بچی میری تو جان......پاگل ہو کر میں بھاگی بھاگی باہر کی طرف دوڑی......فیکٹری کے گیٹ پر خان......مجھے نہیں معلوم میں نے اسے کیا کہا......بس پاگل دیوانوں کی طرح جیرے جیرے......جونہی چوک میں پہنچی......یہ میرا پوت......یہ......دولاں نے لمبا سانس لیا......جیسے اکھڑ گئی ہو......

اماں حوصلہ کر......میں ہوں نا تمہارے پاس......

بیٹی خدا تمہیں سکھی رکھے......یہ جیدی سے کچھ کہہ رہا تھا......وہ اس کو کرتے کا باز کر کھینچ رہا تھا......اماں دولاں نے ایک سسکی بھری......میں نے پیچھے سے جا کر پکڑ لیا......دو جوتے اس کی کمر پر لگائے......وہ خبیث جیدی مجھے دیکھ کر بھاگ گیا نے دوبارہ دیا مجھے پوت......

زلیخا......سارے راستہ اماں مجھے مارتی آئی......اس نے لوگوں کا بھی خیال نہ کیا۔ کمرے میں آتے آستین کو اوپر چڑھاتے نذیر نے کہا۔

اچھا کیا اماں نے......تم کیوں چوری گھر سے بھاگے......زلیخا نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور اس کے ہاتھ سے تولیہ لے کر لٹکا دیا۔

میں تو حیران ہوں......اس جیدی کو کیسے علم ہوا ہمارے گھر کا۔ وہ زلیخا کو دیکھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

دوبارہ تالی نہیں آئی تھی......شازیہ......اماں دولاں ہاتھ نچاتے غصے سے بولی۔

اب سب کو علم ہو جائے گا......نذیر نے کہا۔

جو مرضی آئے......میری عدم موجودگی میں تم نے باہر نہیں جانا......زلیخا نے سختی سے کہا......جیسے ڈانٹ رہی ہو۔

اچھا بابا نہیں جاتا......اب معاف کر دو......وہ دونوں ہاتھ جوڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

بہو......ایک بات تو سن......جاتے جاتے زلیخا کو دولاں نے روک لیا۔

کیا اماں......وہ پلٹ کر بولی۔

بڑے گیٹ پر خان کو کہہ دو کہ ان لوگوں کو اندر آنے نہ دے۔ دولاں ایک دم اٹھتے ہوئے بولی۔

اماں ایسے نہیں ہو سکتا......وہ بولی۔

میں کہیں نہیں جاتا......اب دونوں میرا گناہ معاف کر دو......نذیر جھلا کر بولا۔

زلیخا پھر اس کی اداکاری پر ہنس دی۔

چلو بیٹھے رہو......اماں آ جاؤ......میں کھانا لانے لگی ہوں......

آتی ہوں میری بچی۔ تینوں نے مل کر کھانا کھایا۔

استاد......جیدی گاموکے ڈیرے میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

آؤ......کوئی خبر......آج جیرا قابو آ چکا تھا استاد......جیدی نے کہا۔

پھر......گامو ایک دم کھڑا ہو گیا اگر وہ ماسی دولاں نہ آ جاتی تو......جیدی نے کف دست ملتے ایک مکہ دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارا۔

تم ہاتھ کچا ڈالتے ہو ورنہ ایسا نہ ہوتا......گامو کو جیدی پر غصہ سا آنے لگا۔

ہاتھ پکا ڈالا تھا استاد......جیدی بولا۔

پھر پکڑے کیسے گئے۔ گامو کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

ماسی دولاں ہمارے تعاقب میں چیختی چلاتی بھاگتی چلی آ رہی تھی ...... میں نے سوچا جیرے آج چھوڑنا ہی بہتر ہے...... کہیں یہ بڈھی مروا نہ دے۔ جیدی نے کہا۔

اچھا کیا...... اس بڈھی کا کچھ کرنا پڑے گا......اس کو ہمارے ڈیرے کا بھی پتہ ہے ہمارے دھندے کا بھی۔ گامو کو تشویش ہونے لگی۔

کچھ نہیں ہوتا استاد ...... یہ چھوٹی سی بستی ہے اور وہ شہر سے پرے دور جا چکی ہے۔ جیدی نے تسلی دی۔

ہاں یہ بات تو ہے......گامو مطمئن ہوتا دکھائی دینے لگا۔

☆

سنیئے ذرا......جاتے جاتے رقیہ بانو نے کرامت علی کو روکا۔

کہیئے......کرامت علی کھڑے کھڑے جھک کر بولے۔

رقیہ بانو نے چاولوں کا تھال ایک طرف رکھا......اور سرگوشانہ انداز میں کرامت علی کی طرف دیکھا۔

خدا خیر ہی کرے......فرمائیے بیگم صاحبہ......وہ بولے

بیٹھ جائیے......بھلے کی بات ہے۔ وہ بازو سے پکڑ کر بٹھاتے بولیں۔

کہیئے......وہ بیٹھتے ہوئے بولے

ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ وہ مسکرا کر چہرا آگے بڑھا کر بولیں۔

کہو......وہ بولے

اپنی صائمہ کے لئے سجاد کیسا رہے گا۔

کیا......اس عمر میں تم سٹھیا گئی ہو کیا......کہاں سجاد اور کہاں صائمہ۔ وہ بری طرح چونک گئے۔

کیا مطلب ہے آپ کا......وہ کئی سلوٹیں ڈال کر ناگوار انداز میں تو لیں۔

سجاد چالیس کے لگ بھگ ہے......اور صائمہ کل کی بچی سولہ سترہ برس کی......کوئی بھیڑ بکری تو نہیں جو اس کے آگے ہانک دو گی۔

میں چاہتی تھی کہ ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی۔ صائمہ کے ساتھ......رقیہ بانو بولیں۔

بس بس......آئندہ یہ ذکر نہ کرنا......ہم نے ٹھیکہ لے رکھا ہے......سب کی مجبوریاں اپنی جھولی میں ڈالنے کا......وہ بری طرح کرسی پر بیٹھے سٹپٹا گئے۔

اچھا بابا نہ سہی......ناراض مت ہوں......میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا۔ رقیہ بانو نے ان کو

مطمئن کرنا چاہا۔

بس آئندہ تم نے صائمہ کے رشتے کی بات نہیں کرنی......وہ پڑھ رہی ہے۔اسے پڑھنے دو

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

صائمہ بیٹی......جلدی سے دو کپ چائے لے آؤ نا......

لا رہی ہوں اماں......صائمہ نے آتے آتے دو پیالیاں درمیانی میز پر رکھیں۔

میں تو پہلے ہی زلیخا کے لئے پریشان رہتا ہوں......وہ گرم گرم گھونٹ حلق سے اتار کر بولے

کیوں ابا......آپا ٹھیک تو ہے اپنے گھر میں۔صائمہ نے اداس لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے......کھاتی پیتی ہے۔اسے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانے پڑے۔

لیکن......وہ نذیر کے قابل نہ تھی......تم سب سے زیادہ پڑھی ہوئی تھی...... سمجھوتوں کی

میں پس گئی بیچاری۔

بس چھوڑیئے......اب دل میلا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔رقیہ بانو نے کرامت علی

دل کو تسکین دینا چاہی۔

اب تو جو ہو گیا سو ہو گیا......بدل تو نہیں سکتا......وہ پچھتاوے کا زہر نگل کر کھڑے ہو گئے۔

ابا چائے اور لاؤں......صائمہ نے باپ کو اداس اور ملول دیکھا تو پاس آ کر کہا۔

ہاں لے آؤ......ساتھ ایک گولی بھی رقیہ بانو......وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

جاؤ بیٹی......سامنے الماری میں سے سر درد کی گولی لے آؤ۔صائمہ سامنے کمرے میں چلی گئی۔

آج آپ زلیخا کے لئے زیادہ پریشان نہیں لگ رہے۔رقیہ بانو کو تشویش ہوئی۔

میں اس کے ہاں گیا تھا۔وہ آہستہ سے صائمہ سے گولی لے کر زبان پر رکھتے ہوئے بولے۔

کیسی تھی......بہت دن ہوئے اسے آئے ہوئے۔رقیہ بانو نے ایک دم سے کہا۔

اچھی تھی......وہ پانی کا گلاس میز پر رکھ کر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

کیا مطلب......کھل کر بات کریں......میری بچی کیسی تھی......رقیہ بانو کا سانس رک گیا۔

نذیر نے کئی دنوں سے بڑا پریشان کیا ہوا ہے۔وہ بولے

کیوں......وہ کیا کر رہا ہے......کھونٹے کی بیل کی طرح ایک کونے میں پڑا رہتا ہے؟

اندر باہر تو جاتا نہیں......وہ ایک دم سیدھی ہو گئیں۔

دو تین دن ہوئے دولاں کے ساتھ گیا تھا......راستے میں پرانے دوست مل گئے......انہ

نے نشے والا سگریٹ پلا دیا......دولاں نہیں جانتی تھی ان کو......

نہیں......ورنہ وہ ان کے پاس جانے کیوں دیتی۔وہ بولے

اب کیا ہوگا......

ہونا کیا ہے......بستر پر پڑا چلا رہا تھا......اور بار بار باہر نکلنے کے لئے بیتاب ہو رہا

تھا۔کرامت نے انتہائی پریشانی کے عالم میں آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے۔

ہائے اللہ......اب کیا ہوگا......میری بچی......ساری زندگی دوسروں کا بھلا سوچتی رہی......

اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔رقیہ بانو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

ادھر نذیر نے دونوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔وہ بار بار دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹتا اور زلیخا

کے سامنے ہاتھ جوڑتا۔

زلیخا......جانے دے مجھے......مت روک......خدا کے لئے مجھے جانے دے وہ اس کے

پاؤں پڑ گیا۔

نذیر کیا کر رہے ہو......اماں......اسے کیا ہو رہا ہے......وہ الجھی الجھی سی بولی۔

کسی ظالم نے پڑی پلا دی ہے......وہ سر پیٹ کر بولی......

پڑی......وہ کیا ہوتی ہے۔وہ حیران و ششدر کھڑی رہی

ہیروئن......جانتی ہے......میرے مقدر تو سڑے ہی تھے......تیرے بھی ایسے ہو گئے......

اماں......وہ بھاگ گیا......زلیخا برق رفتاری سے لپکی......لیکن وہ دروازہ کھول کر نکل گیا

تھا۔

اماں......کہاں بھاگ جائیگی اس کے تعاقب میں......اٹھتی ہوئی ماں کو زلیخا نے روک لیا۔

مجھے معلوم ہے وہ جہاں گیا ہے......دولاں کے پاس اتنی طاقت ہی نہ تھی......وہ زلیخا سے

لپٹ کر رونے لگی۔

اماں......حوصلہ کر......سب ٹھیک ہو جائے گا۔زلیخا نے تڑپتی بلکتی عورت کو اپنے ساتھ لیا۔

تو مجھے کیا دلاسا دے گی میری بچی......تیرا تو خود کلیجہ چھلنی ہے۔

تمام رات دونوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا......نیند کوسوں دور۔وہ ہر کروٹ پر سسکتی......

اور وہ بھاگتا اپنے بازوؤں کو کاٹتا......جیب میں پیسہ تو تھا نہیں......پیدل ہی گامو کے

ڈیرے پر پہنچا۔

استاد ...... استاد ...... جیدی نے گامو کے پاؤں دباتے چونک کر کہا۔

کیا ہے ...... گامو بری طرح اچھلا ......

او ...... شہزادہ گلفام ...... آ گیا ...... دیگیں چڑھاؤ ...... گامو نے طنز سے بھرپور الفاظ کے ساتھ نذیر کو مسکراتی آنکھوں سے دیکھا ......

لڑکوں نے کام اچھا کر دکھایا۔

جیدی نے پھر کہا۔

کیسے نہ کرتے ...... شاگرد ہیں آپ کے ......

گامو نے قریب آتے نذیر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

آ ؤ یار ...... ہم تو تیری صورت کو ترس گئے تھے ......

استاد ...... بڑی مشکل سے آیا ہوں ...... وہ سر دبانے لگا نذیر گامو کے پاس زمین پر بیٹھے ہوئے بولا۔

ہماری کشش لے آئی تمہیں ...... گامو نے ایک ہاتھ نذیر کی پشت پر مارا ......

استاد ...... ایک مرتبہ وہی دے دے ...... آج چار دن سے مر رہا ہوں ...... بھاگتے تھا سانس قابو میں نہیں ......

لائے کیا ہو ...... گامو نے ارزتی آنکھیں نذیر کی جیب میں ڈالیں

یہ دیکھ ...... اب تو دے دے ...... نذیر نے چھوٹا سا لاکٹ نکال کر گامو کو دیا ......

اتنا سا ...... گامو نے ظاہر داری سے ایک دم جھپٹا مارا اور جیب میں ڈال لیا۔

چھوٹا نہیں ہے استاد ...... ایک تولے کا ہے ...... زلیخا کے ابا ...... وہ اپنی پشت کو دبا۔ بڑے تکلیف میں دانت پیستا رہا۔

بس بس ...... زلیخا ہی تیرے جوڑوں میں بیٹھ گئی ہے ...... گامو نے کہا۔

اور جیدی کے ساتھ دوسرے لڑکے بھی ہنس دیئے ......

خبردار ...... زلیخا کا نام مت لو استاد ...... اپنے کام سے کام رکھ۔ نذیر کے اندر طوفان سا ہو گیا۔

ارے ...... جیدی یار ...... یہ غیرت مند بھی ہو گیا۔ سب نے مل کر فلک شگاف قہقہہ بلند کیا۔

رشید ...... گامو نے آواز دی ......

آیا استاد ...... رشید بھاگتا ہوا قریب آ گیا۔

سب سے مال لے لے اور ان کو ایک ایک پڑی دے دے ...... گامو نے کہا۔

اور ...... اسے۔ رشید ٹھہر کر بولا۔

اسے ذرا تیز دینا ...... یہ بڑی بھاری اسامی ہے ...... مجھے کھٹکتا ہے وہ ہار ...... گامو کی آنکھوں میں وہی ہار گھوم گیا۔

اچھا استاد ...... خوراک دے کر سب کو قبرستان کی طرف دھکیل دے۔ گامو نے کہا۔

بہتر استاد ...... رشید نے سب کو پڑیا پکڑائی اور باہر کی طرف دھکیل دیا۔

اسے استاد ......

اسے ...... اسے بھی قبرستان کی طرف نکال ...... بازار میں سڑک پر کہیں گڈی ریہڑے کے نیچے ہڈی پسلی نہ تڑوا لے۔ گامو نے بے سدھ پڑے نذیر کی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھا۔

کیسے نکال دیں استاد ...... یہ تو بے ہوش ہے۔ جیدی اور رشید نے بغور دیکھا۔

بے ہوش نہیں ہے ...... نشے کے مزے لے رہا ہے۔ گامو نے ہنس کر کہا

پھر بھی استاد ...... شام ہونے والی ہے ...... ڈیرہ خالی کرنا ہے۔ رشید نے کہا۔

ذرا روشنی پھیکی ہو جائے تو اسے اٹھا کر کسی پرانی قبر کے پاس پھینک آؤ۔

ٹھیک ہے استاد۔ رشید ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

نذیر کی جدائی سے دولاں روتے روتے جب ہلکان ہو گئی تو زلیخا نے محبت سے دولاں کو ساتھ لگا لیا۔

اماں ...... چپ ہو جا ...... صبح ہو جائے ...... پولیس میں اطلاع کر دیں گے۔

نہ بیٹی نہ ...... پولیس اچھی نہیں یہاں کی ...... ایک بار سویر تو ہو جائے ...... وہ کروں گی ......

گامو ...... تیرے فرشتے بھی توبہ کریں گے۔ وہ دانت پیس کر بولی۔

یہ پڑی اس نے دی ہے نذیر کو۔ زلیخا کو یاد آیا۔

ہاں ...... اس نے نشہ لگایا ہے ...... اچھا گامو ایک مرتبہ دن تو چڑھ لینے دے ...... وہ بچوں کی طرح زلیخا کی گود میں سر رکھے ریں ریں کرنے لگی۔ مسلسل رونے سے اس کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

اماں ...... زلیخا نے دولاں کے بال درست کیے۔

ہاں میری بچی...... کیا بات ہے۔ دولاں نے سر اٹھایا۔

صبح تو کہاں جائیگی...... زلیخا نے کہا۔

گامو کے پاس...... مجھے اسی پر شک ہے...... وہ ہی جوان لڑکوں کو ورغلاتا ہے...... ان
پیسے بٹورتا ہے اور نشے کا عادی بناتا ہے۔ دولاں نے دوپٹے سے چہرا اچھی طرح صاف کیا

وہ عادی مجرم ہے...... اس پر پولیس نے ہاتھ کیوں نہیں ڈالا۔ زلیخا کو غصہ آ گیا۔

اس پر کون ہاتھ ڈالے...... چھپا رستم ہے...... پولیس کو خوش رکھتا ہے۔ قصائی مو
...... دولاں نے دانت پیسے......

چائے بناؤں تمہارے لئے...... ساتھ گولی بھی کھا لے...... زلیخا نے بڑی محبت سے
دکھیاری عورت کو دلاسا دیا......

دے دے گولی...... میری بہو...... میرے نذیر کی دلہن...... سدا سکھی رہو۔ تیرا
سلامت رہے...... اے اللہ میری بہو کا سہاگ سلامت رکھنا...... صدقے جاؤں......
نے محبت سے زلیخا کے ہاتھ چومے......

دولاں سجدے میں گر کر نذیر کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگی۔

اماں...... اماں...... زلیخا نے آتے ہی پکارا......

آ گئی...... لے چائے گرم گرم پی لے سکون آ جائے گا۔ زلیخا نے ایک کپ پاس
ہوئے اماں دولاں کو پیالی اس کے دونوں ہاتھوں میں تھما دی۔

ایک دم کوئی چیز پھٹنے کی آواز آئی اور آسمان زمین پر اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا۔

بیٹی...... اتنا اندھیرا کیوں ہو گیا ہے...... جوں ہی اماں دولاں نے اپنی روتے
آنکھیں کھولیں۔

بجلی چلی گئی ہے اماں...... وہ خود خوف زدہ سی لگنے لگی تھی...... (نذیر کے ہوتے اس
میں خوف نہیں محسوس ہوتا تھا......) وہ سوچ کر رہ گئی۔

کیا وقت ہوا ہے...... دولاں نے پوچھا۔

زلیخا نے کلائی کی گھڑی کو دیکھا۔

بارہ کا وقت ہے اماں...... زلیخا دلگیر آواز میں بولی۔

ابھی بارے بجے ہیں...... بیٹی...... یہ رات کیوں نہیں گزر رہی...... دولاں بڑے

سینے سے لگائے سسکی۔

دکھوں کی رات نہیں گزرتی اماں...... وہ کپ پرے رکھ کر خود افسردہ حالت میں بیٹھ گئی۔

کبھی نہیں گزرے گی...... دولاں بڑے مایوسانہ انداز میں زلیخا کے گھٹنے پر اپنا بوڑھا
جھریوں بھرا ہاتھ رکھ کر بولی۔

گزرے گی اماں...... ضرور گزرے گی...... ایک دن سحر تو ہو گی نا...... زلیخا نے دکھے دل
سے دلاسا دیا۔

کیا فائدہ میری بچی...... جب یہ اندھیرا ہمیں نگل لے گا...... کسی نے دولاں کے کلیجے پر
گھونسہ مارا۔

ایسا نہ کہو اماں...... نذیر میرے جیون کی خوشی کا واحد ذریعہ ہے۔ میں اس سے بہت خوش
ہوں...... بس وہ زندہ رہے...... مجھے کسی سے کوئی سروکار نہیں...... زلیخا سسک اٹھی۔

میری بچی...... آنسو پونچھ لے...... تیری آنکھ نم ہے...... میری زندگی میں...... یہ نہیں ہو
سکتا...... میں دن چڑھتے ہی گامو کے پاس جاؤں گی...... نذیر گامو کے پاس ہوگا...... زلیخا
نے کہا۔

اسی کے پاس ہوگا...... اس کا بیڑہ غرق ہوا ہے...... وہی میرے بچے کا مجرم ہے۔

اماں...... میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی...... زلیخا نے جلدی سے کہا۔

کبھی نہیں...... ہائے اللہ...... تجھے تو کبھی نہ اس کے سامنے لے کر جاؤں...... وہ جوانی لٹا
...... آنکھوں ہی آنکھوں میں تجھے کھا جائے گا...... مرن جوگا...... ابلیس کا باپ ہے......

اماں دولاں نے اوپر دیکھا۔

روشنی پھیل گئی تھی۔

بجلی آ گئی اماں...... اب سو جا...... زلیخا نے کہا۔

ہاں بجلی آ گئی...... جو میرے تیرے من کے اندر تاریکی ہے...... وہ کیسے دور ہوگی۔ اماں
نے غمزدہ انداز میں کہا۔

اماں...... ہم نے کیا کسی کا بگاڑا ہے...... کوئی تو ستارہ آنگن میں پھوٹے کا روشنی لے کر
...... زلیخا بے بس سی لیٹ گئی...... اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن دل میں ایک طوفان برپا تھا
...... ایک طلاطم تھا جو اس کے دل کی دیواروں کو ریزہ ریزہ کر رہا تھا...... اس کے بدن کی

عمارت ٹوٹ رہی تھی ...... یوں احساس ہو رہا تھا جیسے نذیر اس کے جسم کا ایک حصہ ہے۔ نہیں ہوگا تو وہ اپاہج ہو جائے گی ...... لوگ اس سے نفرت کریں گے ...... سحر پھوٹی اس کی کمزور سی کرن دولاں کے چہرے پر پڑی تو وہ ایک دم اچھلی ......

اب میں جاؤں گی ...... گامو ...... میرا بچہ واپس کر دے ...... وہ چارپائی سے کھڑی ہوگئی

اماں ...... چائے کے ساتھ ڈبل روٹی کھا لے ...... وہاں تجھے کسی نے روٹی نہیں دینی

ٹھہر جا ...... وہ کچن جاتے جاتے بولی۔

نذیر کی جدائی نے اندر خون کر دیا ہے ...... میری بچی ...... بھوک نہیں ہے۔ وہ چادر اوڑھتے ہوئے بولی ......

دیکھ اماں ...... میں بھی ہوں نا ...... تیرے سامنے کھڑی ہوں نا ...... زلیخا حد درجہ ٹوٹ تھی ...... پھر بھی وہ دولاں کو سہارا دے رہی تھی۔

میری بچی ...... تجھے صرف نذیر کا غم ہے ...... مجھے تیرا بھی اور نذیر کا بھی۔

اور میری بڈھی جان ...... تیرا دم نہ ہوتا تو میں کب کی مر کھپ جاتی ...... دولاں اپنی ٹٹولتے ہوئے بولی۔

پیسے اور لے لے اماں ...... جہاں بھی ملے ...... اسے رکشے میں ڈال کر لے آنا ...... وہ کی طرف بھاگی۔

رہنے دے ...... یہ اتنے تو ہیں ...... سوسو کے نوٹ دکھاتے بولی اور گیٹ کی طرف چل دی

ٹھہر جا ماں ...... یہ بھی رکھ لے ...... واپس آتے کچھ روپے زلیخا نے دولاں کی جیب میں ٹھونس دیئے۔

بیٹی ...... اتنے زیادہ کیا کروں گی ...... وہ اپنی جیب میں پیسوں کو ٹٹول کر سیدھے کرتے بولی۔

تو اب دفتر جائیگی نا ...... اسے یاد آ گیا۔

اور کہاں ...... دل تو نہیں مانتا ...... وہ افسردہ سی ہوگئی۔

نہیں بیٹی ...... گھر کو تالا لگا کر سیدھی دفتر جا ...... شام تک تو میں اسے لے آؤں گی ......

آنکھیں صاف کرتی باہر نکل گئی ......

وہ سڑک پر چلی گئی ...... جہاں ایک عرصہ گزرا تھا۔ اس بستی کے راستے خود بخود ہی کھلنے ...... بڑی سڑک پر آ کر اس نے ایک رکشے والے کو روکا۔

کہاں جانا ہے اماں ...... رکشے والا بولا۔

کچی آبادی۔ وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

اماں بیس روپے لوں گا ...... بعد میں جھگڑا نہ کریو ...... رکشے والے نے یوں بغیر معلوم کئے کرایہ دولاں کو بیٹھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

تیرا کیا خیال ہے پتر ...... میں ایسی ویسی ہوں ...... جتنے کہے گا اتنے ہی دے دوں گی ...... وہ بیٹھ کر اپنی جیب سے کرایہ نکالنے لگی۔

پورے دس منٹ کے بعد رکشہ ایک جگہ کھڑا ہوا۔

آ گئی کچی بستی اماں ...... رکشے والا ایک دم بریک لگا کر بولا۔

اچھا ...... یہ لے ...... جیب سے تین نوٹ دس دس کے نکال کر رکشے والے کی ہتھیلی پر رکھے۔

اماں یہ تو تیس روپے ہیں ...... رکشے والے نے حیرت سے پہلے نوٹوں کو پھر دولاں کو دیکھا۔

رکھ لے رکھ لے ...... میں نے خود ہی دیئے ہیں ...... تیرے بچے سلامت رہیں۔ دولاں نے باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھا ...... تین سالوں میں بستی کتنی بدل گئی تھی۔ کچے مکانوں کی جگہ اکثر لوگوں نے پکے مکان بنا لئے تھے ...... راستے بدل گئے۔ اسے گلیاں بھی بدلی بدلی نظر آ رہی تھیں ...... وہ جانے پہچانے راستے پر چلی گامو کے گھر کی طرف بڑھ گئی ...... ایک جگہ اسے شک سا پڑا کہ شاید یہی گھر ہو ...... لیکن چھوٹے سے کھوکھے کی جگہ وہاں تو خوبصورت لان بنا ہوا تھا ...... لان سے گزر کر سیاہ رنگ کا گیٹ تھا ...... وہ لان سے گزر کر گیٹ کے پاس آ گئی ...... ایک بچے کو باہر نکلتے دیکھا۔

بیٹا یہ گامو قصائی کا گھر ہے۔ دولاں بولی۔

گامو کا یہی گھر ہے اماں ...... لیکن قصائی تو نہیں ہے۔ لڑکا کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ خوبصورت سیڑھی چڑھتی اندر چلی دی ...... گھر کی آرائش وسجاوٹ قابل دید تھی ......

نہیں نہیں ...... یہ گامو کا گھر نہیں ہو سکتا ...... وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ ایک عورت ملازمہ اس کے پاس آئی۔

مائی ...... تم نے کس سے ملنا ہے۔ اس عورت نے کہا۔

مجھے شازیہ بی بی سے ملنا ہے ...... وہ آ گئیں

شازیہ سامنے آتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

اماں دولاں تم ...... کیسے آ گئی ہو ...... ادھر آ جاؤ ...... شازیہ دولاں کا ہاتھ پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئی۔

مجھے گامو سے ملا دو ...... کچھ نہیں چاہئے ...... حسب عادت بلند آواز میں بولی۔

اماں دولاں آہستہ بول ...... یہاں نوکروں سے ہر بات پوشیدہ ہے۔ شازیہ دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

دھندے والے نوکر باہر ہوں گے۔ دولاں نے طنز کی۔ آواز میں وہی کرختگی تھی۔

بس چپ ہو جا ...... اتنے عرصے کے بعد تمہیں یہاں کی یاد کیسے آ گئی۔ شازیہ کا لہجہ تلخ تھا۔

یہاں کی یاد تو اب بھی نہ آتی ...... میں نے گولی مارنی ہے یہاں کو ...... میرا پتر کہاں ہے ...... وہ لینے آئی ہوں ...... وہ طیش میں کھڑی ہوگئی۔

جیرا کھو گیا ہے۔ شازیہ پر سکون سی بولی۔

کھو نہیں گیا ...... گامو کے پاس ہے ...... نکال دے اس کو ...... ورنہ شور مچا کر ساری بستی اکٹھی کرلوں گی ...... دولاں چلا کر بولی۔

میں نے کہا نا آہستہ بول ...... پھر گامو تو گھر پر نہیں ہے۔ شازیہ نے کہا۔

اس کا تو کاروبار بہت پھیل گیا ہے ...... وہ کب ہوتا ہے گھر پر۔ دولاں کے چہرے پر قاتل مسکراہٹ دیکھ کر شازیہ کا دماغ ہل گیا۔

آ جائے گا ...... بس دو بجنے والے ہیں ...... آنے ہی والا ہے ...... تم بیٹھو نا ...... شازیہ نے دیکھا وہ کھڑی ہوگئی تھی۔

میں اس سے اپنا بچہ لے کر جاؤں گی ...... گامو کی دہلیز نہ چھوڑوں گی۔ وہ جیسے غرائی ......

لو ...... وہ گامو آ گیا ...... شازیہ نے موٹر سائیکل کی آواز سے پہچان لیا۔ ایک دم باہر نکلی ...... دولاں آئی ہوئی ہے۔

کیا ...... اس کا ماتھا ٹھنکا ...... وہ سراسیمگی کے عالم میں موٹر سائیکل سے اترتے ہوئے بولا۔

اندر بیٹھی ہے۔ شازیہ بولی

ڈرائینگ روم میں لے آؤ ...... کرتے ہیں بات ...... وہ ڈرائینگ روم کی طرف چل دیا۔

گامو ...... میں آ گئی ہوں ...... میرا نذیر واپس کر دے۔ وہ اندر جاتے بولی۔

جیرا ...... یہاں تو نہیں آیا۔ گامو نے شازیہ کو آنکھ سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔

یہاں آیا نہیں وہ۔ لایا گیا ہے ...... وہ اونچی آواز میں بولی۔

تو کیسے جانتی ہے کہ وہ لایا گیا ہے۔ وہ بچہ تھا ...... گامو صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

مجھے معلوم ہے ...... تیرے بندے اس کو اٹھا لائے ہیں ...... اس دن بھی میں نے جیدی کو دیکھا تھا۔ وہ دماغ پر زور دے کر بولی۔

جیدی تو تو کہیں بھی دیکھ سکتی ہے ...... وہ چلتا پھرتا انسان کا بچہ ہے۔ گامو ہنس دیا۔

زیادہ باتیں نہ بنا ...... میں تجھے اچھی طرح سے جانتی ہوں ...... میرا جیرا واپس کر دے ...... میرے بڑھاپے کا وہی ایک سہارا ہے ...... گامو میری لاٹھی کو مجھ سے مت چھین ...... وہ منت بھرے انداز میں اصرار کرنے لگی ......

میں سچ کہہ رہا ہوں ماسی دولاں ...... وہ میرے پاس نہیں آیا۔ وہ سیدھے سادے لہجے میں بولا ...... دولاں کے اصرار پر وہ خود بھی کانپ گیا تھا۔

تیرے سوا کہیں نہیں جا سکتا۔ ماسی دولاں نے بے نوری آنکھیں اٹھائیں۔

اسے صرف تیرا پتہ ہے ...... میرا کلیجہ پھڑک رہا ہے ...... وہ تیرے ہی پاس ہے۔ دولاں قالین پر بیٹھ کر سسک سسک کر رونے لگی۔

جیدی اوئے ...... ماسی کو سڑک تک چھوڑ آ ...... گامو نے سامنے جاتے جیدی کو آواز دی۔

پہلے میرا پتر میرے حوالے کر ...... تو جانتا ہے میں کیسی ہوں ...... میری نو نے ایک بار پولیس میں خبر کر دی تو دھرا جائیگا ...... پتہ ہے وہ کتنی بڑی افسر ہے ......

پتہ ہے پتہ ہے ...... جیدی یار ...... ماسی کو لے جا ...... یہ لے رکشہ لے لینا ...... ادھر ادھر قبرستان دیکھ لینا ...... کہیں گرا پڑا نہ ہو ...... گامو نے پچاس کا نوٹ جیدی کی طرف بڑھا کر ایک آنکھ سے مخصوص اشارہ کیا۔

جیدی آگے بڑھ گیا۔

چل رہنے دے ...... مالک کی بڑی مہربانی ہے ...... یہ دیکھ پیسے ...... بڑے ہیں۔ جب نہیں تھے ...... پھر بھی تجھ جیسوں سے مانگ کے نہیں کھایا ...... وہ اپنی جیب کو گامو کے آگے کرتے دکھاتے بولی۔

گامو کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

لیکن وہ الفاظ کے نشتر گامو کی شہ رگ پر چلاتی جیدی کے ساتھ باہر نکل گئی اور گامو کو سوچوں

ے حوالے کر گئی......

کاکے کے ابا......شازیہ نے پردے کی اوٹ سے پکارا......

آ جا......کوئی نہیں ہے......گامو فکر مند سا بولا۔

اب ماسی دولاں وہ نہیں رہی۔ شازیہ نے آتے ہی کہا۔

میں کونسا وہ رہا ہوں......دیکھ نہیں رہی ٹھاٹ باٹھ......وہ جھنجلا کر دونوں بازو پھیلا کر بو

میری بات سمجھو......شازیہ نے کہا۔

سمجھ رہا ہوں......تو کیا کہہ رہی ہے۔ گامو نے اس کی طرف دیکھا۔

کیا ہے بھلا......شازیہ ہنس دی۔

تیرا یہی مطلب ہے کہ جیرے کو چھوڑ کر بھول جاؤں......گامو کی آنکھوں میں ہوس زرسا بن کر ناچنے لگا۔

ہاں......شازیہ ڈر سی گئی......

ابھی میرا حساب برابر نہیں ہوا......گامو کی آنکھوں میں وہ ہی بار پھر گھوم گیا۔

تم جاؤ......جیدی آ رہا ہے۔ گامو نے پلٹ کر شازیہ سے کہا۔

اور شازیہ پردا اٹھا کر باہر نکل گئی۔

مل گیا خبیث......گامو نے جوش سے کہا۔

مل گیا استاد...... پرانی قبر میں مردوں کی طرح پڑا تھا......چیونٹیوں کی ایک فوج اوپر چڑھی ہوئی تھی۔

پھر اٹھا کے نہیں......گامو ایک دم سے بولا......

وہ ہل بھی نہیں سکتا تھا......میں نے اور رکشے والے نے کھینچ کے اسے باہر نکالا۔ ماسی دولا تو وہیں چیخ و پکار کرنے لگی......اور سب کو گالیاں دینے لگی۔ ہاتھ جوڑ کر خاموش کروایا... ورنہ گرد گرد کے لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ جیدی خاصے تشویش بھرے انداز سے بول رہا تھا۔

اچھا کیا......اب وہ ادھر کا راستہ نہیں بھولتا۔ گامو خوش ہو گیا۔

رکشے والا مجھے بری نظروں سے گھور رہا تھا استاد......جیدی کو رکشے والا یاد آ گیا۔

تمہارا شناسا ہو گا۔ گامو لاپرواہی سے بولا۔

نہیں استاد......میری اس سے کوئی شناسائی نہیں ہے۔ جیدی نے بالوں کو درست کیا۔

پہچاننے کی کوشش کرتا ہو گا۔ گامو بولا۔

نہیں استاد......وہ مشکوک آدمی ہے......جیدی اپنے اندازے کے مطابق بولا۔

بس اس پر نظر رکھو......ڈیرے پر چلو......گامو اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

جا رہا ہوں استاد......جیدی باہر نکل گیا۔

☆

دروازے پر زور دار دستک ہوئی......خان بابا اور رکشے والے نے نذیر کو اٹھا کر زلیخا کے حوالے کیا۔

بیٹا کرایہ لے لو......دولاں کرایہ نکال کر بولی۔

اماں جی......یہ لڑکا جس کا نام آپ جیدی لے رہی تھیں......کسی گروہ کا سرغنہ لگ رہا تھا۔

یعنی کہ سردار......بڑا......رکشے والے کے سامنے جیدی کی تصویر گھوم گئی۔

نہیں بیٹا......سرغنہ نہیں......نوکر تھا اس کا......چمچہ......دولاں نے زور سے کہا اور سرغنہ کا مطلب جان گئی۔

آپ پولیس میں رپورٹ کریں۔ انسانی زندگیاں تباہ کر رہے ہیں یہ لوگ۔ وہ دانت پیس کر بولا۔

ابھی تو میں نے انتقام لینا ہے بیٹا......دیکھنا......اس کی زندگی میں کیسے تباہ کرتی ہوں......(کب سے تیرے ظلم سہہ رہی ہوں گامو) وہ کھو سی گئی۔

دولاں کی بوڑھی بے نور آنکھیں سفید سی ہو گئیں......اندر جیسے چنگاریاں سی پھوٹنے لگیں......وہ تڑپ سی اٹھی......وہ اس وقت چونکی جب رکشے والا رکشہ لے جا چکا تھا۔

وہ دروازہ بند کرتی اندر آ گئی......

اماں......نذیر تو گم سم سا ہے......بولتا ہی نہیں ہے......وہ پریشان حال اٹھ کر دولاں کے پاس آئی۔

بی بی صاحب......میری بات مانو تو ہسپتال داخل کروا دو۔ خان بابا نے مشورہ دیا۔

اس کا بھی علاج ہے۔ دولاں بولی۔

اس کا علاج ہے......اچھا......وہ ایک دم دوسرے کمرے میں فون کی طرف بڑھی......ریسور کان کو لگایا۔

نثار صاحب......خیریت......نذیر مل گیا۔ نثار چونک کر بولا۔

مل گیا مگر بے ہوش ہے......اماں تو اسے قبرستان سے......وہ جلدی میں سب کچھ بتانے لگی۔

گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے......میں ہسپتال کی گاڑی لے کر آتا ہوں۔ نذیر کو ابھی داخل کروا دیجئے......ورنہ بہت نقصان ہو جائے گا۔

ThankYou......زلیخا نے ریسور رکھ دیا۔

پھر نذیر کو انسداد منشیات کے بڑے ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا......زلیخا کی یہی کوشش تھی کہ جتنا بھی پیسہ لگ جائے نذیر کی جان بچ جائے......لیکن ابھی تک کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی......ڈاکٹرز کے مطابق اس کا معدہ مسلسل زیادتی ہیروئن سے ڈیمج ہو چکا ہے وہ پریشان سی رہنے لگی تھی......اس کا ساتھی نثار کولیگ آفس اور ہسپتال میں اس کا بہت ساتھ دے رہا تھا......وہ ایک سچا مخلص انسان تھا۔

وہ کرسی پر بیٹھی خاموش فائلوں میں الجھی ہوئی تھی۔

بی بی......بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔ نائب قاصد رحیم نے آ کر کہا۔

کوئی خطا ہوگئی گیا۔ زلیخا نے سامنے نثار کی طرف دیکھا۔

آپ جائیں تو سہی......ہو سکتا ہے کوئی اور کام ہو۔ نثار نے کہا۔

وہ اٹھ کر چل دی۔

آیئے آیئے......مس زلیخا......بختاور صاحب نے آتے ہی خوش اخلاقی سے کہا۔

اسلام علیکم......وہ قریب آ گئی۔

وعلیکم اسلام......تشریف رکھئے۔

Thank You......وہ سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

آپ پریشان ہیں۔ بختاور صاحب نے زلیخا کا اداس چہرا دیکھ کر اندازہ لگایا۔

No Sir......

نہیں......آپ ٹین شین میں ہیں......ہمارے ساتھ shair کیجئے......کمپنی پر آپ کے بہت احسانات ہیں......آپ نے کمپنی کے لئے بہت کچھ کیا ہے......بختاور صاحب خوش نظر آ رہے تھے۔

سر......یہ میرا فرض تھا......اور فرض کی ادائیگی میں کمپنی کا حق بنتا ہے سر......وہ مسکرا دی۔

کمپنی ہر اس شخص سے خوش ہے جو ایمانداری اور جانفشانی سے کام کرتے ہیں۔ وہ ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا کر بولے

لیجئے......

یہ کیا ہے سر......وہ لفافہ پکڑ کر بولی۔

اس میں کچھ رقم ہے جو ہسپتال میں آپ کے شوہر کی بیماری میں کام آئیگی......اس کے علاوہ آپ کی ضروریات کا خیال رکھنا کمپنی کا فرض بنتا ہے......وہ کھلے دل سے مسکرا دیئے۔

یہ تو بہت زیادہ ہیں......وہ لفافے میں نوٹوں کو دیکھ کر بولی۔

زیادہ نہیں ہیں......وہ دراز سے کچھ کاغذات نکال کر بولے......

یہ آپ کی چھٹی......آپ ایک ماہ کی رخصت بھر دیجئے......تاکہ نذیر صاحب کی تیمارداری اچھی طرح ہو سکے......

Thank you Sir......وہ بار بار شکریہ ادا کرتے کھڑی ہوگئی۔

Ok......وہ پرمسرت انداز میں بولے......

☆

تین ماہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد ڈاکٹر نذیر کی صحت بحال کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بے شک وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا...... ڈاکٹر حضرات بولے۔ کہ اگر اس نے اب ایسی دوبارہ حرکت کی زندگی ممکن نہیں......اب نذیر صاحب مکمل صحت یاب ہیں......آپ انہیں گھر لے جا سکتی ہیں

زلیخا......میں ٹھیک ہوں......اب مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ نذیر نے زلیخا کا ہاتھ تھام لیا۔

ڈاکٹر نذیر کی بے کلی دیکھ کر باہر نکل گیا۔

ابھی اماں دواں آنے کے لئے تیار ہو رہی تھی کہ گاڑی باہر کھڑی ہوئی......وہ ایک دم تڑپ اٹھی......

بائے میں صدقے جاؤں......واری جاؤں......میرا بیٹا آ گیا......وہ بیتاب ہو کر نذیر سے لپٹ گئی......

دلہن اب نذیر ٹھیک ہے نا......

ہاں اماں......نذیر اب بالکل ٹھیک ہے......زلیخا نے کہا۔

بڑی خوشی کے ساتھ اس نے گھر میں قدم رکھا......اماں نذیر کے بغیر یہ گھر کتنا ویران نظر آتا تھا۔ وہ نذیر کو پلنگ پر بیٹھاتے اس کے پیچھے گاؤ تکیہ رکھتے بولی۔

دواں دوسری طرف دیکھ کر مسکرائی اور بیٹے کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

یہ گھر تو زلیخا کے دم سے آباد ہے اماں......میں تو بس یوں ہی ہوں......وہ محبت سے بھرپور نظر زلیخا کے چہرے پر ڈال کر بولا۔

تم میرے سائباں ہو نذیر......سایہ ہو میرا......اس گھر کی آبادی بھی تمہاری وجہ سے ہے......تمہارے بنا صرف خالی دیواریں ہیں۔ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی......ساری محبت سمٹ کر زلیخا کی آنکھوں میں آ گئی۔

تو تو پاگل ہے......میں کونسا تمہیں کما کر لا کر دیتا ہوں......وہ ہنس دیا

مجھے تیری کمائی نہیں......تیری زندگی کی ضرورت ہے۔ وہ نذیر کی قمیض کو جھاڑتے ہوئے بولی۔

تو ہے تو میری زندگی ہے......وہ نگاہیں اٹھا کر بولا۔

پھر آئندہ ایسی بات مت کرنا......تمہیں معلوم ہے جب ہماری شادی ہوئی تھی میری تنخواہ کتنی تھی۔

ہاں......تم کہا کرتی تھیں کہ پانچ ہزار ہے......وہ ذہن پر زور دیتے بولا۔

اور اب......وہ بڑی محبت سے ہنس دی۔

نہیں معلوم......وہ بھی زلیخا کے شانے پر ہاتھ رکھے ہنس دیا۔

اب دس ہزار کے قریب لے رہی ہوں......یہ سب تمہاری قسمت کا ہی تو ہے۔

کیوں اماں......ٹھیک ہے نا......وہ خاموش بیٹھی بہو بیٹے کی من موہنی باتیں سنتی رہی۔

ہاں بیٹی......یہ سب مقدروں کا ہے......میں اس قابل کہاں تھی۔ اللہ نے تیرے جیسی بہو دے کر میرے جیون میں جتنے کانٹے تھے سب نکال دیئے۔ کتنی راہوں کی خاک چھانی تھی میں نے......وہ ماضی کو یاد کرنے لگی۔

اماں......کہا نا پچھلی باتیں مت یاد کیا کر......قدرت کا انمول تحفہ جان کر اس کی قدر کر......یہ ہیرا ہے ہیرا......نذیر نے جھک کر زلیخا کے ہاتھ چوم لئے۔

نذیر......اماں کا خیال کرو وہ حجاب سے جھنپ سی گئی۔

بیٹا......میں تو ان راہوں کو چوم لوں جن پر تو پیر رکھے......تو نے ہمیں کیا سے کیا بنا دیا۔

دواں نے دونوں ہاتھوں سے زلیخا کو پیار دیا۔

سب خدا کا کرم ہے......کسی بندے کا کوئی عمل دخل نہیں......وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

بیٹھو......کہاں جا رہی ہو۔ وہ ایک دم چونکا جیسے کائنات سرک اٹھی ہو۔

ارے ہاں یاد آیا......زلیخا بیٹی......نثار میاں کھانا دے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ نذیر کا کھانا بھی ہے۔

دیکھتی ہوں......وہ کچن میں داخل ہوئی......بڑے بڑے دو ٹفن دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اماں نثار صاحب تو بہت کچھ لے آئے ہیں۔

دو مرغ پلاؤ......گوشت......دلیہ روٹیاں دیکھ کر بولی۔

اللہ خوش رکھے نثار کو......اس نے بڑا خیال رکھا ہے ہمارا۔ دولاں نے کہا۔

اماں......نذیر نے کہا۔

کیا بات ہے میرے بچے......دولاں نذیر کا بازو دباتے ہوئے بولی۔

دفتر کے سارے بندے اچھے ہیں......زلیخا جو اچھی ہے ان سے۔ نذیر نے ٹرالی م
پچھے رکھے آتی زلیخا کو دیکھا۔

اماں...... ہاتھ دھولو......نذیر تم بھی دھولو......کہ یہاں دھلا دوں۔ وہ نذیر کی ن
مدنظر رکھتے ہوئے بولی۔

ارے نہیں......ٹھیک ہوں......چل تو سکتا ہوں......وہ دولاں کا اور زلیخا کا سہارا
بیسن تک چلا گیا۔

اماں......نذیر کتنا کمزور ہو گیا ہے......ٹھیک تو ہو جائے گا۔ وہ پلیٹ میں دلیہ ڈالتے
بولی۔

بیٹی کھائے پیئے گا تو ٹھیک ہو جائے گا......یہ ساری کمزوری نہ کھانے کی ہے......کچھ
گیا اس کے پیٹ میں......ماسی دولاں نے روٹی پلیٹ میں رکھی۔

اماں......یہ دلیہ میرے لئے ہے۔ نذیر کے ماتھے پر ناگوار سے شکن ابھر آئے۔

ہاں......میرے بچے......تمہیں ابھی بھاری چیز ٹھیک نہیں ہے۔ دولاں نے پانی کا گھ
حلق سے اتار کر کہا۔

میں نہیں کھاؤں گا......بری لگتی ہیں یہ میٹھی چیزیں......وہ تولیہ پھینک کر بیٹھ گیا۔

زلیخا اس کی بچوں جیسی حرکت سے مسکرا دی۔

چلو......نہ کھاؤ......چاول کھالو......مرغ پلاؤ ہے......دہی ساتھ لے لینا۔ وہ بڑے
سے بولی۔

ہاں......وہ مسرت بھرے انداز میں رضامند ہو گیا۔

اللہ تیرا شکر ہے......کچھ تو پسند آیا۔ دولاں نے خوش ہو کر کہا۔

اماں......نذیر بھی کیا کرے......چھ ماہ سے ایسی ہی چیزیں کھا رہا ہے۔ وہ چاول اور
ٹرے میں اس کے سامنے رکھتے بولی۔

اماں......نذیر نوالہ نگل کر بولا۔

تو نے کتنی اچھی لڑکی میرے لئے تلاش کی۔ اتنی اچھی تو شازیہ بھی نہیں ہے۔ وہ بڑی رغبت
سے کھاتے کھاتے بولا۔

تیرے مقدر اچھے ہیں بیٹا......زلیخا جیسی بہو تمہیں مل گئی......شازیہ کیا شے ہے۔ اماں نے
زلیخا کو دیکھا جو نذیر کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

نذیر......تم خود بہت اچھے ہو......میں تو حیران ہوں......تیری طبیعت میں حلاوت اور تحمل
کتنا ہے۔ زلیخا نے محبت پاش نظروں سے نذیر کی طرف دیکھا......جس کی اک نظر میں
ہزاروں افسانے پوشیدہ تھے۔

اماں کھانے کے بعد برتن سمیٹ کر لے گئی۔

کیا دیکھ رہے ہو......زلیخا نے کہا۔

کاش میں تمہارے ساتھ ہمیشہ زندہ رہوں۔ وہ بڑی امید سے ہنس دیا۔

کیوں نہیں......تم اب ہمیشہ زندہ رہو گے......اب تم بالکل ٹھیک ہو۔ زلیخا نے نذیر کے
ہاتھ سے پلیٹ لے لی۔

یہ کیا......چار نوالے......کچھ تو کھایا کرو......وہ پلیٹ کو دیکھ کر بولی۔

نہیں......تمہیں دیکھ کر اس قدر بھوک کا احساس نہیں رہتا۔ وہ لیٹ گیا۔

دو قدم کمرے میں ہی چل پھر لو......وہ جاتے جاتے بولی۔

تم کہاں چلی......نہ جاؤ میرے پاس سے۔

آ رہی ہوں......تمہارے لئے پیپسی لا رہی ہوں۔ وہ پلٹ کر بولی۔

بازار سے......وہ چونکا۔

ارے نہیں......میں نے کافی ساری منگوا کر رکھی ہیں فریج میں۔ کھانے کے بعد اچھی ہے
تمہارے لئے......وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

زلیخا......کاش میں تمہیں اپنے دل میں بھر سکتا......تم کتنا خیال رکھتی ہو میرا......حالانکہ دو
ٹکے کی آمدن نہیں میری......

اماں کیا کر رہی ہو......وہ بوتل نکال کر برتن دھوتے دیکھ کر بولی۔

فارغ تو ہوں......کوئی حرج نہیں میری بچی۔ وہ آخری برتن دھو کر رکھتے ہوئے بولی۔

باجرہ کو کس لئے رکھا ہے اماں......کام کاج کے لئے......زلیخا نے کہا۔

اچھا بیٹی ......تم نے تو سست بنا دیا ہے ...... سارا دن ویلے رہ کر نیند ہی میرا پیچھا نہیں چھ

وہ محبت سے زلیخا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

اماں ......تم بس نذیر کے لئے صحت یابی کی دعا کیا کرو ...... ماں کی دعا خدا جلد سنتا ہے

اپنا ہاتھ دولاں کے ہاتھ پر رکھ کر بولی۔

میری تو دعائیں تم دونوں کے لئے ہیں ......تم دونوں ہی میری آنکھوں کی روشنی ہو

ایک ساتھ نذیر کے پاس آ گئیں۔

زلیخا نے بوتل کھول کر نذیر کو تھمائی۔

اچھا اماں ......ایک بات کہنے والی تھی ...... نذیر تم بھی سنو ......

کیا بات ...... نذیر نے ایک ٹھنڈا ٹھنڈا فرحت بخش گھونٹ حلق سے اتارا، اور ہزار احسان مند نگاہیں زلیخا پر ڈالیں۔

ہاں بیٹی کہو ......دولاں نے دوپٹے سے اپنے ہاتھ اور چہرا صاف کرتے کہا۔

اماں نذیر کی صحت یابی پر سٹاف پارٹی مانگ رہا ہے۔ وہ مسکرا کر نذیر کی طرف دیکھ کر بولی

نہیں زلیخا ...... پہلے ہی بہت خرچ ہو چکا ہے۔ نذیر نے کہا۔

اس خرچ کو چھوڑو نذیر ......خدا نے تمہیں اتنی بڑی بیماری سے نجات دلائی ہے۔ اس خوشی وہ لوگ پارٹی مانگ رہے ہیں تو اس میں برائی کیا ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا ...... زلیخا نے دولاں سے پوچھا۔

نذیر بھی ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹی ...... ہزاروں تو بیماری پر اٹھ گئے ہیں۔ اس پر گھر کا بھی خ ......اب نوکرانی کو تنخواہ بھی دینی ہے ...... دولاں فکر مندسی نظر آنے لگی۔

او ہو ...... اماں جو نذیر کے لئے خرچ ہوئی ہے ...... اس کا تو رتی بھر غم نہیں ...... اور یہ خرچ ...... یہ تو کرنا ہی ہے۔ وہ ایک ہی سانس میں دولاں کی مشکل حل کرتے بولی۔

اچھا بیٹی ......تم دونوں جس طرح چاہو ...... کر لو ...... اماں لیٹ گئی ......

نذیر ...... نذیر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا ...... زلیخا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

فرمائیے جناب۔

وہ اٹھ بیٹھا ...... اس کے چہرے پر تبسم پھیل چکا تھا ...... اور اپنی تمام تر توجہ جیسے زلیخا وقف کر چکا ہو۔

تمہاری صحت یابی کی خوشی میں سٹاف کو پارٹی دینی چاہئے نا ...... وہ نذیر سے اقرار کروانا چاہتی تھی۔

مالک ہو سرکار ...... یہ غلام کیا بولے ...... ایسا ہونا چاہئے ...... نذیر نے سر خم کر دیا ......

اور زلیخا نے ہنس کر نذیر کے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

زلیخا ...... وہ بڑی چاہت سے اپنا ہاتھ زلیخا کے ہاتھوں میں رکھتے بولا۔

تم مجھے اتنی اہمیت دیتی ہو۔ نذیر کی آنکھوں کے دیئے اور روشن ہو گئے۔

تمہارے بغیر تو اس گھر کا پتہ بھی نہیں ہل سکتا ......

وہ اماں کے ساتھ ہی لیٹ گئی ...... اور نذیر اپنے پلنگ پر بیٹھا اپنے آپ کو یوں محسوس کرنے لگا کہ زلیخا جیسے کوئی جنت سے اتری ہوئی حور ہو ...... جو جنت سے دنیا کی سیر کروانے اس کو لے آئی ہے ...... وہ عادات و اطوار کے حساب سے اس دنیا کی تو لگتی ہی نہیں تھی ...... ایسے شوہر کی فرمانبرداری کر رہی تھی جو اس کے لئے صرف ایک عذاب تھا ...... جو اس کے لئے ایک پائی بھی کما کر نہیں لا سکتا تھا ...... اور نہ ہی زلیخا نے کبھی اسے جتلایا تھا کہ وہ کام نہیں کرتا ...... اگر وہ کہتا تو صرف اس بات پر اکتفا کرتی۔

نذیر ...... تمہارا سایہ مجھ پر سلامت رہے ...... میں جو کما رہی ہوں ...... یہ ہم تینوں کے لئے بہت ہے ...... مجھے صرف تمہاری زندگی، تمہاری صحت کی ضرورت ہے۔ تمہارے روپے پیسے کی نہیں ......

زلیخا ...... دنیا کیا کہے گی۔ وہ کہتا۔

دنیا جائے بھاڑ میں ...... جو دنیا کی پرواہ کرتے ہیں یہ دنیا ان کو نگل جاتی ہے اور جو نہیں کرتے ...... دنیا خود ہی شرمندہ ہو کر لوٹ جاتی ہے۔ جب سے شادی ہوئی تھی ...... اس وقت سے اب تک کوئی لمحہ ایسا نہ تھا جو زلیخا نے کبھی اس کی دل آزاری کی ہو۔

وہ اس کی خاطر میکے جانا بھی چھوڑ چکی تھی۔

زلیخا ...... اسی سوچ کے تحت اس نے زلیخا کی طرف کروٹ لی۔

ہوں ...... کہو ...... زلیخا نے اس کی طرف منہ کر لیا۔

آج اتوار ہے ...... امی اباں کے ہاں ہو آئیں ...... میرا خیال ہے کئی ماہ ہو چکے ہیں وہ بولا۔

پھر کیا ہے ...... وہ سب لوگ آ جاتے ہیں ...... جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

پھر بھی تمہیں ہو آنا چاہئے۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔ وہ اصرار کے ساتھ بولا۔

تم اچھی طرح صحت یاب ہو جاؤ...... جب چل پھر سکو گے تو چند دنوں کے لئے ہو آئیں گے۔ زلیخا اس کے ہڈیوں زدہ جسم کو دیکھ کر بولی......جس پر گوشت کا نام نہیں تھا۔

یہ بدن ٹھیک ہو جائے گا......کمزوری دور ہو جائے گی......وہ اپنی سوکھی کلائیاں دیکھ کر بولا۔

سب ٹھیک ہو جائے گا......تم ناامید کیوں ہوتے ہو......دولاں گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔

اماں دیکھو سمندر کی آگ بجھا رہی ہے۔ نذیر ایک دم ہنس دیا۔

پلٹ کر زلیخا نے بھی دیکھا اور ہنس دی

دوسرے دن آفس میں داخل ہوتے سب نے زلیخا کو بھرپور مسرت کے ساتھ مبارک باد پیش کی۔

بہت...... بہت شکریہ......آپ سب نے میرا خیال رکھا......اس خلوص اور محبت کے لئے دل سے شکریہ......میرے پاس وہ الفاظ نہیں جو آپ کی مہربانیوں کی تلافی کر سکیں۔ وہ سر جھکا کر بڑے مودب انداز میں گویا ہوئی۔

مس زلیخا...... یہ ہمارا فرض تھا......ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونا عین عبادت ہے۔ مسٹر رشید نے کہا۔

بہت مہربانی......وہ مسکرائی۔

چند لمحے ماحول خوشگوار حد تک پر سکوت رہا......

نثار صاحب......سٹاف کو میرا پیغام پہنچا دیجئے گا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

کہئے، کہئے نثار صاب......مس زلیخا نے کیا کہا۔ سب ایک ساتھ بولے۔

آپ سب کو شہر کے بڑے ہوٹل میں شاندار دعوت......نثار صاحب نے کہا۔

شاندار دعوت......ایک دو نے کہا۔

جی ہاں......ہوٹل کا انتخاب کر لیجئے......جس میں آپ پسند فرمائیں نثار صاحب نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

نثار صاحب! مس زلیخا بلا رہی ہیں۔ ملازم نے کہا۔

آ رہا ہوں......نثار صاحب نے بکھری ہوئی فائلیں سمیٹ کر کہا۔

ہاں! نثار صاحب جائیے......جلدی کیجئے۔ رشید اٹھ کر بولے

جا رہا ہوں بھئی...... جا رہا ہوں۔ وہ سیدھے زلیخا کے کمرے میں داخل ہوئے۔

آیئے......تشریف رکھئے......وہ اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

Thank You......

نثار صاحب...... میں سٹاف کو بہت اچھی ٹریٹ دینا چاہتی ہوں۔ خوشی زلیخا کے اندر سے پھوٹ رہی تھی۔

اچھی ٹریٹ کیا ہو سکتی ہے......معلوم ہے......کتنا خرچ ہو جائے گا۔

خرچ کا آپ فکر نہ کیجئے......بس کوئی کمی نہیں رہنی چاہئے۔ وہ سفید لفافہ ان کی طرف بڑھا کر بولی۔

یہ کیا ہے......نثار صاحب نے لفافے کے وزن سے حیرت کا اظہار کیا۔

گن لیجئے......کم ہوں تو اور لے لیجئے......وہ فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

یہ تو بہت زیادہ ہیں مس زلیخا......آپ مطمئن رہیں......نثار صاحب نے لفافہ ہاتھ میں پکڑ کر گنا۔

بڑے صاحب کے بارے میں کیا خیال ہے۔ زلیخا نے کہا۔

میرا تو خیال ہے......صاحب اور بیگم کو کسی اور دن مدعو کر لیجئے۔

جیسے آپ کی مرضی......آپ نے بڑی مشکل آسان کر دی۔ زلیخا نے اطمینان طلب انداز میں کہا۔

مس زلیخا...... میں بھائی ہوں آپ کا...... مجھے اپنا ہمدرد، غمگسار سمجھئے۔ وہ جاتے جاتے بولے......دراصل وہ زلیخا کے منہ سے شکریہ کا لفظ نہیں سننا چاہتے تھے۔

ہوگئی بات پکی......رشید صاحب نے نثار صاحب کو سنجیدہ دیکھ کر کہا۔

ہوگئی......وہ فائل کھول کر بولے

کیا بات ہے......تم افسردہ کیوں لگ رہے ہو۔ رشید صاحب بولے......اور نثار صاحب کے قریب آ گئے۔

افسردہ نہیں...... میں اپنے معاشرے کے المیہ پر حیران ہوں۔ نثار صاحب نے کرسی سے ٹیک لگا لی۔

المیہ......کیا مطلب ہے تمہارا......

مطلب یہ کہ یہاں سہاگن کہلانے کے لئے عورت ہر عذاب کو گلے لگا لیتی ہے۔نثار صاحب واقعی بڑے دکھی لگ رہے تھے۔

تم مس زلیخا کی بات کر رہے ہو۔رشید صاحب نے قیافہ لگایا۔

اور کس کی کر رہا ہوں......رحم آتا ہے مجھے زلیخا پر......نثار صاحب کو بہت دکھ ہو رہا تھا۔

ہاں یار......نذیر نشے کا عادی تھا۔رشید نے کہا۔

ہاں......اس نشے کے عادی پر ہزاروں روپے علاج پر صرف کیا......اب اس کی صحت یابی پر فنکشن......ہنہ......نثار صاحب کو ناگوار گزرا......

تم بالکل درست کہتے ہو......مر جاتا......ہسپتال میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر۔رشید صاحب کو بھی نفرت کا احساس ہوا۔

زلیخا کی کمائی پر عیش کر رہا ہے۔نثار صاحب نے کہا۔

گھر میں پڑا رہتا ہے......کرتا کیا ہے فارغ......رشید صاحب بولے۔

کرنا کیا ہے......دلچسپی کے بہت سامان ہیں۔وی سی آر دیکھتا ہے۔دل گھبرا گیا تو آرام فرمایا۔ایسا تو سکون شہزادوں کو بھی نہیں ملا ہوگا۔نثار صاحب نے طنزاً ہنس کر کہا۔

اور مس زلیخا خوش ہے......رشید صاحب نے کہا۔

وہ خوش ہے......میرے اور میری بیوی کے گھریلو مراسم بھی ہیں......اس نے کبھی گلہ نہیں کیا......اس کے اندازے کے مطابق وہ سہاگ کی مالک تو ہے۔وہ سہاگن ہے......نثار صاحب پھر بولے اور سہاگن پر زور ڈالا۔

جب مس زلیخا خوش ہیں تو ہم بھی راضی......رشید صاحب ہنس دیئے۔

چند دن اور گزر گئے......

حسب منشاء لاہور کے بہت ہی اچھے ہوٹل شیزان میں دعوت کا اہتمام کیا گیا۔اس میں شرجیل، رحیمہ اور رقیہ بیگم اور کرامت علی کے تمام اہل خانہ مدعو کئے گئے......ایسی شاندار دعوت اہل خانہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔خاص طور پر یہ بات رحیمہ کے لئے بڑی قابل غور تھی کہ زلیخا آپا بھی ایسا اہتمام کر سکتی ہے......ایسی دعوتیں تو بڑے بڑے سیٹھ لوگ دیتے ہیں۔سٹاف بہت خوش ہوا......شام کے دھندلکے پھیلتے ہی سب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

دولہا نے بھی جی بھر کے کھایا......لیکن نذیر نہ کچھ کھا سکتا تھا اور نہ پی سکتا تھا۔صرف ایک جوس کے گلاس پر اکتفا کیا۔

شام ہوتے ہی سب اپنی اپنی گاڑیوں میں گھر لوٹ آئے۔

میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس نشئی کے لئے آپا اتنا اہتمام کرے گی۔رحیمہ نے رقیہ بیگم سے [illegible] انداز [illegible] کہا۔

وہ اس کا شوہر ہے۔شرجیل تھکے تھکے انداز میں برآمدے میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

ایسا شوہر......توبہ توبہ۔صوفے پر بیٹھتے رحیمہ نے حقارت سے کہا۔

اب ایسی بات نہ کرو رحیمہ بیٹی......اگر وہ اپنے ایسے شوہر کے ساتھ خوش ہے تو ہماری عزت ہے۔خدا اسے خوش ہی رکھے۔کرامت علی نے ایک دم کہا۔

اللہ کا لاکھ شکر ہے وہ ہماری عزت رکھ کر بیٹھی ہوئی ہے۔رقیہ بانو نے کہا۔

میرا ایسا شوہر ہوتا تو ناکوں چنے چبوا دیتی۔رحیمہ نے دانت کچکچا کر کہا۔

خدا کا شکر ہے تمہیں ایسا شوہر نہیں ملا......رقیہ بانو کی بات پر سب کھل کھلا کر ہنس دیئے۔

چلو......رحیمہ......اماں اکیلی ہیں گھر پر۔شرجیل ایکدم کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

حمیدہ کیوں نہیں گئی۔رقیہ بانو بھی کھڑی ہو گئیں۔

ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی......ورنہ ان کو چھوڑ کر نہ جاتے......رحیمہ نے ہنس کر سامنے آتی صائمہ کو دیکھا۔جوڑے میں چھوٹے چھوٹے قہوے کے کپ لا رہی تھی۔

بیٹھ جایئے......ایرانی قہوہ لائی ہوں......پتھر اینٹ سب ہضم......صائمہ نے بچوں کی طرح مخصوص اداکاری کی......

واہ......واہ......میری بچی......بہت اچھا کیا......بیٹھو شرجیل میاں۔کرامت علی نے دلچسپی سے ایک کپ اٹھایا۔

مزا آ گیا......اماں بڑا Tasty ہے۔ذائقہ دار، مزے دار ہے۔رحیمہ نے حلق سے گھونٹ اتارتے ہی کہا۔

ارے بھئی......ہماری زلیخا آپی نے کافی پیکٹ ابو کے ہاتھ بھیجے تھے۔صائمہ نے مسرت بھرے انداز میں کہا۔

اور ہیں......رحیمہ نے کہا۔

کیوں نہیں ...... لے جایئے آپ ...... بہت پڑے ہوئے ہیں ...... ختم ہو گیا تو آپ بے
منگوالیں گے۔ صائمہ کچن میں جاتے جاتے بولی۔

آفس سے لوگ باہر جاتے ہیں تو ایسی چیزیں سوغات جان کر لے آتے ہیں۔ کرامت
پیالی رکھ کر بولے۔

میری بچی نے اپنے گھر کو بڑا ٹھیک کر لیا ہے ...... خدا کرے نذیر بھی ٹھیک ہو جائے۔
رقیہ بانو نے آسمان کی طرف دیکھ کر ہاتھ اٹھائے۔

وہ اب ٹھیک ہے ...... بس کمزوری ہے ...... خدا بہتر کرے گا۔ کرامت علی نے کہا۔

یہ جسمانی کمزوری ہی اسے کچھ کھانے نہیں دیتی۔ رقیہ بانو بولیں۔

اچھا اماں! اجازت دیجئے ...... رحیمہ اور شرجیل باہر نکل گئے۔

زلیخا کے ابا ...... رقیہ بانو نے کرامت علی کو واپس آتے دیکھ کر کہا۔

کہو ...... صائمہ بیٹی ...... مجھے تو ایک کپ اور دے دو۔ وہ ایک دم بولے۔

لائی ابا ...... صائمہ باہر سے بولی۔

یہ نذیر ابھی تک ٹھیک کیوں نہیں ہو رہا۔ رقیہ بانو تشویش بھرے انداز میں بولیں۔

کچھ عرصہ لگے گا ...... ہیروئن نے معدے پر اثر کر دیا ہے ...... کرامت علی بولے

ٹھیک تو ہو جائے گا نا ...... رقیہ بانو کو ایک دم فکر دامن گیر ہوا۔

ارے بھئی ہو جائے گا ...... دراصل ہیروئن زیادہ مقدار میں اس کے معدے میں گئی
...... اب علاج تو ہو رہا ہے۔ کرامت علی افسردہ سے لگنے لگے۔

اے مولا! میری بیٹی کو خوش رکھنا ...... بڑے دکھ سہے ہیں اس نے ...... نذیر سلامت ر
رقیہ بیگم نے دعا کی ......

تم اپنے آپ کو پریشان نہ کرو ...... وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ کرامت علی اٹھتے ہوئے بولے
رقیہ بانو اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

☆

ننھی ننھی سرمئی بدلیاں آسمان کے سینے پر ایک دوسرے کے تعاقب میں بھاگ رہی تھیں۔
ٹھنڈی سرشار ہوائیں چل رہی تھیں ...... آسمان پر سفید بھورے بادلوں نے دھیرے دھیرے
کائنات کے ماحول کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ آفتاب بادلوں کی دبیز تہہ میں چھپ چکا تھا
...... برسات کے ایام کی نشانیاں رونما ہو چکی تھیں ......

زلیخا ...... نذیر نے دودھ کا گلاس اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

کیا بات ہے ...... زلیخا نے کہا۔

زلیخا نے آخری لقمہ حلق سے اتارا اور فوراً نذیر سے گلاس تھام لیا۔

یہ کیا ...... تم نے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا ...... وہ دودھ کو جوں کا توں دیکھ کر حیران ہوئی۔

جی نہیں چاہتا۔ وہ لیٹا ہوا بولا۔

اماں ...... زلیخا نے دولاں کو پکارا ......

آ گئی بیٹا ...... وہ سامنے کمرے سے بولی۔

دولاں ایک دم سے باہر آ گئی۔

کیا بات ہے دلہن ...... دولاں نے بڑے پیار سے قریب آ کر کہا۔

دیکھو اماں ...... نذیر نے اب دودھ بھی نہیں پیا۔ وہ پریشان انداز میں گلاس دکھاتے بولی۔

میری جان ...... کچھ کھاؤ پیو گے نا ...... تو طاقت آئیگی نا ...... دولاں نے نذیر کا ماتھ چوما۔

کسی چیز کو جی نہیں چاہتا ...... وہ ناگوار سا منہ بنا کر بولا۔

میرا خیال ہے تمہیں بخار ہے ...... اسی لئے منہ کا ذائقہ درست نہیں۔ زلیخا نے نذیر کی کلائی
پر سے نبض دیکھ کر کہا۔

ہاں ڈاکٹر صاحب بخار تو ہے ...... نذیر نے بڑے پیار سے ہنس کر زلیخا سے کہا۔

زلیخا اور اماں دولاں بھی ہنس دیں۔

شکر ہے تم ہنسے تو...... زلیخا نے کہا۔

اللہ تم دونوں کو خوش رکھے...... دولاں پاس بیٹھ گئی۔

زلیخا...... اس موسم میں باہر چلیں...... لیکن آج تو چھٹی نہیں ہے۔ وہ مایوس سا ہو گیا۔

تمہارا جی چاہتا ہے باہر جانے کو۔ زلیخا نے برتن سمیٹے۔

ہاں...... لیکن آج اتوار نہیں ہے۔ وہ مجبوری ظاہر کرنے لگا۔

بھاڑ میں جائے اتوار...... آفس سے چھٹی لے لوں گی...... ابھی اسی وقت آفس کی گاڑی منگواتی ہوں...... نثار صاحب کو فون کرنے کی دیر ہے۔ وہ فون کی طرف بڑھ گئی۔

نذیر تمہاری گاڑی آ رہی ہے...... اماں تم بھی تیار ہو جاؤ...... نذیر کے کپڑے میں نکالتی ہوں......

میں کیا کروں گی جا کر...... تم دونوں جاؤ...... دولاں نے کہا۔

نہیں اماں...... پہلے سیر کریں گے...... پھر شام کو ڈاکٹر سے نذیر کی تازہ رپورٹ بھی لینی ہے۔ وہ بولی۔

ہاں اماں...... تم بھی چلو...... گلشن پارک چلیں گے...... شالا مار باغ چلیں گے...... جہاں بھی زلیخا لے جائے...... وہ پھر مسکرا دیا۔

نذیر جہاں تم کہو گے وہیں چلیں گے...... وہ کپڑے کمرے میں رکھتے ہوئے بولی۔

باہر دستک ہوئی۔

میں کھولتی ہوں...... تم کپڑے تبدیل کرو۔ دولاں جاتے جاتے بولی۔

زلیخا نذیر کو سہارا دے کر کمرے میں لے گئی۔

اماں...... بی بی کہتی ہے بری پھیلا دی ہے...... باجی زلیخا کو کہو ہاتھ لگا دے...... سات سہاگنیں ہاتھ رکھیں گے...... عورت کہتے ہوئے واپس لوٹ گئی۔

کیوں نہیں...... خدا سہاگ سلامت رکھے میری زلیخا کا...... دلہن...... تیار ہو گئی ہو...... دولاں نے دروازے پر سے آواز دی۔

ہاں اماں! کیا بات ہے۔ وہ سفید ساڑھی اور سیاہ بلاؤز میں ملبوس باہر آئی......

ماشاء اللہ ماشاء اللہ...... میری بہو چاند کا ٹوٹا ہے...... وہ ساڑھی کو دیکھ کر بولی۔

اماں یہ نذیر کی پسند ہے......

اللہ نذیر کو تیرے سر پر سلامت رکھے...... وہ سامنے کوٹھی والے شاہ صاحب ہیں نا...... دولاں نے کہا۔

اماں آج تو تیل مہندی کی رسم ہے...... رات کو چلیں گے۔ ایک دم زلیخا کو یاد آیا۔

اسی طرح جاؤ...... بری پھیلا رکھی ہے ہاتھ لگا آؤ...... سات سہاگنوں نے ہاتھ لگانا ہے۔

بال بنا لوں پھر جاتی ہوں......

نذیر تم بھی کپڑے پہنو...... میں گئی اور آئی...... وہ چٹکی بجا کر بولی۔

ہاں! ہاں جاؤ...... جلدی آنا زلیخا...... اب تم بن رہا نہیں جاتا...... وہ سنجیدہ سا بولا۔

ابھی آئی...... وہ بھاگم بھاگ دروازے سے نکل کر شاہ صاحب کے گھر پہنچ گئی۔

آداب...... وہ صحن میں بیٹھے شاہ صاحب کو دیکھ کر بولی۔

جیتی رہو بیٹی...... شاہ صاحب نے زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

زلیخا بیٹی...... نذیر کیسا ہے۔ شاہ صاحب کی بیوی نے باہر آ کر کہا۔

شکر ہے خدا کا ٹھیک ہے آنٹی......

اچھا...... آ جاؤ اندر...... اندر ہی بری ہے۔

ماشاء اللہ...... بہت اچھی چیزیں بنوائیں آپ نے...... زلیخا زیور کا طلائی سیٹ دیکھ کر بولی۔

یہ سب امجد کی اپنی پسند ہے۔ بیگم شاہ پر مسرت انداز میں بولیں۔

اللہ مبارک کرے...... زلیخا نے تما جوڑوں اور دوسری چیزوں پر ہاتھ رکھا۔

دعا کرو زلیخا تم جیسی بہو آئے اس گھر میں۔ بیگم شاہ کو ہمیشہ سے زلیخا کے طور طریقے بہت پسند تھے۔

آپ اچھی ہیں تو بہو بھی بہت اچھی ہو گی...... آپ اطمینان رکھیں۔ زلیخا ان کے ساتھ باہر آ گئی۔

اب اجازت دیجئے...... زلیخا دروازے کی طرف دیکھ کر بولی۔

بیٹھو نا...... ناشتہ تو کرو...... وہ زلیخا کا بازو پکڑ کر بولیں۔

بہت شکریہ آنٹی...... ناشتہ تو میں کر آئی ہوں......

بیٹھو نا۔ وہ بولیں۔

نذیر کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔ جلدی میں ہوں۔ وہ ان کے ساتھ چلتے چلتے بولی۔

ابھی ٹھیک نہیں ہوا نذیر...... بیگم شاہ نے افسردہ سا چہرا بنایا۔

ٹھیک ہے...... میں نے سوچا...... پھر چیک اپ کروانے میں کیا حرج ہے۔ وہ دواز
کی کوئی بھی بیماری عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔

خدا بہتر کرے گا۔ وہ بولیں۔

خدا حافظ...... زلیخا نے کہا اور تیز رفتاری سے اپنے بنگلے کی طرف چل دی۔

ارے...... مہر خان...... گاڑی لے آئے۔ وہ ہنس دی۔

ہاں بی بی...... ابھی ابھی نثار صاحب نے حکم دیا...... اور ہم آ گئے۔ بہت شکریہ
...... وہ دروازے کے اندر داخل ہوئی۔

ہم خادم ہیں بی بی صاحب...... وہ اپنے رومال سے سیٹیں جھاڑنے لگا۔ دولاں اور
باہر نکل رہے تھے۔

گاڑی مخصوص راستوں سے ہوتی ہوئی گلشن پارک کی سڑک پر رواں دواں دوڑنے لگ

مہر خان...... کسی سٹور کے سامنے گاڑی روکنا...... وہ دولاں کے پاس بیٹھی تھی......
آگے مہر خان کے پاس۔

بہتر...... اور مہر خان نے بڑے سٹور کے سامنے گاڑی ایک چیخ کے ساتھ روک د
ٹوکری پکڑے نیچے اتری۔

بیٹی زیادہ چیزیں مت لینا۔ دولاں نے اندر سے ہی ہانک لگائی۔

چند لمحوں میں نہ جانے اس نے کیا کیا خرید لیا...... مہر خان جاؤ ٹوکری پکڑ لاؤ۔ نذیر
دم خیال آیا اور وہ ٹوکری بمشکل اٹھا رہی تھی۔

جا رہا ہوں صاحب...... مہر خان بھاگ کر ٹوکری پکڑ لایا۔

گاڑی رک گئی...... مہر خان کے آسرے سے نذیر نیچے اترا...... فضا اور بھی حسین نظر آ رہی

بہت اچھا موسم ہے...... نذیر نے زلیخا کو دیکھ کر کہا۔

یہ سب موسم تمہارے ساتھ اچھے لگتے ہیں...... زلیخا نے نذیر کا بازو تھام لیا۔

یہاں بیٹھ جائیں...... ایک اچھی جگہ دیکھ کر سب وہیں بیٹھ گئے......

بی بی صاحب میں ابھی آیا۔ مہر خان نے جاتے جاتے بولا۔

جلدی لوٹنا...... شالامار بھی چلنا ہے۔

ابھی...... بس ابھی آیا...... وہ تیز رفتاری سے چل دیا۔

ہو گئے...... زلیخا نے دیکھا نذیر گھاس کو دیکھ رہا ہے۔

تھوڑا سا لیٹوں گا۔ وہ لیٹتے ہوئے بولا۔

ٹھہرو بیٹا...... دولاں نے اپنی چادر اس کے سر کے نیچے رکھی۔

کچھ کھاؤ گے...... زلیخا نے ٹوکری میں سے چیزیں باہر رکھیں۔

یہ جوس پیو...... زلیخا نے جوس کا پیکٹ نذیر کو تھمایا۔

بہت اچھا ہے...... نذیر کو ذائقہ اچھا لگا۔

پسند آیا...... زلیخا خوش ہو گئی۔

بہت ہی اچھا ہے...... اماں تم بھی پیو...... نذیر نے ایک پیکٹ دولاں کو تھمایا۔

بیٹا تم پیو......

ہاں کافی ہیں...... جی بھر کے پیو...... زلیخا نے دولاں کے پیکٹ میں پائپ ڈال کر اس کو
تھمایا...... اور ایک خود لے لیا۔

جیتی رہو...... دولاں مزے لے لے کر جوس پینے لگی۔

ننھے ننھے بچے سامنے گیند سے کھیل رہے تھے...... زلیخا بڑی حسرت سے انہیں دیکھنے
......

زلیخا بچے کتنے پیارے ہوتے ہیں...... نذیر نے کہا۔

ہاں...... نذیر یہ پیپسی بھی ہے...... وہ نذیر کا خیال اس طرف سے ہٹانا چاہتی تھی۔

زلیخا...... نذیر کے ساتھ جا کر سیر کر آؤ بیٹی...... میں سامان کے پاس بیٹھتی ہوں۔ دولاں
نے کہا۔

چلیں نذیر چلیں...... وہ بولی۔

...... دونوں ایک دوسرے کے سہارے چلتے چلتے جھولوں کے پاس پہنچ گئے...... پھر
خوب سیر کی اور شام سے پہلے شالامار باغ سے ہوتے ہوئے ڈاکٹر کے پاس پہنچ گئے۔

تم نذیر کے پاس بیٹھو...... میں رپورٹس لے کے ابھی آئی۔
......

نذیر زیادہ تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا اس لئے لیٹ گیا...... دولاں اس کے پاس بیٹھ کر اس

کے بازو دبانے لگی۔

زلیخا کافی وسیع وعریض زینہ پار کر کے ڈاکٹر کے کمرے میں پہنچ گئی۔

آیئے آیئے مس زلیخا......نذیر کی رپورٹ کافی دن ہوئے آ چکی ہیں۔ کہتے ہوئے انداز سنجیدہ سا تھا۔

یہ لیجئے......ڈاکٹر نے کہا۔

زلیخا نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نذیر کی رپورٹس تسلی بخش نہیں ہیں۔

جی......زلیخا صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

نذیر کو معدے کا کینسر ہے......

کینسر......اس کی روح جیسے قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہو......اگر وہ کرسی پر نہ بیٹ فرش پر گر کر بری طرح سے زخمی ہو جاتی۔

مس زلیخا......پلیز اپنے آپ کو سنبھالئے......آپ تو مضبوط اعصاب کی مالک خا ......ڈاکٹر نے کہا۔

مجھے چند ماہ سے شک تھا......کیونکہ نذیر چند دن تو دو ایک نوالے چاولوں کے تھا......لیکن اب سوائے جوس یا بوتل کے کچھ نہیں کھاتا......وہ ہاتھوں پر چہرا رکھ کر ز سے رودی۔

دیکھیں اگر آپ نے اپنے آپ کو اس قدر پریشان کر لیا تو مریض بے موت مارا ......آپ کو ضبط سے کام لینا ہوگا۔

ڈاکٹر میں کیا کروں......کوئی صورت......وہ بے بس نظر آ رہی تھی۔

یہی صورت ہے کہ مریض کو پتہ نہیں چلنا چاہئے......وہ کہاوت ہے نا کہ انسان م نہیں ڈرتا اس کے خوف سے ڈرتا ہے۔

ڈاکٹر نے پین پکڑ کر کچھ سوچا

ڈاکٹر یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ آنچل سے چہرا صاف کرتے ہوئے زلیخا بولی۔

ہیروئن نے نذیر کے معدے کو بری طرح سے متاثر کیا ہے......ڈاکٹر نے کہا۔

کیا باہر اس کا علاج ہے۔ زلیخا نے کہا۔

خدا تو سب جگہ ایک ہی ہے......پھر نذیر کے علاج پر ادویات غیر ملکی استعمال ہوئی ہیں ہم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی......ڈاکٹر نے زلیخا کو یقین دلانا چاہتا۔

نہیں ڈاکٹر......میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا......میں چاہتی ہوں کہ میں اپنا گھربار بلکہ نوکری بھی داؤ پر لگا دوں تو نذیر کی جان بچ جائے۔ وہ حد درجہ دیگر آواز میں بولی۔

میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں......ڈاکٹر نے کہا۔

اب کیا ہوگا ڈاکٹر......یہ تو میں جان چکی ہوں کہ نذیر لحظہ بہ لحظہ موت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ بڑے حوصلے اور صبر سے کہہ گئی۔

نذیر صرف چند ماہ کا مہمان ہے......یہ چند میڈیسن لکھ رہا ہوں......کھانے کے بعد ہر پندرہ منٹ کے بعد دے دیجئے گا......درد میں افاقہ ہو جائے گا۔

Thank You......وہ کاغذ اٹھا کر رپورٹس لئے واپس آ گئی......

بیٹی کیا ہوا......دولاں نے زلیخا کا چہرا دیکھ کر کہا۔

کچھ نہیں اماں......سر میں درد ہے......

رپورٹس میں کیا ہے زلیخا......نذیر نے کاغذات کو پلٹتے ہوئے دیکھا۔

کچھ بھی نہیں......نذیر تم ٹھیک ہو......صرف کمزوری بہت ہے......زلیخا نے دل میں لاکھ شکر ادا کیا۔ نذیر ان پڑھ ہے......

ہاں بیٹا......کھانے کی کوشش کیا کرو......اللہ شفا دے گا۔ دولاں نے ٹوکری پکڑی اور کھڑی ہو گئی۔

آیئے بی بی صاحب......مہر خان نے آتے ہی کہا۔

مہر خان نذیر کو احتیاط سے لے جاؤ......میں اور اماں آ رہے ہیں۔ زلیخا نے رپورٹس کو لفافے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

زلیخا......تم میرے ساتھ آؤ......اتنی بھی دوری اچھی نہیں لگتی......وہ مہر خان کا بازو پکڑے زلیخا کی طرف پلٹ کر بولا۔

ہاں چلو......

راستے میں چند لمحے گاڑی رکوا کر نذیر کی دوائیاں لیں اور شام کے دھندلکے پھیلتے ہی یہ لوگ گھر پہنچ گئے۔

وہ ٹوٹی ہوئی ریزہ ریزہ......لمحوں کا حساب کرتی یوں ہی اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

اس نے زبردست کرب کی حالت میں کروٹ لی......وہ یوں محسوس کر رہی تھی کہ کڑی دھوپ میں صحرا میں کھڑی ہے......تیز آندھیاں ریت کے ٹیلوں سے ریت اُڑ اُڑ کر اس وجود کو دبائے جا رہی ہیں......اس نے ایک سسکی سی لی۔

زلیخا......کیا ہوا......تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ وہ دو پیکٹ جوس کے پکڑ کر اندر آیا۔

میں ٹھیک ہوں......آ جاؤ نذیر یہاں بیٹھ کے پیو......وہ نذیر کو اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے بولی۔

تم بھی پیو......لو......تمہارے لئے لے کر آیا ہوں۔

او Thank you نذیر......تم میرا کتنا خیال رکھتے ہو......وہ اس طرح نذیر کے ہاتھ جوس کا پیکٹ پکڑ کر بولی جیسے گراں قدر تحفہ ہو۔

اماں کو بھی دے کر آیا ہوں......وہ مسرت بھرے لہجے میں بولا۔

اچھا کیا......اماں پی رہی ہے......زلیخا نے کھڑکی میں سے دیکھا......دولاں بڑی رغبت سے پی رہی تھی۔

بڑے مزے کا ہے......مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ وہ خوش ہو کر بولا۔

جی بھر کے پیو......سب تمہارے لئے ہے......تاکہ تمہیں بھوک کا احساس نہ رہے......ویران نگاہیں لیکن بظاہر مسکرا کر بولی۔

زلیخا......نذیر نے خالی پیکٹ ٹوکری میں پھینک کر کہا۔

کہو......وہ نذیر کو بغور دیکھ کر بولی۔

تم نے نہ جانے کتنے روپے میرے لئے خرچ کر دیئے......وہ جیسے احسانوں کے بوجھ دبتا جا رہا تھا۔

تمہی تو میری کائنات ہو......تمہارے ساتھ ہی تو میرا جینا مرنا ہے......جیون کی ہر خوشی سے واسطہ ہے نذیر......خدا کرے تم ہمیشہ سلامت رہو۔ نذیر نے زلیخا کو محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ یہ روپے تمہارے ہیں......تمہارے بغیر کس کام کے۔ وہ محبت بھر نظر ڈال کر جوس کا دوسرا گھونٹ حلق سے اتار کر بولی۔

☆

زلیخا بیٹی......

جی ابا......وہ کرامت علی کے لئے چائے بناتے ایک دم چونک گئی۔

نذیر دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ کرامت علی کو بھی فکر لاحق ہوئی۔

ہاں ابا......علاج میں تو کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ وہ دھک سے رہ گئی (ڈاکٹر کے الفاظ اس کی روح جھنجھا گئے)

کہاں ہے......اس وقت نذیر......وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولے۔

میڈیسن دے دی تھی......اس وقت سے گہری نیند سو گیا ہے......شاید سکون کی گولی ہے۔ وہ اندر جاتے جھک کر نذیر کو دیکھنے لگی......وہم اور اندیشے اس کی روح کو چاٹ رہے تھے۔

گہری نیند میں ہے......وہ ٹھنڈا سانس لئے باہر آ گئی۔

جگانا مت......اسے سکون کی ضرورت ہے۔ وہ کپ کو ہونٹوں سے لگاتے بولے۔

وہ بھی خاموش چائے پیتی رہی......لیکن نذیر اس کے حواس پر مسلط تھا۔

آج بہن نظر نہیں آ رہی۔ وہ مسکرائے۔

اماں بازار گئی ہیں......کچھ چیزیں خریدنی تھیں......وہ بسکٹ کی پلیٹ کرامت علی کے سامنے رکھتے بولی۔

کرامت علی نے ایک بسکٹ اٹھایا اور کھانے لگے

اور لیجئے نا ابا......وہ بولی......

تمہیں معلوم تو ہے......میں میٹھے سے پرہیز ہی کرتا ہوں......وہ بسکٹ نگل کر چائے کو پینے لگے۔

ابا......نذیر کے بارے میں میں بہت پریشان ہوں......دیکھئے سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ کہتے ہوئے زلیخا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

پوسٹ کرو میری بچی......خدا شفا دے گا......وہ زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔
وہ پگھلی تو ہوئی تھی ...... باپ کی شفقت بھرے ہاتھ نے طوفان کا بند توڑ دیا۔ اور وہ سسک کر رو دی......اس کی سسکیاں فضا کا سینہ چیر رہی تھیں۔ وہ اس آنسوؤں کے طوفان نہ روک سکی۔

زلیخا......اندر سے نذیر کی آواز آئی۔

وہ جلدی جلدی چہرے کو صاف کئے اندر چلی گئی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

اٹھ گئے......وہ بولی۔

وہ گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا......میری آنکھ کھلے تو میرے سامنے ہوا کرو...... تمہارے بن نہیں رہنا چاہتا......

ابا آئے ہوئے ہیں......وہ اس کے پاس بیٹھ گئی لیکن دوسرے پلنگ پر وہ صرف اتنا ہی بولی۔

وہ صرف اتنا ہی بولی۔

تم رو رہی ہو......آؤ میرے پاس۔ وہ بازو تھام کر زلیخا کو پاس بٹھاتے بولا۔

ضبط کا چارا نہ تھا......وہ نذیر کے شانے پر چہرا رکھ کر پھوٹ کر رو دی......اس کے جسم خفیف جھٹکوں سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بہت رو رہی ہے۔

زلیخا......بھئی میں تو بالکل ٹھیک ہوں......دوائی کھا رہا ہوں نا......اچھا ہو جاؤں گا...... آنسو روک لو......ضائع مت کرو......وہ اپنے ہاتھ سے زلیخا کے الجھے بالوں کو درست کر لگا......وہ سسکتی رہی......لہولہو جگر سمیٹتی رہی......

زلیخا چپ ہو جاؤ......ابا کا جی بھی برا ہو گا......وہ دیکھو......اماں بھی آ گئی......دروازہ اور دولاں داخل ہوئی۔

زلیخا بٹی......حسب عادت اس نے پکارا......

آئی اماں......وہ جلدی جلدی چہرا صاف کرتے باہر آ گئی......

مجھے بھی لے جاؤ......شام کے وقت صحن کی فضا اچھی لگتی ہے۔ وہ ایک ہاتھ اٹھا کر بولا

ٹھیک ہے۔ زلیخا اس کو اپنے سہارے سے تھام کر باہر لے گئی۔

ابا سلام وعلیکم......نذیر نے جاتے ہی ادب سے کہا۔

جیتے رہو بچے......خدا عمر دراز کرے......وہ اٹھ کر نذیر کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے

بھائی صاحب آپ کیسے ہیں...... بڑے دنوں کے بعد آئے ہیں آپ......دولاں نے ٹوکری زلیخا کو پکڑائی......

اللہ کا شکر ہے......بس وقت نہیں ملتا......وہ معذرت خواہی کے انداز میں کہتے ہوئے بیٹھ گئے۔

زلیخا نے نذیر کو آرام کرسی پر بٹھا دیا تھا......اور خود اس کے پاس ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

زلیخا بٹی......کیا ہوا......نذیر نے کچھ کہا۔ دولاں بری طرح چونکی......زلیخا کی متورم آنکھوں کو دیکھ کر دولاں کو ایک دھچکا سا لگا۔

اماں......میں زلیخا کو کیا کہہ سکتا ہوں......بلکہ ڈرتا ہوں اس سے۔ وہ ہنس کر زلیخا کو دیکھ کر بولا۔

کوئی غم نہ کرو میری بچی......نذیر ٹھیک ہو جائے گا۔ کرامت علی زلیخا کو دلاسا دینے لگے۔

ہاں بھائی صاحب......نذیر کے لئے بہت پریشان رہتی ہے......میں تو خود اسے کہتی ہوں خدا سے دعا کرو......نذیر ٹھیک ہے۔ دولاں نے زلیخا کے چہرے کی طرف دیکھا۔

اماں یہ تو پاگل ہے......میں اتنی جلدی مرنے والا نہیں ہوں......نذیر نے ہنستے ہوئے زلیخا کو شریر انداز میں جھک کر دیکھا۔

اماں، زلیخا نے تکلیف سے تڑپ کر دولاں کو پکارا۔

نہ بیٹا! ایسی بات نہ کرو......تمہاری سانس کے ساتھ ہم ماں بیٹی کی سانس چل رہی ہے۔ میری تو دعا ہے تیرے دشمن بھی زندہ رہیں۔ دولاں کا دھیان ایک دم گامو کی طرف چل دیا (ایسے دشمن کو زندہ نہیں رہنا چاہئے) وہ کچھ سوچنے لگی۔

زلیخا! ابا کے لئے چائے اور بناؤ......نذیر نے کہا۔

نہیں بیٹا......بہت چائے پی لی ہے......اب جاؤں گا......وہ بولے......

ابا بیٹھئے نا......اس مرتبہ تو آپ بہت دیر کے بعد آئے ہیں......زلیخا نے کہا۔

نہیں بیٹا......بہت دیر ہو گئی ہے......زلیخا......لبن اور نذیر کو لے کر آ جانا کسی دن......

اچھا ابا......وقت ملا تو آؤں گی......زلیخا نے کہا۔

اور کرامت علی باہر نکل گئے۔

وہ تمام راستے پریشان رہے......نذیر کی حالت اچھی بھی نہیں تھی......وہ زلیخا کے لئے بہت افسردہ سے تھے......اسی طرح خاموش گھر میں داخل ہوئے......شام گہری ہو چلی تھی......وہ

چپ چاپ برآمدے میں کرسی پر بیٹھ گئے۔

کیا بات ہے زلیخا کے ابا...... پریشانی ہے کوئی......رقیہ بانو نے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں زلیخا کے لئے بہت پریشان ہوں......وہ سیدھے ہو کر بولے

کیا ہوا زلیخا کو......خیر تو ہے۔ وہ ایک دم گھبرا گئیں۔

ارے بھئی......نذیر ٹھیک نہیں نظر آتا......سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ وہ تشویش بھرے لہجے میں بولے

نذیر کی حالت تو ایسی ہی ہے...... مجھے تو خود بڑی فکر ہے۔ رقیہ بانو نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

معلوم نہیں اسے کیا بیماری ہے......کچھ سمجھ میں نہیں آتا......کرامت علی نے کہا۔

بیماری کیا......وہی ہیروئن بیٹھ گئی ہو گی انتڑیوں میں......رقیہ بانو نے نفرت سے ہاتھ جھٹکا۔

اب تک اُسے ٹھیک ہو جانا چاہئے تھا۔ کرامت علی بولے

ہزاروں روپیہ اس کے علاج پر...... پھر اس کی صحت یابی پر......لیکن میری بیٹی کو سکون نصیب نہیں ہوا۔ رقیہ بانو نے روہانسی سی آواز میں کہا۔ جیسے آنسو ضبط کر رہی ہوں۔

یوں لگتا ہے اسے ٹی بی ہے......کرامت علی نے قیاس آرائی کی......

یہ بات نہیں......میں نے تو کبھی کھانستے نہیں دیکھا......

پھر اسے کیا ہے......کونسا روگ ہے......جو اس معصوم کو کھا رہا ہے۔ رقیہ بانو بہت دل گرفتہ لگ رہی تھیں۔

میں نے تو آج زلیخا کو بہت روتا دیکھا ہے......یقین جانو......رقیہ بانو دل کانپ گیا......

اتنا پریشان تو وہ کبھی نہ تھی......وہ باہر کی طرف دیکھ کر بولے......

کھانا تیار ہو رہا ہے......دلہن میرا خیال ہے روٹیاں پکا رہی ہے۔

کھانے کی کوئی بات نہیں......بھوک ہی نہیں......وہ تخت پر لیٹ گئے۔

چائے بناؤں......رقیہ بانو کھڑے ہوتے بولیں۔

نہیں......بیٹھو......مشورہ کرنا ہے......وہ کہنے لگے۔

کہئے......رقیہ بانو آگے کی طرف جھک کر ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

میں نے کچھ رقم اوور ٹائم لگا کر جمع کی ہوئی ہے......کیونکہ ابھی صائمہ کا مسئلہ باقی ہے......

میں چاہتا ہوں اس میں سے تین ہزار روپے نذیر کے علاج کے لئے زلیخا کو دے دوں۔" دلگیری آہ کے ساتھ بولے۔

دینا تو چاہئے......ہم نے اس کی بالکل مدد نہیں کی۔ رقیہ بانو نے کہا۔

میرا خیال ہے...... میں رحیمہ کو بھی کہوں کہ وہ بھی بہن کی مدد کرے۔ کرامت علی سنجیدہ ہو گئے۔

کہنا تو چاہئے......ویسے......وہ چپ ہو گئیں۔

بات پوری کرو...... مجھے وحشت ہوتی ہے۔ وہ جھلا کر بولے

وہ لے گئی نہیں......تین ہزار شروع شروع راشن کے لئے لے کر گئی تھی......وعدے کے مطابق اس نے واپس کر دیئے تھے......پانچ سال پہلے کا واقعہ انہیں یاد آیا۔

بڑی غیرت مند ہے میری بچی......نہ جانے اتنا روپیہ کہاں سے پورا کیا ہو گا۔ کرامت علی نے دیکھا۔ شاہدہ آ رہی تھی۔

ابا......کھانا لگا دوں......وہ بولی۔

نہیں......میں نہیں کھاؤں گا......آپ سب لوگ کھاؤ۔ وہ بولے۔

ہاں بیٹی! لگاؤ کھانا......میں آ رہی ہوں......

اچھا اماں......شاہدہ کہتے ہوئے واپس چلی گئی۔

بڑی خاموشی کے ساتھ کھانا ختم ہوا۔ جمیل کھاتے ہی اپنے کمرے میں آ گیا......صائمہ نے برتن سمیٹ لئے......شاہدہ کے دل میں کھد بد کب سے ہو رہی تھی......

کچھ سنا آپ نے......شاہدہ نے آتے ہی جمیل سے کہا۔

کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ جمیل اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے بولا۔

میرے خیال میں تو وہ نئی ہی ہے۔ شاہدہ اپنے بستر پر بیٹھ کر لحاف لیتے بولی۔

کیا بات ہے......جمیل کی چھٹی حس بیدار ہو گئی ہے۔

ابا......زلیخا آپا کو بیس ہزار روپے دے رہے ہیں......شاہدہ سرگوشانہ انداز میں بولی۔

کس لئے......شاید نذیر کے مزید علاج کے لئے۔ جمیل نے مسکرا کر کہا۔

جی ہاں......لیکن یہ جو بیس ہزار ہیں یہاں کام نہیں آ سکتے۔ آپ نے ایک دن کہا تھا کہ ہمیں ایک کمرہ اوپر بنوا دیں......ابا نے صاف صاف جواب دے دیا۔

شاہدہ نے اپنی طرف سے جمیل کو بھڑکایا......جمیل سمجھ بوجھ رکھنے والا نوجوان تھا......بات کی تہہ میں پہنچ کر پتہ لگاتا جو خود کانوں سے سنتا تو یقین کرتا......سنی سنائی باتوں پر کم ہی توجہ دیتا

تھا۔ وہ خاموش رہا۔

شاہدہ نے اس کی طرف کروٹ لی۔

اب تک تو زلیخا نے ہم سے کوئی مدد طلب نہیں کی۔ جمیل نے کہا۔

یہ تو ابا کی مہربانی ہے کہ وہ بیس ہزار دے کر باپ ہونے کا حق ادا کریں گے۔ شاہدہ نے کہا۔

اب سو جاؤ...... پتہ چل جائے گا۔ وہ بڑے پیار سے پومی کو پیار کرتے بولا۔

جمیل کروٹ لے کر سونے کی ناکام کوشش کرنے لگا...... آج نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی زلیخا اسے یاد آنے لگی...... زلیخا ایک ہمدرد اور غمگسار بہن ہے۔ اس نے ہم بہن بھائیوں کے لئے کتنی قربانیاں دی ہیں۔ ہم سب کے لئے اس کا کردار قابل ستائش ہے......اور اس کی زندگی میں صرف جلنا اور کڑنا ہی ہے...... وہ خود اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی۔ ہم سب سے زیادہ پڑھی ہوئی...... باشعور ذہن ادراک رکھنے والی...... اس کے مقدر میں ایسا شوہر بیہودہ نشے کا مارا ہوا......اب اس کے علاج پر ہزاروں روپیہ لگایا تو وہ نہ جانے کونسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے...... جو وہ صحت یاب نہیں ہو رہا...... ہماری بہن کبھی سکون پائے گی...... وہ سیدھا لیٹ گیا...... زلیخا اسے بری طرح یاد آ رہی تھی......شاہدہ بچی کے ساتھ گہری نیند سو چکی تھی......ٹن سے کلام نے شب کے گیارہ بجائے اور اس نے خود کو بہلانے کی کوشش کی۔

صبح کاذب نے کائنات پر روپہلی کرنیں ڈالیں۔ رات بھر بارش کھل کے برسی تھی......یوں جیسے آسمان کھل کے رویا ہو۔ مطلع تو شفاف تھا۔ نیلے آسمان کے سینے پر سفید بادل روئی کے گالوں کی طرح تیز ہوا کے ساتھ بھاگ رہے تھے...... دیکھتے ہی دیکھتے آسمان دبیز بادلوں کی تہہ سے ڈھک گیا۔ فضا میں سوندھی سوندھی مٹی کی خوشبو پھیل گئی تھی...... سردی کا زور بڑھ گیا تھا......

نذیر......وہ جائے نماز کو تہہ کرتی تکیے کے نیچے رکھتی بولی۔

ہوں......وہ جیسے پہلے سے بیدار ہو۔

جاگ رہے ہو......وہ اس کے بکھرے بالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے درست کرتے بولی۔

جاؤ۔ باتھ روم میں منہ ہاتھ دھولو......اور لباس تبدیل کرلو......زلیخا نے کہا۔

وہ اٹھتے ہوئے مسکرایا۔ آج رات تم خوب سوئے۔ زلیخا نے مسکرا کر کہا۔

ہاں......اس دوائی سے خاصا افاقہ ہے۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

میں چلوں تمہارے ساتھ......وہ اس کا شانہ تھام کر بولی۔

نہیں......میں اب چل سکتا ہوں......تم نے جو کام کرنا ہے کرلو۔ وہ دروازہ تھام کر چلتا ہوا بولا......

...... ایک دم چونکی۔

بسم اللہ......میرا بچہ خود چل کے آ رہا ہے......اللہ تجھے جلدی جلدی صحت یاب کرے......پیر جی کے مزار پر میٹھے چاول بچوں میں بانٹوں گی۔ وہ قرآن کو غلاف میں بند کرتے بولی۔

بس اماں بھی خوب ہے۔ وہ ہنستا ہوا...... باتھ روم میں گھس گیا......

وہ میز پر ناشتہ لگا چکی تھی......

دولاں بھی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی......

آ جاؤ......نذیر......ناشتہ تیار ہے......وہ نذیر کو اندر آتے دیکھ کر بولی......اور چائے کا کپ ایک اس کے سامنے اور دوسرا اماں کے سامنے رکھ دیا۔

اماں......سالن بھی ہے......وہ سالن اور روٹیاں دولاں کے سامنے رکھتے بولی۔

میں تو روٹی ہی کھاؤں گی......ہم تو جٹ بندے ہیں......دولاں نے ہنس کر اپنی پلیٹ میں سالن ڈالا۔

نذیر اور زلیخا ہنس دیئے۔

اماں......میں ہی انگریز بن گیا ہوں۔ وہ زلیخا کے ہاتھ سے نصف سلائس ڈبل روٹی کا پکڑتے بولا۔

میرے بچے تو بھی جٹ تھا......اللہ اس کا بیڑا غرق کرے جس نے تجھے انگریز بنایا...... ککھ نہ رہے اس کا......گا موتو بچے یتیم چھوڑ کر مرے......دولاں کا دل بھر آیا......اور وہ دوپٹہ منہ پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی......

نذیر نے چائے کا گھونٹ حلق سے اتارا......

اماں......نذیر اب ٹھیک ہے......اب نہ فکر کر......زلیخا نے بھی ڈبل روٹی کا ایک لقمہ حلق سے اتارا......

نذیر نے زلیخا کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ جس کا مطلب تھا کہ اماں کو دلاسا دو۔

زلیخا نے دوسری طرف جا کر دولاں کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

اماں ...... اب نذیر کو کوئی تکلیف نہیں ہے ...... دیکھو پہلے تو وہ سلائس بھی نہیں کھاتا تھا اب اللہ کے فضل سے ایک آدھ تو کھا ہی لیتا ہے ...... بس رونا نہیں اماں ...... تیرے آنسو سے مجھے اور نذیر کو کتنا دکھ ہوتا ہے۔ وہ ٹشو پیپر سے دولاں کے آنسو صاف کرتے بولی۔

اللہ تیرے سر کا سہاگ سلامت رکھے ...... آمین ...... وہ نذیر اور زلیخا کو دیکھ کر نوالہ توڑنے لگی۔

اماں ! اب تو نے کبھی نہیں رونا ...... وہ اپنی سیٹ پر جاتے بولی۔

ہاں اماں ...... زلیخا کے ہوتے ہمیں کوئی دکھ نہیں ......

سارے سکھ تمہاری وجہ سے ہیں نذیر ...... تم سائباں ہو اس گھر کے۔ وہ محبت سے نذیر کا ہاتھ پکڑاتے بولی۔

میں نہیں ...... تم سائباں ہو ...... یہ گھر تمہاری وجہ سے چل رہا ہے۔ نذیر نے ہونٹ صاف کرتے ہوئے کہا۔

ہاں بیٹی ! تم ہی اس گھر کا چراغ ہو ...... یقین جانو ...... جب سے آئی ہو ...... پیٹ بھر روٹی ملی ہے۔ دولاں نے کہا۔

اماں ...... خدا روٹی دینے والا ہے ...... میرا اس میں کوئی کمال نہیں ...... زلیخا اٹھتے ہوئے بولی۔

کہاں ...... نذیر کپ رکھتے ایک دم چونکا ......

آفس ٹائم ہو گیا ہے ......

اتنی جلدی وقت بھاگ رہا ہے۔ وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

تم جاؤ بیٹی ...... میں برتن سمیٹ لوں گی۔ دولاں نے کہا۔

اماں ...... حاجراں سے سارا کام کروانا ...... خود ایک چیچ بھی نہیں دھونا۔ وہ نذیر کے ساتھ جاتے پلٹ کر بولی۔

بیٹی میں فارغ تو ہوتی ہوں ...... دولاں نے پھر دہی بات کہی۔

بس نذیر کے لئے دعا کیا کرو ...... یا آرام کیا کرو ...... عورت کس لئے رکھی ہے؟ نذیر کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

نذیر ...... وہ چند فائلیں ...... اور بیگ شانے پر ڈالتے بولی۔

فرمایئے جناب۔ وہ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے بولا۔

آج دیر ہو جائے گی ...... وہ بولی۔

دیر ...... کیوں ...... زلیخا ...... آفس ڈیوٹی کے بعد تو ایک سیکنڈ بھی میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتا ...... کہیں نہیں جانا ...... وہ انکار کے روپ میں سر ہلاتے بولا۔

میری جان ...... زلیخا کی روح ...... میں کونسا کہیں رکتی ہوں ...... وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

آج کیا ہے ...... نذیر کی اضطرابیت قابل دید تھی۔ وہ اداس لہجے میں ویران نظریں ڈال کر بولا۔

آج کیم ہے ...... بنک سے تنخواہ لینی ہے ...... تمہاری دوائیاں ختم ہیں وہ لینی ہیں ...... اور اگر تم اجازت دو تو صائمہ کو بخار تھا اس کی خبر بھی لے آؤں ...... وہ مسکرا کر بولی۔

اف مارے گئے ...... وہ سر کو تکیے پر گرا کر بولا۔

اماں ہے نا تمہارے پاس۔ پلیز ...... وہ محبت سے بولی۔

اماں تو ہے ...... لیکن اس دل کا کیا کروں ...... تمہاری جدائی نشتر کی طرح کاٹتی ہے مجھے ...... یوں لگتا ہے جیسے تمہارے بعد میرا سانس رک جائے گا ...... میں ...... میں ...... زلیخا نے نذیر کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا ...... اور ایک ہاتھ سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

یہ کیا ...... پھر آنسو ...... کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں میرے جدا ہونے کا غم ہے اور مجھے تمہارے جدا ہونے کا ...... وہ بمشکل ہنس دی۔

تو پھر ایسا کرو ...... دوائیں اور تنخواہ نثار صاحب سے منگوالو اور چند منٹوں کے لئے صائمہ کی خبر لے کر فوراً آ جانا۔

ٹھیک ہے۔ جیسے تم کہو۔

Ok ...... وہ رسائل اس کے سامنے رکھتی باہر آ گئی۔

آفس ٹائم مکمل لگانے کی بجائے نصف اٹینڈ کرتے وہ نصف یوم کی چھٹی لئے بنک چل دی ، تنخواہ لی اور نذیر کی میڈیسن خرید کر وہ سیدھی کچھ فروٹ لئے ادھر ہی آ گئی۔

اسلام علیکم ...... بھابی ...... کہاں ہیں سب لوگ ...... وہ اندر آتے خوشگوار انداز میں بولی۔

ارے زلیخا تم ...... اماں ابا تو برآمدے میں ہیں ...... صائمہ بھی وہیں بیٹھی ہے تمہارے بھائی نام آپ ...... اور میں تمہارے سامنے ...... پوپی سو رہا ہے۔ شاہدہ نے ہنس کر سب بیان کر دیا۔

اور زلیخا بھی کھل کھلا کر ہنس دی۔

Thank You Bhabi......وہ ہنستی برآمدے میں چلی گئی۔

میری بیٹی آئی ہے......کرامت علی اور رقیہ بانو نے ایک ساتھ اسے گلے لگا لیا۔

نذیر کیسا ہے......کرامت علی نے فوراً پوچھا۔

ٹھیک ہے ابا......وہ صائمہ کے پاس چلی گئی۔

صائمہ......کیوں بخار چڑھا لیا......کہیں پرچوں کی گرمی تو نہیں ہوگئی۔ وہ ہنستی ہوئی صائمہ کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

زلیخا آپا......تم آگئیں......صبح ہی یاد کر رہی تھی......اور شیطان حاضر......زلیخا کی بات پر دونوں بہنیں ہنس دیں۔

پرچے ختم ہوئے تو بخار ہو گیا......

اماں! صائمہ کے لئے پھل لائی ہوں......دیکھئے......وہ صائمہ کے پاس سے بولی۔

بیٹی یہ کیا تکلف کیا......تمہارا تو پہلے ہی بہت خرچ ہو رہا ہے۔ رقیہ بانو نے فروٹ کی بڑی سی ٹوکری دیکھ کر کہا۔

اللہ سب پورا کر رہا ہے اماں......وہ اٹھ کر کرامت علی کے پاس آ گئی۔

رقیہ بانو تھوڑا سا نکال لو......باقی نذیر کے لئے لے جائیگی......کرامت علی نے کہا۔

ارے نہیں ابا......یہ سب صائمہ کے لئے ہے......نذیر کے لئے گھر میں بہت فروٹ ہے وہ باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

خدا تمہیں بہت دے......خوش رہو۔ کرامت علی بولے

بیٹھو......میں تمہارے لئے چائے لاتی ہوں۔ رقیہ بانو اٹھنے لگیں۔

نہیں اماں......چائے کی ضرورت نہیں......آپ بیٹھئے......وہ زبردستی بٹھاتے بولی۔

اماں......میں لا رہی ہوں......باہر سے شاہدہ نے کہا۔

شاہدہ کے لئے کوئی بات سننے سنانے کا بس یہی ایک طریقہ تھا۔ کچھ دنوں سے وہ بیس ہزار کے چکر میں الجھی ہوئی تھی۔

ٹھہرو گی کچھ دیر۔ کرامت علی جانتے تھے کہ وہ آتی ہے جلد چلی جاتی ہے۔

نہیں ابا......جلدی چلی جاؤں گی......میں تو صائمہ کی خبر لینے آئی تھی۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

بیٹھو بیٹی......تم سے کچھ کہنا ہے۔ رقیہ بانو نے اس کا بازو پکڑ کر بٹھایا۔

کرامت علی نے رقیہ بانو کو اشارہ کیا۔ رقیہ بانو اپنے کمرے میں گئیں اور لوٹ آئیں۔

یہ لیجئے......وہ ایک سفید لفافہ کرامت علی کو پکڑاتے بولیں۔

بیٹی یہ تمہارے لئے ہے......رکھ لو......یہ تمہارے لئے ہے بیٹی......کام آئیں گے......بانو نے کہا۔ وہ اصرار کرنے لگے۔

یہ تو پیسے ہیں......اتنے سارے۔ زلیخا نوٹوں کو انگلیوں سے بجاتے ہوئے بولی۔

بیس ہزار ہے......رکھ لو میری بچی......تمہارا بہت خرچ ہو رہا ہے۔ کچھ سہولت ہو جائے گی۔ کرامت علی نے بھرپور کوشش کی۔

ہاں بیٹی رکھ لو......

نہیں اماں......مجھے ابھی ضرورت نہیں......آپ رکھ لیں۔ جب ضرورت ہوگی مانگ لوں گی......وہ لفافہ کرامت علی کو تھما کر کھڑی ہو گئی۔

بیٹی......تم پر کوئی احسان تو نہیں......رقیہ بانو نے کہا۔

نہیں اماں......آپ کی دعا سے گزارہ ہو رہا ہے......اگر ضرورت ہوئی تو لے لوں گی نا......زلیخا چلتے چلتے بولی۔

بیٹی......رقیہ بانو نے جیسے منت کی۔

اماں آپکی دعا سے نذیر کو اگر باہر لے جانا پڑاتا......تو فرم نے اس کا بھی بندوبست کیا ہوا ہے......بس اب آپ کوئی بات نہ کریں......وہ چلتے چلتے بولی۔

زلیخا......چائے پی لو......

ارے بھابی......چائے کی تو ضرورت نہیں تھی۔ شاہدہ ساری باتیں سننے کے بعد صحن میں چائے لا کر آ گئی۔

پی لو......اب انکار نہ کرنا۔ کرامت علی نے پیالی شاہدہ سے لیکر زلیخا کو تھما کر کہا۔

بیٹی......مجھے اور تمہارے ابا کو مل جائیگی۔ رقیہ بانو نے ہنس کر کہا۔

نہیں نہیں اماں......آپ چلئے برآمدے میں......میں لاتی ہوں......

او بھابی......بہت شکریہ......بھائی کو سلام کہنا......وہ جاتے جاتے بولی۔

شاہدہ پیالی پکڑ کے کرامت علی اور رقیہ بیگم کے لئے چائے بنانے چل دی اور زلیخا تیز رفتاری

سے سڑک کی طرف چل دی۔

باہر والے دروازے پر دستک ہوئی......

اماں......زلیخا آ گئی......وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے تڑپ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

ابھی سے......دفتر کا وقت کب ختم ہوا ہے......وہ بڑے سے کلاک کے ہندسوں کو گھ

اماں کھول دو دروازہ......زلیخا کی دستک ہے......دیکھ لینا......وہ بے قرار سا بولا......

ماں کی تاخیر اچھی نہ لگی۔

اچھا بیٹا......دولاں تقریباً تیز رفتاری سے دروازے کی طرف بھاگی......دروازہ کھو

حیران رہ گئی۔

زلیخا بیٹی! اتنی جلدی......

جلدی آ گئی ہوں......نذیر ٹھیک ہے نا......تیز رفتاری سے کمرے میں چلی گئی۔

نذیر......طبیعت کیسی ہے۔

تم آ گئیں......تمہارے بعد مر جاتا تو موت کے بعد بھی شرمندہ رہتا۔ وہ زلیخا کے ہاتھ

پکڑ کر بولا۔

کیا ہوا......خدا خیر کرے......طبیعت خراب ہو گئی تھی نا......وہ اضطرابیت کے ساتھ

دیکھ کر بولی۔

ہاں بیٹی! آج بڑا تڑپا ہے میرا بچہ......بس پیٹ پر ہاتھ رکھے۔ مچھلی کی طرح......پیٹ

درد......دولاں آنچل منہ پر رکھے سسک سسک کر رو دی۔

اماں......ادھر آؤ......یہاں بیٹھو......بس اب نہیں رونا۔ وہ دولاں کو ایک ہاتھ سے

اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے بولی۔

بیٹی اس کے پیٹ میں درد......تمہیں کیا بتاؤں......دولاں نے کانوں کو ہاتھ لگائے

او......میرے خدا......نذیر مجھے معاف کر دینا......تمہیں سیرپ نہیں دیا تھا میں نے

اور میرا خیال ہے خود بھی نہیں پیا......وہ پیار بھری نظر ڈال کر بولی۔

اماں......یاد ہی نہیں رہا۔ وہ زلیخا سے شرمندہ لگنے لگا۔

بیٹی میں نے جلدی جلدی اسکے دو چمچ اسے پلا دیئے......پھر وہ لمبی گولیاں

والی......

ہاں وہ کیپسول ہیں......شیشہ نہیں ہوتا......زلیخا اور نذیر دونوں ہنس دیئے۔

بیٹی میں کیا جانوں......ہمیں کہاں ان چیزوں کے ہوش تھی......تو نے آ کر جینا سکھا دیا......

دولاں اٹھتے ہوئے بولی۔

اماں......ٹھیک ہو جاؤ......بس میں آ گئی ہوں نا......ہاجرہ کو کہو چائے رکھے......تینوں مل

کے پیتے ہیں......

اچھا بیٹی......وہ کپڑے سے چھیلا نے دوسری طرف گئی ہے......آ جائے تو کہتی ہوں......

دولاں باہر چل دی۔

مر رہا ہوں تیری جدائی میں......اگلا مصرعہ یاد نہیں رہا......نذیر نے شوخی ادا سے زلیخا کے

ہاتھ دبائے......

واہ! واہ......ایک مصرعے میں سب کچھ سمو دیا......زلیخا ہنس دی......اور نذیر کی پشت پر بڑا

گاؤ تکیہ لگانے لگی۔

زلیخا......

کہو......وہ نذیر کی محبت میں کھوسی گئی......اتنی محبت کون دے سکتا تھا......تمہاری جدائی کا

ایک لمحہ بھی بھار معلوم ہوتا ہے......ایسا نہیں ہو سکتا کہ......

نوکری چھوڑ دوں......زلیخا ہنستے ہوئے نذیر کی بات مکمل کرتے بولی۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے......تم نوکری چھوڑ دو گی تو......ہمارا کیا بنے گا۔ نذیر نے شدتِ الفت

کے تحت زلیخا کے ہاتھ دبائے۔

زلیخا جانتی تھی کہ اس کے کمزور ہاتھوں کا دباؤ......اس کی والہانہ محبت کا غماز تھا۔

ہائے ری وے یہ ہمارا سے کیا مطلب؟......وہ آگے کی طرف جھک کر بولی۔

میں اور اماں......وہ ایک دم سے بولا۔

دیکھو نذیر......تم میری جان ہو، میری زندگی ہو......تمہارے لئے میں جو کچھ بھی کر رہی

ہوں یہ میری عین عبادت ہے......میرے فرض اولین میں شامل ہے......اور اماں......تو وہ

تمہاری اماں ہے......اس کا خیال رکھنا بھی میری ڈیوٹی میں شامل ہے......زلیخا نے بمشکل

چھلک کر بہنے والے آنسوؤں کو پلکوں کی دہلیز پر روک لیا......جو کرب اس نے آج نذیر کے

چہرے پر دیکھا تھا۔

تمہاری تو تمام ڈیوٹیاں پوری ہیں ......اور میں ......وہ اداس ہو گیا۔
جب تم صحت یاب ہو جاؤ گے نا......ایک بہت بڑا اسٹور کھول دوں گی۔
دو ملازم رکھنا......اور خود حکم چلانا......بس اب افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں......زلیخا نے نذیر کے بالوں کو محبت سے درست کیا۔
میں کب ٹھیک ہوں گا۔ میں کب شوہر بن کر تمہیں کما کر دوں گا......وہ زلیخا کے شانے پر سر رکھے رو دیا۔
میں نے کہا نا......تم ایسا محسوس مت کیا کرو......میرے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا......وہ نذیر کو دونوں شانوں سے پکڑ کر گاؤ تکیے پر سیدھے لٹاتے بولی۔
ارے......مجھے یاد ہی نہیں رہا......دیکھو میں تمہارے لئے کیا لائی ہوں......وہ اٹھ کر بیگ کو گھسیٹتے ہوئے بولی۔
کیا ہے......نذیر چمکتی آنکھوں سے زلیخا کے بیگ کو دیکھتا رہا۔ جسے وہ کھول رہی تھی۔
یہ دیکھو...... پائن ایپل جوس، Pina Apple جوس......وہ پیکٹ اسے پکڑاتے بولی۔
پائن ایپل کیا ہے۔ وہ پیکٹ کو اوپر نیچے دیکھ کر بولا۔
یہ بھی بہت پیارا پھل ہے......زیادہ تر بنگلہ دیش میں پیدا ہوتا ہے......زلیخا نے ڈھکن کھول دیا......پی کے دیکھو......اچھا لگے تو اور لے آؤں گی......زلیخا نے پائپ ڈال کر اسے دیا۔
بڑے مزے کا ہے......اسے پی کر تو میں تر و تازہ ہو گیا ہوں۔ وہ بڑی رغبت سے بولا۔
تمہیں پسند آیا......زلیخا بڑی محبت سے اسے دیکھ کر بولی۔
زلیخا......ایک بات بتاؤ......وہ بولا۔
پوچھو......وہ بولی۔
تمہیں کس طرح اچھی اچھی چیزوں کا علم ہو جاتا ہے۔ نذیر نے آخری گھونٹ حلق سے اتار کر خالی پیکٹ ٹوکری میں پھینکا۔
میں جب بازار شاپنگ کے لئے جاتی ہوں نا......تو میری نظر ہر اس چیز پر ہوتی ہے جو تمہیں پسند ہو......اور جو تم کھا سکو......
بی بی چائے بن گئی ہے۔ باجرہ نے دروازے پر دستک دی۔
لے آؤ باجرہ......وہ اٹھ کر دوسرے پلنگ پر بیٹھتے بولی۔

جی اچھا...... باجرہ واپس چلی گئی
اماں کو بھی لے آنا......وہ باجرہ کو جاتے دیکھ کر بولی۔
تھوڑی دیر گزری تھی کہ باجرہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اماں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔
زلیخا نے ٹرالی اپنے آگے کر لی۔
تم جاؤ......خود ہی چائے پی لو۔
جی اچھا بی بی...... باجرہ واپس چلی گئی۔
اماں......کہاں تھیں آپ......زلیخا نے سب سے پہلے اماں کو کپ پکڑایا۔
بی بی کپڑے سوکھ چکے تھے......میں نے ان کو تہہ کر کے ٹھکانے رکھ دیئے......دولاں نے چسکی لی۔
اماں...... باجرہ کس لئے ہے......نہ کھپایا کرو اپنے آپ کو......زلیخا نے اپنے لئے چائے بنائی......
میرے لئے نہ بنانا......نذیر نے ایک دم کہہ دیا۔
دل نہیں چاہ رہا۔ زلیخا نے کہا۔
نہیں......وہ بولا۔
ٹھیک ہے......جس چیز کو دل چاہے وہی لیا کرو......زلیخا نے گھونٹ حلق سے اتارا۔
اس نے وہی آدھا ڈبل روٹی کا ٹکڑا کھایا ہوا ہے...... کھیل اڑ کر اس کے اندر نہیں گئی......دولاں کی آواز میں زبردست احتجاج اور کرب شامل تھا۔
اماں......یہ دیکھو......اتنا بڑا پیک جوس کا پیا ہے......وہ ٹوکری سے پیک اٹھا کر دکھاتے بولا۔
تو روٹی کب کھائے گا...... میں واری......اس دن کو اڈیک رہی ہوں جب تو سالن کے ساتھ روٹی کھائے گا......وہ بڑی آس لگائے زلیخا کو دیکھنے لگی۔
(اس کی نوبت کہاں آئیگی بھولی عورت) اس سوچ کے ساتھ زلیخا کی سانس سینے میں گھٹ گئی۔
دولاں نے چائے کے آخری گھونٹ کو حلق سے اتارا۔
بی بی......تم سے ایک بات کرنا ہے۔ نذیر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔
کیا بات ہے اماں......زلیخا نے دیکھا دولاں کے چہرے پر ایک داستان مترشح تھی۔

ہو اماں...... پیسے تو نہیں چاہئے۔ زلیخا نے کہا۔

ارے نہیں میری بچی...... خدا تم دونوں کو سلامت رکھے......

پھر کیا بات ہے۔ وہ مسکرائی۔

میں کچھ دنوں کے لئے چک 34 جانا چاہتی ہوں...... وہاں میری رشتے کی بہن ہے۔ دوواں نے کچھ سوچا۔

اماں آج سے پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔ زلیخا حیرت سے بولی۔

بیٹی پانچ سال ہوگئے...... تیرے آنے کے بعد کچھ یاد نہیں رہا...... سوچا...... ہو ہی آؤں...... جلدی آ جاؤں گی......

اماں ضرور جاؤ...... اپنا خیال رکھنا۔

چنانچہ دوسرے دن سویرے ہی سویرے زلیخا اور نذیر کے سروں پر شفقت بھرا ہاتھ پھیر کر اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔ سڑک پر سے رکشہ لیا اور پکی بستی کی نکڑ پر اتری۔

دروازہ کھلا تھا سیدھی ڈرائینگ روم میں داخل ہوگئی۔

اماں دوواں! تو اس وقت...... گاموا سے دیکھ کر حیران ہوگیا۔

دوواں قالین پر حسرت و یاس کی تصویر بنی بیٹھ گئی۔

کیسے آئی ہے...... گاموصوفے پر بیٹھتا حیرت سے بولا۔

جب کوئی سہارا نہ رہا تو تم ہی نظر آئے میرے بچے۔ وہ سسک اٹھی۔

کیوں کیا ہوا۔ گامو نرم پڑ گیا۔

بہت کچھ ہوگیا...... مجھے اپنے گھر میں پناہ دے دے...... پڑی رہوں گی کسی کونے کھدرے میں۔

ماسی دوواں تو کیا کہہ رہی ہے۔ شازیہ نے اندر آتے ہی کہا۔

بیٹی...... بہو نے گھر سے نکال دیا ہے...... کہاں جاتی...... دوواں نے بڑی مظلوم صورت بنائی...... اور آنسو صاف کرنے لگی۔

ہوں...... دیکھا...... میں نہ کہتا تھا کہ وہ لڑکی جو تو شہر سے بیاہ کر لائی ہے بڑی چالاک ہے...... گامو کو بات کرنے کا موقعہ مل گیا۔

اب تو یہاں کس لئے آئی ہے...... شازیہ نے کہا۔

بیٹی...... اللہ کا واسطہ...... مجھے اپنے گھر میں نوکرانی رکھ لے۔

تیرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے...... سودا سلف لے آیا کروں گی...... تیرے بچے کھلا دیا کروں گی...... میں ابھی تگڑی ہوں...... دوواں نے ہاتھ جوڑے۔

شازیہ اور گامو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

پیسے بتا دو ماسی دوواں...... بعد میں جھگڑا کرے گی...... گامو کو اب واقعی رحم آ گیا تھا۔

نہیں نہیں...... تنخواہ نہیں لوں گی...... روٹی کپڑا مل جائے یہی بہت ہے۔ دوواں نے ایک دم سر انکار میں بلا یا۔

اچھا...... ٹھیک ہے...... گامو کو اور کیا چاہئے تھا...... دو آنکھیں...... مفت نوکرانی ہاتھ آ گئی...... اور دوواں تو بڑے کام کی عورت تھی......

اس نے چند دنوں میں ہی شازیہ اور بچوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا لیکن ابھی وہ اپنی ترکیب میں جو سوچ کر آئی تھی کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ وہ ڈرائینگ روم کی صفائی کرتے اچانک چونکی۔

ماسی دوواں...... گامو ہاتھ میں سیاہ بریف کیس پکڑے داخل ہوا۔

جی پتر...... دوواں جھاڑن لئے کھڑی ہوگئی۔

شازیہ کہاں ہے۔ گامو نے کہا۔

وہ تو عید کا سامان لینے بازار گئی ہے۔ دوواں نے کہا۔

تم ایسے کرو...... یہ بریف کیس بیڈ روم میں رکھ آؤ...... اور یہ لو چابیاں دروازہ بند کر دینا۔

اچھا...... دوواں نے بڑی مشکل سے بریف کیس کو دونوں ہاتھوں میں تھاما اور بیڈ روم تک لیجانے لگی۔

ماسی...... کیا بات ہے پتر...... دوواں ہانپتی ہوئی بولی

تو تو کہہ رہی تھی میں بہت تگڑی ہوں...... اتنا سا وزن اٹھایا نہیں گیا۔ گامو ہنس دیا۔

یہ پتا نہیں کیا ہے...... بڑا وزنی ہے۔ وہ سر پر رکھنے میں کامیاب ہوگئی۔

تو جانے رکھ...... میں ابھی آیا۔ گامو جاتے جاتے بولا۔

اچھا...... وہ بریف کیس بیڈ روم میں لے گئی...... انتقام کی آگ بھڑک کر اسے خاکستر کر چکی تھی...... لے گامو تو بھی ذرا سواد لے...... اس زہر کا...... تو نے میرے بیٹے کی زندگی تباہ کی ہے۔ میں بھی دیکھوں تو زندگی کس طرح سہولت سے گزارتا ہے......

اس نے جوں ہی بریف کیس میں چابی لگائی ...... بریف کیس چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں سفید پاؤڈر سے بھرا پڑا تھا...... یہ مال گامو نے حسب معمول باہر بھجوانا تھا۔ ویسے بھی اس کاروبار بڑے عروج تک پہنچ چکا تھا۔ یہی زہر نوجوان بچوں کے اندر انڈیل کر وہ شاہانہ گزار رہا ہے۔

دولاں نے ایک تھیلی نکالی اور باقی کو تالا لگا کر چابیاں تکیے کے نیچے رکھ دیں۔ اور کچن میں جا کر چولہے پر چائے کا پانی رکھ دیا۔ چائے بنا کر طشتری میں سجا کے وہ گامو کے لئے لے آئی۔

لے گامو پتر ...... تو چائے پی اور میں ذرا سبزی بنا لوں۔

ٹھیک ہے ماسی ...... وہ نکٹائی ڈھیلی کر کے صوفے پر بیٹھ گیا ...... اور دولاں سبزی بنانے بیٹھ گئی

شازیہ نے اندر آتے حیرت سے شاپنگ بیگ میز پر رکھا۔ یہ کاکے کے ابا کو کیا ہوا۔

کاکے کے ابا ...... پلنگ پر چلے جاؤ ...... کاکے کے ابا ...... وہ ہلاتے ہوئے بولی۔ لیکن وہ ٹانگیں پسارے صوفے پر بے سدھ سویا ہوا تھا......

شام ڈھلے اس کی آنکھ کھلی ...... اتنی نیند آئی آج۔ شازیہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔

بہت تھک چکا تھا ..... چائے پیتے ہی ایسی نیند آئی کہ ہوش ہی نہ رہا ...... وہ ایک لمبی لیتے بولا۔

اچھا کھانا لاؤں ...... دوپہر کو تو کھایا ہی نہیں ...... شازیہ نے کہا۔

ماسی دولاں کھانا لے آؤ ...... تمہارے لئے بھی لے آؤں پتر ...... دولاں نے کہا۔

نہیں ...... میں نے تو روبی کے ساتھ بازار ہی میں لنچ کر لیا تھا۔ شازیہ نے ہنستے ہوئے

اچھا تو اب تم باہر لنچ کرنے لگی ہو۔ وہ بڑے تفاخر سے بولا۔

دولاں کھانا لے آئی تھی۔

گامو نے اپنی طرف ٹرے کو گھسیٹا اور کھانا شروع کر دیا۔ اب خوراک پہلے سے کہیں کم تھی۔ آدھی چپاتی حلق سے اتری اور اٹھ گیا۔

کیا بات ہے۔ شازیہ نے کہا۔

لیٹنے لگا ہوں ...... جسم ٹوٹ رہا ہے۔ وہ چت لیٹ گیا۔

بخار تو نہیں ہو رہا۔ شازیہ نے کہا۔

معلوم تو یہی ہو رہا ہے۔ وہ کروٹ لے کر پھر سو گیا ...... دیکھتے ہی دیکھتے گہری نیند سو گیا

گامو پتر نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ وہ پلیٹ میں سالن پڑا دیکھ کر بولی۔

شاید طبیعت ٹھیک نہیں۔

دولاں نے برتن اٹھا لئے۔

ماسی سالن اسی طرح رکھ دینا ...... شازیہ نے کہا۔

ہاں تو اور کیا ...... اتنا سالن پڑا ہے ...... صبح کام آ جائے گا۔ دولاں کچن میں برتن سمیٹنے چل دی۔

اور تمام شب گہری نیند سونے کے بعد گامو کو دن چڑھے تک ہوش نہ آیا ...... نو بج چکے تھے۔

شازیہ پتر ...... گامو کو جگا دے اب۔ دولاں نے چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑ کر کہا۔

اماں میں حیران ہوں ...... گامو کو کل پرسوں سے نیند بڑی آ رہی ہے۔ شازیہ کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

کام بہت کرتا ہے ...... تھک جاتا ہے۔ دولاں نے کہا۔

لاؤ میں چائے دے آؤں ......

ہاں ...... لو دے آؤ ......

شازیہ کپ لے کر اندر گئی۔

کیا بات ہے۔ شازیہ نے دیکھا وہ دونوں ہاتھوں پر کاٹ رہا تھا......

چائے پی لو ...... شاید طبیعت ٹھیک ہو جائے ......

یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی مجھ پر آرے چلا رہا ہے۔ وہ ایک ہاتھ سے پیٹ کو پکڑ کر بولا۔

چائے پیو ...... ٹھیک ہو جاؤ گے۔ شازیہ نے چائے کا کپ اس کو تھمایا......

گامو نے ایک ہی سانس میں چائے کا کپ خالی کر دیا......

مجھے دے دو ......

اگر شازیہ نہ پکڑتی تو اس کے گرتے ہی کپ بھی گر کر ٹوٹ جاتا ...... کپ پکڑاتے ہی گامو ٹوٹی شاخ کی طرح بستر پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

شازیہ پتر ...... میں نے کام سارا کر دیا ہے ...... اگر تم اجازت دو تو حکیم سے گھٹنے کی دوائی لے آؤں ...... اللہ مارا کل سے بہت ہی دکھ رہا ہے۔

جاؤ لے آؤ ...... جلدی آ جانا ...... گامو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ شازیہ پریشانی میں بولی۔

بس گئی اور آئی ...... اور دولاں چلی گئی۔

چائے پی کر گامو سارا دن مدہوش لیٹا رہا...... ایک مرتبہ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن دھڑام سے واپس گرا۔

کاکے کے ابا...... تم نے کیا کھایا ہے...... جو جسم کی طاقت ہوا ہوگئی ہے۔

بھئی...... مانس...... صرف سیٹھ ذاکر کے گھر سے...... شر شربت کا کا ایک گلاس...... وہ پھر مدہوش ہوگیا۔

وہ ہی گلاس تمہیں لے ڈوبا ہے...... میرا خیال ہے اس میں نشہ آور دوائی ہوگی۔

اب گامو عادی ہو چکا تھا...... پورا دن تو ایسے تیسے گزر گیا...... اور جب رات ہوئی تو اٹھا...... گامو نے گھر سر پر اٹھا لیا۔ بتی جلا کر کچھ تلاش کرتا...... اس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ مسلسل نشے نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا...... وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو چکا تھا...... اس نے جتنی بھی ہیروئن استعمال کی وہ خوراک سے کہیں زیادہ استعمال کی تھی...... وہ اس وقت اپنی بیوی شازیہ کو بھی نہیں پہچان رہا تھا...... اسے صرف یہ یاد تھا کہ اس کے پاس پاؤڈر ہے۔ بیڈ روم سے پہلے اس کی نظر سٹور پر پڑی جہاں اکثر پیکٹ رکھا کرتا تھا...... اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات گھوم گئی کہ یہاں وہ پاؤڈر رکھتا تھا...... چنانچہ اس نے کھینچ کھینچ کر تمام چیزیں باہر پھینک دیں...... کہ ایک دم پلاسٹک کا کھلا ہوا لفافہ باہر گرا...... اور شازیہ کی آنکھ کھل گئی...... دیکھا تو گامو ساتھ والے پلنگ پر نہیں تھا...... دونوں بیٹے دوسرے کمرے میں سو رہے تھے...... وہ ہڑبڑا کر اٹھی......

گامو...... وہ چیخ اٹھی......

اس کے ہاتھ میں لفافہ پکڑا ہوا تھا اور وہ پھانکنے جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس کا سانس رکنے لگا......

پا...... پا...... پاگل کتے کی طرح غرغر کی آواز نکالتا ہوا وہ زمین پر گرا...... شازیہ پاگلوں کی طرح پانی لینے دوڑی...... اتنی دیر میں کہ وہ گلاس کا پانی اس کے منہ کو لگا دے...... وہ نہ جانے کتنی پھانک چکا تھا۔

پانی پیو......

وہ غٹا غٹ...... سارا گلاس اپنے اندر انڈیل گیا...... یہ زہر اب گھر میں لانا شروع کر دیا تم نے...... شازیہ نے لفافہ پکڑ کر دور صحن میں پھینکا......

شازیہ...... اس کی آواز دب کر رہ گئی۔

پوری طاقت سے چیخا...... اور شازیہ کو مارنے کے لئے تھپڑ اٹھایا۔ لیکن سارے جسم کی طاقت زائل ہو چکی تھی...... اعصاب شل ہو چکے تھے...... وہ فرش پر گرا اور بے ہوش ہو گیا...... اس کی حالت میں نہ وہ کسی کو پکار سکتی تھی...... بلکہ اتنا بڑا نوجوان شخص وہ تو گھسیٹ بھی نہ سکتی تھی۔ پریشان حال...... گامو کا لحاف اٹھایا اور وہیں اس کے اوپر ڈال دیا۔ سردی زوروں پر تھی مرتی کیا نہ کرتی...... مجبور لاچار اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی...... تمام رات اس نے شب بیداری میں بسر کی۔

گامو...... تم نے نہ جانے کتنے بچوں کو اس زہر سے آشنا کیا ہے...... اور ان کے معدوں میں اتار کر نہ جانے کتنے موت کی وادیوں میں اتر گئے ہوں گے۔ یا کسی سنسان ویران قبرستان کی شکستہ قبر میں زندگی کی بیزاری سے تنگ آ کر اپنے آپ کو نوچ رہے ہوں گے...... اور آج وہی حالت تمہاری ہے...... حیرت تو اس بات کی ہے کہ سیٹھ ذاکر کو تم سے کیا دشمنی تھی...... اس نے تمہیں کیوں ایسا شربت پلایا۔

اچانک موذن نے آواز دی...... وہ تڑپ کر اٹھی...... اور اس کے ساتھ ہی باہر والا دروازہ زور زور سے بجنے لگا۔

چوکیدار بھی کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ شازیہ نے دریچے سے باہر جھانکا۔

لیکن دوسرے لمحے گیٹ کھل گیا اور جیدی اندر داخل ہوا...... چوکیدار کے کچھ کہنے پر وہ برآمدے میں آیا۔ شازیہ نے اوٹ میں ہو کر دروازہ کھولا۔

جیدی...... شازیہ نے کہا۔

ہاں باجی میں ہوں...... مال لینے آیا ہوں۔ جیدی نے کہا۔

مال...... یہاں تو کوئی مال نہیں آیا۔ وہ لاعلم تھی۔

آیا ہے باجی...... آپ استاد کو ذرا بھیج دیں...... اور بھی بہت سی باتیں ہیں...... وہ برآمدے میں ہی کھڑے کھڑے بولا۔

تم اندر آ کر اپنے استاد کی حالت دیکھو...... وہ بولی۔

اندر...... استاد کی حالت...... خیریت تو ہے...... وہ حیرت سے بولا...... کیونکہ گامو نے اپنے کسی کارندے کو ڈرائنگ روم سے آگے اندر جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔

ہاں آ جاؤ...... گھبراؤ نہیں...... میں تمہیں کہتی ہوں...... شازیہ نے اصرار کیا۔

باجی ...... آپ کو معلوم ہے ...... استاد کا عتاب ...... جیدی خوفزدہ ہو گیا۔

تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ...... استاد تو تمہیں پہچانے کا بھی نہیں ......

عالم اضطرابیت میں اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر بولی۔

کمال ہے باجی ...... کیا ہو گیا استاد کو ...... وہ ڈرائینگ روم میں آتے بولا۔

آؤ ...... شازیہ نے چادر سے چہرا چھپاتے ہوئے کہا۔

یہ دیکھو ...... شازیہ نے اس شدید سردی کے عالم میں گامو کو چت لیٹے دیکھا ...... لحاف ایک طرف پڑا ہوا تھا ......

استاد ...... چونک کر جیدی نے سامنے دیکھا ...... صحن میں دو بلیاں مری پڑی تھیں ......

استاد ...... جیدی تے حیرت واستجاب کے عالم میں گامو کی نبض دیکھی ......

باجی ...... یہ سب کیا ہے ...... استاد نے تو بڑی مقدار میں ہیروئن کھا لی ہے ......

وہ تیز رفتاری سے صحن میں گیا ...... یہ پاؤڈر ...... وہ بلیوں کو دیکھ کر خود لرز گیا۔

یہ تھیلی میں نے پھینکی تھی ......

استاد کو کیا سوجھی ...... وہ واپس آ گیا۔

شازیہ نے دوبارہ لحاف ڈال دیا۔

اب کیا کریں ...... شازیہ مجبور اور بے بس نظر آ رہی تھی۔

جیدی خاموش سا ہو گیا۔

جیدی ...... ہسپتال لے جائیں گامو کو ...... مجھے اس کی زندگی کا خطرہ ہے۔

میں تو خود حیران ہوں کہ استاد کی نبض اب تک کیسے چل رہی ہے ...... یہ تو بڑی تیز چیز تھی۔

تم ٹیکسی لاؤ ...... گامو کو ہسپتال لے کر چلیں ...... وہ عجلت میں بولی۔

ٹھہریے ...... میں لڑکوں کو لے کر آتا ہوں ...... پہلے استاد کو ان کے بستر پر لٹانا ہے ......

آپ فکر نہ کریں ...... ہم سنبھال لیں گے۔ جیدی نے شازیہ کو دلاسا دیا۔

وہ واپس برآمدے میں رکھے موٹر سائیکل پر بیٹھا اور ڈیرے پر پہنچا۔

دلبر، شیرو ...... باہر آؤ ...... جیدی کی آواز کی گرج کو سنتے ہی دونوں بھاگ کر قریب آ گئے۔

کیا بات ہے ...... یار ...... تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو۔ شیرو نے کہا۔

استاد کی طبیعت بہت خراب ہے ...... تم دونوں میرے ساتھ آؤ ...... جیدی نے کہا

...... استاد کو تو کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ دلبر نے کہا۔

ہو نہیں ...... بیٹھو ...... دونوں چھلانگ لگا کر جیدی کے پیچھے پھنس کر بیٹھ گئے۔ چند سیکنڈ گزرے اور موٹر سائیکل گامو کے مکان کے اندر۔

شازیہ ابھی تک منہ لپیٹے بیٹھی تھی۔

ہوش نہیں آیا۔ جیدی نے کہا۔

نہیں۔

اور جیدی کے اشارے پر تینوں نے اٹھا کر گامو کو اس کے بیڈ روم میں لٹایا ...... اور اوپر لحاف اوڑھ دیا۔

جیدی فون کی طرف بڑھا۔

ایمبولینس پلیز ...... فوری ...... مریض کی حالت درست نہیں ہے۔

Ok ...... جیدی نے کہا اور فون رکھ دیا۔

جیدی ...... یار دیکھنا ...... شیرو نے سامنے دراز میں رکھے سیاہ بریف کیس کی طرف اشارہ کیا۔

کیا ...... یہ کیا ...... مال تو نہیں سیٹھ ذاکر کا ...... شیرو نے لپک کر بریف کیس جیدی کے سامنے رکھا۔

چابیاں اس میں لٹک رہی تھیں۔ یہ کھولا کس نے ہے۔ جیدی اور دلبر حیران رہ گئے۔

باجی ...... اس بریف کیس کو آپ نے کھولا ہے۔ شازیہ جو اس وقت ملول و پریشان مضطرب بچوں کے پاس بیٹھی تھی۔

مجھے تو خبر بھی نہیں ...... یہاں رکھا کس نے ...... یہ بھی نہیں خبر ...... وہ خوفزدہ سی بولی۔

وہ آپ کی ماسی دولاں کہاں چلی گئی ہے ...... وہ عورت بڑی کایا نظر آتی تھی۔ جیدی نے ایک دم چونک کر کہا۔

ماسی دولاں ...... وہ تو کل صبح سے چھٹی لے کر گئی تھی ...... اور ابھی تک واپس نہیں پلٹی ......

شیرو کھڑے کھڑے بولا۔ ہو سکتا ہے گامو استاد نے اس کو بریف کیس رکھنے کو دیا ہو۔ دلبر نے کہا۔

یہ تو ہو سکتا ہے ...... لیکن اس میں سے پیکٹ نکال کر باہر کون لے گیا۔ کہیں اسی کا کام تو نہیں

دلبر نے کہا۔

نہیں یار...... یہ اس کا کام نہیں......خود تو کھانے سے رہی۔ جیدی تو خاموش تھا۔ لیکن نے کہا۔

یہ سب استاد نے خود ہی کیا ہے۔ نشے کی حالت میں دماغ سے نکل گیا۔ شیر بولا۔

تم باتیں چھوڑو......سب سمیٹو......جیدی نے چٹکی بجائی۔

کیا کریں......

کہو......

شیرو اور دلبر ایک دم مستعد ہو گئے۔

دلبر تم موٹر سائیکل لو اور بوری میں مردہ بلیاں ڈالو اور قبرستان میں پھینک آؤ......اور ساتھ ہی یہ بریف کیس بھی ڈیرے پر لے جاؤ اور کڑک خان کو دے آؤ......اور شیر و تم میرے ساتھ استاد کو ایمبولینس میں ڈالو گے۔ جیدی نے کہا

ٹھیک ہے۔ ایمبولینس کی آواز آئی۔

میں چلوں......شازیہ گھبرا کر بولی۔

نہیں باجی! آپ گھر پر رہیں۔ بچے پریشان ہوں گے

سٹریچر کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی۔

اور گاموں کو اس دگرگوں حالت میں منشیات کے ہسپتال لے جایا گیا۔

☆

اماں......تم......کمرے سے باہر نکلتے زلیخا نے دولاں کو دیکھ کر کہا۔

میرا نذیر کیسا ہے......اور تم کیوں بجھی بجھی سی ہو۔ دولاں کی جیسے جان نکل گئی۔

اماں......زلیخا سے اب ضبط نہ ہوا......وہ دولاں سے لپٹ کر بلک بلک کر رو دی۔

میری بچی......میرا نذیر زیادہ بیمار ہو گیا......بتا تو سہی......میں دیکھوں۔

نہ......نہ اماں......نہ جانا......دوائی پلائی ہے......شاید سو گیا ہے۔ وہ صحن میں بچھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کے پیٹ میں درد تھی......دولاں نے کہا۔

ہاں اماں......اس نے سوائے جوس کے کھایا بھی کچھ نہیں......زلیخا نے کہا۔

میں آ گئی ہوں نا......اے مولا! ان دونوں کے سارے غم مجھے دے دے......میں نے کیا کرنا ہے زندہ رہ کر......تو میرے نذیر کو زلیخا کے لئے تگڑا کر دے۔ وہ وہیں سجدے میں گر گئی......اور بلک بلک دعا کرنے لگی۔

اور زلیخا کھڑی سسکتی رہی......بھلا یوں آنسو بہانے سے بھی کاتب تقدیر لکھا بدل سکتا ہے......

وہ شام ڈھلے تک سوتا رہا......

دونوں ماں بیٹی باری باری اس کے سانسوں کا حساب زیر و بم دیکھنے جاتیں......اور چلتی سانس کو دیکھ کر اطمینان سے لوٹ آتیں......

بیٹی......دولاں نے آنسوؤں سے تر چہرا اپنے آنچل سے پونچھتے زلیخا کو پکارا۔

جی اماں......وہ نہ جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی۔

نذیر کو دوبارہ ہسپتال میں داخل کروا دیا جائے تو ٹھیک ہو جائے گا۔ دولاں نے گہری سوچ سے ابھر کر کہا۔

ہاں اماں......میں بھی سوچ رہی ہوں......پر......وہ ہاتھوں پر چہرا رکھے بری طرح رو دی۔

یسے کہوں کہ نذیر اب چند دنوں کا مہمان ہے ...... اماں میں تمہیں کیسے اس سانحہ کی خبر
...... میں بے بس ہو چکی ہوں ...... اب کوئی چارا بھی تو نہیں رہا ...... وہ روتے روتے سوچ
اندوہ ناک آندھیوں اور کھنڈر ویران راہوں پر بھٹکتی رہی ...... وہ زندگی کے ایسے موڑ پر جا پہنچ
جہاں کوئی سایہ دیوار نہیں تھا ...... اس کا سایہ اس کا سائباں بیماری کے دوزخ میں جھلس
تھا ......

دلہن ...... بس چپ کر جاؤ ...... مجھے تمہارے رونے کا بہت دکھ ہوتا ہے ...... بس میری بچی
...... میرا کلیجہ پھٹ جائیگا ...... دولاں نے زلیخا کو ساتھ لپٹا لیا۔

زلیخا ...... اماں ...... نذیر نے پکارا ...... یہ دیکھو اماں بھی آ گئی زلیخا نے بڑی بے کلی اضطراب
کیفیت کے تحت نذیر کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

رات ہوگئی ہے ...... نذیر نے لیٹے لیٹے کھلے دریچے میں دیکھا ...... وہ اداس تاریکی دیکھ کر بولا۔

اماں ...... سارے گھر کی بتیاں جلا دو ...... رات ہوگئی ہے ...... زلیخا جلدی سے بولی۔

دیکھ لو ...... باتوں باتوں میں خیال ہی نہ رہا ...... دولاں لپکتے ہی صحن اور کمرے کی بتی جلا کر
لوٹ آئی۔

اماں ...... تو آ گئی ......

ہاں میری جان ...... میں تو کب کی آ گئی ...... تو سویا ہوا تھا نا ...... دولاں بیٹے کے پائنتی بیٹھ گئی۔

اماں میں کہاں سوتا ہوں ...... تیری لاڈلی بہو مجھے سلا دیتی ہے ...... دوائی دے کے ...... وہ
بڑے پیار سے مسکرا کر زلیخا کی طرف دیکھ کر بولا۔

میرے بس میں نہیں ہے نذیر ...... تیرے سارے دکھ میں خود سمیٹ لوں ...... کیا کروں میرا
اختیار نہیں ہے۔ یہ تیری تکلیف میں لے لوں ...... وہ اس وقت مجبور اور بے بس نظر آ رہی تھی۔

یہ تو بہت اچھا ہے ...... زلیخا ...... ایسا نہیں ہو سکتا ...... وہ اس کی طرف تشنہ نگاہی سے بولا۔

کیوں ...... وہ چونکی ......

اس لئے کہ میں تمہارے ان پیارے پیارے ہاتھوں میں مرنا چاہتا ہوں ...... تمہارے بعد تو میں
خاک بسر ہو جاؤں گا ...... یا اس رینگنے والے کیڑے کی طرح جسے ہر ذی روح اپنے پیروں
میں روند ڈالے ...... نذیر نے تکیے پر سر گرا لیا۔

کیسی باتیں کرتے ہو ...... تم زندہ رہو گے ...... ہمیشہ زندہ ...... کیوں اماں ...... نذیر ٹھیک ہو

جائے گا نا ...... ڈاکٹر نے کہا تھا نا ...... وہ نذیر کی خوشی کے لئے جھوٹ بھی بول گئی۔

ہاں ہاں ...... ڈاکٹر نے کہا تھا یہ تو وقتی دکھ ہے ...... نذیر ٹھیک ہو جائے گا ...... دولاں نے بھی
بہو کی ہاں میں ہاں ملائی۔

ماں ...... نذیر نے دولاں کی طرف دیکھا۔

ہاں ...... تجھ پر تیری اماں ...... دولاں والہانہ انداز میں جھکی۔

34 چک میں اتنے دن لگا دیئے ...... کوئی کام تھا ......

ہاں بیٹا ...... کچھ حساب چکانا تھا ...... سو چکا دیا۔ دولاں نذیر کی ٹانگیں دباتے ہوئے بولی۔

اماں رہنے دے ...... نہ گناہ گار کر مجھے ...... نذیر نے ٹانگیں کھینچ لیں۔

تیرا ...... میرا بچہ ...... باولا ...... سمجھدار ہو گیا ہے ...... دولاں ہنستے ہوئے بولی ......

پہلے تو میں ایسے ہی تھا ...... تیری بہو نے اچھا بنا دیا ...... نذیر نے زلیخا کے ہاتھ کو دبایا ......
زلیخا ہنس دی۔

تو سدا سے اچھا تھا ...... اسی لئے تو اتنا عرصہ گزر گیا ...... ورنہ کہاں گزرتا وقت۔ وہ اداس
لہجے میں بولی۔

تو نے تو مجھے بڑا سکھ دیا ہے زلیخا ...... میں کیا تھا اور ...... تجھے پا کر کیا بن گیا ...... میں تو خدا
سے بھی تجھے ہی مانگوں گا ...... نذیر نے زلیخا کی طرف بڑی امید سے دیکھا ...... جیسے وہ موت
سے خوفزدہ ہو۔ زلیخا اسے دیکھتی رہی۔

میں تمہارے ساتھ بہت عرصہ زندہ رہنا چاہتا ہوں ...... لیکن یہ بیماری شاید مہلت نہ دے۔ نذیر
مایوس ہو چکا تھا۔

خدا سے ناامیدی اچھی نہیں ہوتی ...... تم دل ہار چکے ہو ...... زلیخا نے اپنے آنسوؤں کو پلکوں
کی دہلیز پر روک لیا۔

یہ مایوسی نہیں ہے زلیخا ...... یہ درد میری جان لے لے گا ...... میں سوچتا ہوں کہ اس شدید درد
میں میں زندہ کیسے بچ جاتا ہوں۔ نذیر کے چہرے پر پسینے کے قطرے تھرک رہے تھے۔
زلیخا نے ٹشو پیپر سے اس کا چہرا صاف کیا۔
یہ سب کمزوری ہے ...... دولاں اٹھتے ہوئے بولی۔

☆

ادھر گاموکی حالت غیر ہو رہی تھی ...... سٹریچر پر ڈال کر ڈاکٹر کے پاس لایا گیا۔ ڈاکٹر نے اچھی طرح چیک کیا اور ایک دم وہ چونک گئے ...... کیا رشتہ ہے تمہارا اس کے ساتھ۔ جمال نے قریب کھڑے جیدی سے کہا۔

میرا استاد ہے جی ...... جیدی فوراً بولا ...... اس نے اپنے اندر دوسرے سوال کا جواب سوچ لیا تھا۔

کس چیز کا استاد ...... ڈاکٹر جمال نے گاموکا پیٹ دباتے ہوئے کہا۔

گائیں بھینسوں کا کاروبار ہے جی ہمارا ...... جیدی نے کمال ہوشیاری سے کہا۔

اتنی کثیر مقدار میں ہیروئن اس کے اندر چلی گئی ...... انتڑیاں جام ہو گئی ہیں۔ کہاں سے اس نے ہیروئن لی۔ ڈاکٹر جمال کی حیرت عروج تک پہنچ گئی۔

ایک پڑیا کے لئے یہ لوگ ماؤں بہنوں کے زیور بیچ دیتے ہیں۔ سٹاف نرس نے گاموکو دیکھ کر فائل میں نوٹ کیا۔

سٹاف ......

Yes Sir ...... نرس نے کہا۔

غلام سرور کو ایمرجنسی وارڈ میں داخل کر لیجئے ......

تمہارا نام کیا ہے ...... ڈاکٹر نے پلٹ کر کہا۔

ڈاکٹر صاحب! جیدی۔ جیدی کچھ خوفزدہ سا ہو چکا تھا۔

میں کچھ میڈیسن لکھتا ہوں ...... ہسپتال کے سٹور سے لے آؤ ......

ٹھیک ہے ...... جیدی کو کاغذ پکڑا کر خود ڈاکٹر فون کی طرف بڑھ گیا۔

جوں ہی جیدی دوائیاں لے کر واپس آیا ...... سپیشل پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔

اسے بند کرو ...... اور غلام سرور کے گھر چلیں ...... میرا خیال ہے یہ شخص منشیات کا کاروبار کرتا ہے۔ ایس ایچ او نے کہا۔

ہو سکتا ہے سرکار ...... نائب تھانیدار نے کہا۔

اور گاڑی غلام سرور (گامو) کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

ٹھک ٹھک ...... دروازے پر زوردار دستک دیکھ کر شازیہ دہل سی گئی۔

دیکھو بیٹا! باہر کون ہے۔ وہ اپنے لڑکے سے بولی۔

لڑکا باہر گیا ......

جی ...... آپ نے کس سے ملنا ہے۔ بچے نے کہا۔

بیٹا گھر میں کون ہے اس وقت۔

ابو تو نہیں ہیں ...... وہ ہسپتال میں ہیں۔ بچے نے کہا۔

تمہاری امی ہیں ...... پولیس افسر نے کہا۔

امی ہیں۔ بچے نے کہا۔

اچھا ...... ان کو بھیجو ......

لڑکا واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شازیہ دروازے پر آئی۔

فرمائیے ...... آپ نے کس سے ملنا ہے۔ شازیہ نے جی کڑا کر کے کہا۔

خاتون آپ ایک طرف ہو جائیں ...... ہمیں تلاشی لینے دیں۔ پولیس افسر نے کہا۔

کیوں ...... شازیہ ایک دم بولی۔

تکرار کا وقت نہیں ہے ...... آپ ایک طرف ہو جائیں۔ پولیس افسر تلخ لہجے میں بولا۔

ٹھیک ہے ...... آئیے ...... وہ دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔

پولیس افسر سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا ......

صوبہ خان اور مہر دین ......

یس سر۔

سب کمروں میں اچھی طرح دیکھو ...... کوئی مشکوک چیز ہو تو لے آؤ ...... دونوں گھر کے سب کمروں میں ہر چیز الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے ...... سوائے صحن میں پھٹے ہوئے ہیروئن کے پیکٹ کے اور کچھ نہ نکلا ......

اس کے سوا اور کچھ نہیں جناب ...... صوبہ خان نے کہا۔

قبضے میں کر لو ...... یہی ہر سوال کا جواب ہے۔

پولیس افسر جہاں دیدہ زیرک انسان تھا۔ وہ صحن میں بکھری ہوئی ہیروئن سے سب اندازہ لگا بیٹھا۔

اس کے بعد جیدی اور دوسرے تمام کارندوں کو گرفتار کر لیا گیا ...... اور ڈیرے سے کافی مقدار میں ہیروئن برآمد ہوئی۔

سیٹھ ذاکر بھی گرفتار کر لیا گیا...... جو ایک بہت بڑا اسمگلر تھا...... اور ہیروئن کا کاروبار
عرصے سے کر رہا تھا۔

بیٹھو...... بڑے پولیس افسر نے ایس ایچ او سے کہا۔

Thank You Sir......

کی کی کارروائی...... پولیس افسر نے سوال کیا۔

ڈیرے پر سے کافی مال برآمد ہوا ہے سر...... اس کو قبضے میں کر لیا گیا ہے۔ ایس ایچ او نے
اور وہ تو جوان لڑکے...... میرے خیال کے مطابق کافی تھے۔ ان سب کو ہسپتال داخل کرا
دیا ہے۔ ایس ایچ او نے کہا۔

Good...... صحت یاب ہونے کے بعد ان کے والدین کے حوالے کر دیں گے۔

Yes Sir......

......غلام سرور کی بیوی کو شامل تفتیش کر لیا جائے۔

نہیں...... گھر کی خواتین کا اس میں کیا قصور...... وہ عورت تو پہلے ہی ٹمن شین کا شکار

......اسے تنگ مت کرو...... پولیس افسر نے کہا۔

اب میرے لئے کیا حکم ہے۔ ایس ایچ او نے کہا۔

غلام سرور کے گھر کی نگرانی رکھو...... آنے جانے والوں پر نظر رکھو۔

ٹھیک ہے سر......

غلام سرور بولنے کے قابل ہوگا تو اس کا بیان لیا جائے گا...... پولیس افسر نے کہا۔

اس کی تو کوئی امید نظر نہیں آتی۔ ایس ایچ او نے کہا۔

کوئی بات نہیں...... تفتیش کے لئے ہمارے پاس بڑا کارندہ بلکہ اس گروہ کا سرغنہ بیٹھا
جو ہے...... باقی معلومات جیدی اور دوسرے لڑکوں سے مل سکتی ہیں۔

Ok Sir...... ایس ایچ او کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

تفتیش مکمل کریں آپ...... ایس ایچ او واپس چلا گیا اور پولیس افسر کسی گہری سوچ میں ڈوب

☆

نذیر کے لباس کو تبدیل کر کے زلیخا نے اسے آرام کرسی پر بٹھا دیا۔

کیسا محسوس کر رہے ہو۔ وہ نذیر سے بولی۔

بہت اچھا...... تم جو پاس ہو...... وہ ہر لمحے زلیخا کو اپنے قریب ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ نذیر نے
اس کی طرف دیکھا۔

میرا مطلب کہ طبیعت کیسی ہے۔ زلیخا نے اس کے پاس دوسری کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

کہا نا کہ بہت اچھی ہے...... تمہاری موجودگی میں کسی دکھ کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ اپنا کمزور
زرد ہاتھ زلیخا کے ہاتھ پر رکھتے بولا۔

وہ کتنا نحیف ہو چکا تھا...... ایک عرصے سے اس کا کھانا بند تھا...... کہاں وہ اس کی لائی ہوئی
چٹ پٹی چیزیں کتنے شوق سے کھاتا تھا۔ ہر تیسرے دن چٹپٹی روسٹ کی فرمائش کرتا......

زلیخا...... کیا سوچ رہی ہو۔ نذیر نے اسے بلایا۔

ہاں...... کچھ نہیں...... تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی۔

دیکھو...... میں بڑا سخت جان ہوں...... ابھی نہیں...... تڑپ کر زلیخا نے اس کے منہ پر ہاتھ
رکھ دیا......

چپ...... خدا کے لئے نذیر آگے کچھ نہ کہنا...... بلکہ کبھی بھی نا...... وہ ہاتھوں پر چہرا رکھ کر
پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ارے...... تم تو سنجیدہ ہو گئی ہو...... وہ بڑی مشکل سے سیدھا ہو گیا۔

تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ تمہیں معلوم تو ہے...... مجھے کتنا دکھ ہوتا ہے۔ آنچل سے چہرا
صاف کرتے بولی۔

مجھے معلوم ہے زلیخا...... کوئی عورت میں نے اتنی پریشان نہیں دیکھی۔ جتنا میں نے تمہیں
بے قرار دیکھا ہے۔ نذیر اپنے دونوں ہاتھ زلیخا کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنی گود میں رکھتے بولا۔

نذیر ...... تم میری خوشی اور میرا اطمینان ہو ...... میں چاہتی ہوں تم ہمیشہ زندہ رہو
میرے سامنے ...... لوگ مجھے تمہاری بیوی کہیں ...... تمہارا کہیں ...... میں تنہا نہیں رہنا چاہتی
زلیخا بیٹی ...... گاڑی آ گئی ہے۔ دروازہ کھول کر اماں دوالاں اندر آ گئی۔
اچھا اماں ...... نذیر کو لا رہی ہوں ...... وہ نذیر کو ایک بازو کے حصار میں باہر لے آئی۔
نذیر نے بھی دوسری طرف سے زلیخا کو تھام رکھا تھا۔
آ گیا میرا شہزادہ ...... دوالاں نے کہا۔
اماں شہزادی بھی ...... وہ زلیخا کے ساتھ چلتے چلتے ایک نظر دیکھ کر بولا۔
زلیخا بڑی دکھ بھری مسکراہٹ سے متبسم ہوئی۔
دوالاں نے دروازہ کھولا ...... ڈرائیور نے دونوں کو ایک ساتھ بٹھا دیا ...... کیونکہ نذیر اکیلا
سفٹ پر بیٹھنا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ دوالاں بھی تالے لگا کر آ گئی۔
مائی صاحب آپ اگلی سیٹ پر آ جائیں۔ ڈرائیور نے کہا۔
دوالاں نے زلیخا کی طرف دیکھا۔
کوئی بات نہیں اماں ...... اگلی سیٹ پر ہی بیٹھ جاؤ ...... زلیخا کے کہنے پر دوالاں اگلی سیٹ
بیٹھ گئی۔
چند دن اور نذیر ہسپتال رہا ...... اس کو دوبارہ داخل کر لیا گیا ...... نذیر کی حالت پہلے سے
زیادہ کمزور ہو چکی تھی۔ اب تو اس سے بات بھی مشکل ہوتی تھی ...... زلیخا اس وقت نذیر
پاس بیٹھی تھی۔
آپ کو ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں ...... نرس نے زلیخا سے کہا۔
کیوں ...... زلیخا گھبرا سی گئی۔
ہاں جاؤ بیٹی ...... میں پاس ہوں نا ...... دوالاں نے پیار سے نذیر کے بال درست کئے۔
زلیخا اٹھی ...... اور نذیر نے ایک دم ویران جیسی بے نور سی آنکھیں کھولیں۔ (جس کا
مطلب تھا کہ جا رہی ہو ...... اور جلد لوٹ آنا)
ابھی آ جاؤں گی ڈاکٹر نے بلایا ہے۔ نذیر نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں اور معمولی سا متبسم ہوا
وہ ست قدم چلتی ...... جیسے ایک ایک قدم دس دس من کا ہو ...... ڈاکٹر جمال کے کمرے میں پہنچی
بیٹھئے ...... ڈاکٹر جمال اپنی میز کی دراز سے فائل نکالتے ہوئے بولے ...... نذیر کی رپورٹ

...... آگئی ہے
بیٹھئے ...... ٹھیک ہے ...... وہ ہاتھ بڑھا کر بولی۔
پہلے آپ مجھ سے وعدہ کیجئے۔ ڈاکٹر جمال نے رپورٹس پر اپنی عینک رکھی۔
وعدہ ...... کیسا وعدہ ڈاکٹر ...... اس کا جگر پاش پاش ہو گیا ...... جیسے کسی تیز دھار خنجر نے کاٹ
دیا ہو اور وہ اپنے جگر پارے اٹھا بھی نہ سکتی ہو ......
جو میں آپ کو بتانے چلا ہوں ...... بڑے حوصلے اور صبر سے برداشت کریں گی۔ مجھے معلوم
ہے آپ بڑے مضبوط اعصاب کی مالک ہیں۔ ڈاکٹر نے بغور زلیخا کے بدلتے رنگ کو دیکھا۔
مجھ میں بڑا حوصلہ ہے ڈاکٹر ...... آپ بات تو کریں۔
ان رپورٹس کے مطابق نذیر کا معدہ چھلنی ہو چکا ہے ...... اور نذیر چند دنوں کا مہمان
ہے ......
کوئی دوائی کارگر نہیں ہو سکتی ...... زلیخا کی آواز حلق میں اٹک گئی۔
اب دوا سے زیادہ دعا کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر جمال نے چہرا جھکا لیا۔
وہ ریزہ ریزہ جسم کے ٹکڑے سمیٹتی اٹھی ...... ڈاکٹر جمال نے فائل اسے دکھانا چاہی۔
اسے کیا کروں گی لے جا کر۔ وہ ست روی سے چل دی۔
کیا کہا ڈاکٹر نے۔ دوالاں اسے دیکھ کر بولی۔
کچھ بھی نہیں ...... کہہ رہا تھا کمزوری بہت ہے۔
اس نے کہا ...... نذیر نے آنکھیں کھولیں ...... پھر بند کر لیں۔
وہ آنسوؤں کے سیلاب کو پلکوں کی دہلیز پر بڑی مشکل سے روکتی رہی لیکن دل کا طوفان
بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس کے اندر ایک طلاطم برپا تھا۔ ایسا قلزم جو اس کی جسمانی عمارت کو توڑ
کر باہر آنے کو تیار تھا۔ اب تو ضبط کا بندھن کچے دھاگے کی طرح ٹوٹتا نظر آ رہا تھا۔ وہ دوالاں
اور نذیر کے سامنے رو بھی تو نہیں سکتی تھی ...... یا خدا یہ کیسی پابندی ہے ...... وہ منہ دھونے کے
بہانے باتھ روم میں چلی گئی ...... وہ خوب روئی ...... برسات جم کر برسی ...... وہاں کوئی روکنے
والا نہ تھا ...... آنسو پلکوں کے حصار کو توڑ کر بہتے جا رہے تھے اور وہ نل کے پانی سے چہرے کو
صاف کرتی جاتی تھی۔ جب سیلاب تھما تو تولیے سے تر چہرا صاف کرتی باہر آ گئی ...... زلیخا کی
متورم آنکھیں دوالاں نے دیکھیں لیکن کچھ کہا نہیں ...... جیسے دونوں ہی ایک دوسرے کی چور

ہوں ......دولاں کا کلیجہ خود بند ہانڈی کی طرح پک رہا تھا۔غم ایک بھانبڑ تھا جو اس کے اندر سلگ رہا تھا۔ زلیخا نے دولاں کو دیکھا اور دولاں نے زلیخا کو......قوت گویائی دونوں کی سلب ہو چکی تھی۔ کسی میں بھی جرات اظہار نہ تھی کوئی بات کرے......زلیخا کے پاس بیٹھ گئی۔ دولاں نے کان کھڑے کئے۔

اماں یہ شور کیسا ہے......زلیخا نے دولاں کے کان میں سرگوشی کی۔

دیکھتی ہوں......دولاں باہر کی طرف لپکی۔

یہ یہ تو......شازیہ......دولاں شازیہ کو بین کرتے دیکھ کر منجمد سی ہوگئی۔

میرا گھر تباہ ہو گیا......گامو میرے بچوں کو یتیم کر کے اس دنیا سے چل بسا۔ وہ گامو کی میت کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

گامو سے نہ جانے کتنے گھر تباہ کئے ہوں گے ......آج تیرا ہو گیا تو کیا ہوا۔ یوں جیسے دولاں کے سینے پر صبر کی سل رکھ دی گئی ہو......

جا گامو......خدا تجھے دوزخ میں ٹھکانہ ملے......میرے بیٹے کو بھی تو نے برباد کیا۔ وہ اندر آتے منہ میں بڑبڑائی۔

کیا ہوا......زلیخا نے کہا۔

آج کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا......دولاں نے سینے پر ہاتھ مارا۔

اماں کیا......نذیر نے زلیخا کی آواز پر آنکھیں کھولیں۔

گامو مر گیا......نشہ کھا کے مرا مردود۔ دولاں نے زلیخا کے کان میں کہا۔

گامو مر گیا......زلیخا کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔

ہاں......مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود......دولاں نے جھک کر نذیر کی پیشانی چوم لی۔

نذیر......بولو نا......کوئی بات تو کرو......نذیر کو اس طرح بے حس و حرکت دیکھ کر زلیخا نے نذیر کے الجھے بالوں کو اپنی انگلیوں سے سلجھایا۔

نذیر نے اپنی پیاسی نگاہیں زلیخا کے اداس چہرے پر ڈالیں ......اور ایک کرب ناک سی مسکراہٹ اپنے خشک ہونٹوں پر پھیلا دی......

نذیر......میری بات کا جواب دو......دولاں بھی اس پر جھک گئی۔

میرے بچے......

لیکن نذیر آنکھیں بند کئے پڑا تھا......صرف اب اس کی سانسوں میں تیزی آ گئی تھی......ہونٹوں پر جیسے تالا سا لگ گیا تھا......اس کے ہونٹوں پر پپڑی سی جم چکی تھی......

اماں......نذیر کا خیال رکھنا......میں ڈاکٹر کو لے آؤں......وہ برق رفتاری سے ڈاکٹر جمال کے کمرے کی طرف بھاگی۔

ڈاکٹر......جلدی آیئے......نذیر سانس کیسے لے رہا ہے۔ مضطرب اور بے چین سی لگ رہی تھی۔

Do not Wory......ڈاکٹر جمال ایک دم کھڑے ہو گئے......

سٹاف......ڈاکٹر سلمان کو بلاؤ......

اور چند لمحوں کی تاخیر نہ ہوئی تھی کہ ڈاکٹر جمال ہیلپر ڈاکٹر سلمان اور نرس کو لئے نذیر کے کمرے میں پہنچ گئے......جہاں وہ زندگی موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔

ڈاکٹر......نذیر سانس کس طرح لے رہا ہے......وہ بولتا بھی نہیں......زلیخا ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی......اس کے ہونٹ شدت غم سے سفید ہو چکے تھے......چہرے کی رنگت زردی مائل تھی۔

مس زلیخا......حوصلہ کیجئے......پلیز......ڈاکٹر جمال نے زلیخا کے شانے کو دبایا......

دولاں آنکھیں پھاڑے صرف دیکھ رہی تھی......یوں لگتا تھا جیسے اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔ وہ پتھر کا بت نظر آ رہی تھی۔

نرس اور ڈاکٹر سلمان نے نذیر کو آکسیجن کا آلہ لگا دیا۔

زلیخا نے دولاں کو اپنے ساتھ لگا لیا......اماں نذیر ٹھیک ہو جائے گا......لیکن وہ تو اس وقت پتھر کی دیوار نظر آ رہی تھی۔ نذیر کی سانسیں بگڑتی جا رہی تھیں۔ وہ دولاں کو اپنے ساتھ لگائے نذیر کی سانسوں کو شمار کرنے لگی۔ شمع بجھنے سے پہلے پھڑ پھڑا اٹھی......نذیر کے سانسوں کی رفتار مدھم ہونے لگی تھی۔ اتنی دھیمی کہ اس کا سانس خود رکنے لگا......دولاں صرف پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی......وہ جسمانی حالت میں زلیخا کی بانہوں میں پتھر کی ہو چکی تھی۔

نذیر......زلیخا کی چیخ نکل گئی......نذیر نے سفید سی بے نور آنکھیں کھولیں اور اپنا بے جان ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی......

نذیر......میری جان......نذیر......تم زلیخا کی جان ہو......نذیر......نذیر کا سانس رک گیا

......آلہ چلنا بھی بند ہو گیا......

ڈاکٹر سلمان اور جمال نے مایوس نگاہ ایک دوسرے کی طرف ڈالی......نذیر کا ہاتھ زلیخا کے ہاتھ میں لڑھک سا گیا اور سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔

نذیر......زلیخا نذیر کے سر پر چہرا رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ڈاکٹر جمال نے زلیخا کو علیحدہ کر کے نذیر کو سفید چادر سے ڈھانپ دیا۔نذیر کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

دولاں نے بیٹے کی موت کا منظر تو نہ دیکھا......وہ نذیر کی بگڑتی حالت دیکھ کر سکتے کی حالت میں ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ جو لوگ زلیخا کو کسی بھی وسیلے سے جانتے تھے......خبر سنتے ہی ماتم کدہ پہنچ گئے۔ زلیخا کے میکے والے اور رحیمہ اپنی ساس اور شوہر کو لے کر پہنچ چکی تھی

......زلیخا کا آفس تجہیز و تکفین کے بعد شام ہوتے ہی ماں بیٹے کو آسودہ خاک کر دیا گیا۔

نذیر کی موت کا سب کو دکھ ہوا......شاید اس لئے کہ وہ ایک عرصہ سے بیمار تھا......اس لئے بھی کہ اس شخص نے زلیخا کو انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا......شہنشاہوں کی طرح اس کے آداب کو ملحوظ رکھا۔کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بیوی اندر داخل ہو اور شوہر مودب کھڑا ہو جائے۔اف اللہ نذیر مت گناہ گار کیا کرو......تم میرے لئے واجب احترام ہو۔اس کا بازو دبا کر کہتی......

اس میں بیوی اور شوہر کی بات نہیں زلیخا......تمہیں عزت دینا میرے فرض میں شامل ہے۔ وہ ہنس کر زلیخا کو اپنے حصار میں لے کر پلنگ پر بیٹھ جاتا۔

نذیر تم تو میری کائنات ہی لوٹ کر لے گئے ہو......تم نے تو کہا تھا کہ میں بڑا سخت جان ہوں......کہاں گئے وہ وعدے......وہ باتیں......یہ وقت......یہ جان لیوا تنہائی......اماں بھی ساتھ چھوڑ گئی......کیا سے کیا ہو گیا۔ حالات کا پانسہ پلٹتے دیر نہیں ہوئی......انسان تو بساط کا مہرہ ہے......پل میں ادھر پل میں اُدھر......ضروری رسومات ہو چکی ہیں ،نذیر تمہیں گئے آج پندرہ دن ہو گئے ہیں......سب جا چکے ہیں......گھر خالی ہو گیا ہے......یہاں صرف تنہائی بال کھولے سو رہی ہے ویرانی دیواروں پر اپنے اپنے پنجے گاڑھے بیٹھی ہے۔ ایک سناٹا ہے......جو میرے اندر کی عمارت کو ہر روز توڑتا ہے۔بھنبھوڑتا ہے۔

وہ اس کے ساتھ ہی گھٹنوں میں سر دیئے تڑپ تڑپ کر رو دی......وہ اس قدر رو رہی تھی کہ اس کے جسم کے خفیف جھٹکوں سے اس کے بے کل اور اضطراب کا انداز لگانا مشکل نہ تھا۔

میری بچی......اب صبر سے کام لو......یہ تو سب جانتے ہیں کہ غم کا ایک پہاڑ تم پر آن گرا ہے......بس بس......کرامت علی نے بڑی محبت سے بلکتی روتی زلیخا کو ساتھ لگا لیا۔

اب صبر کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں......مرنے والوں کے ساتھ کون مر سکتا ہے......رقیہ بانو نے زلیخا کی آنکھیں صاف کیں۔

اماں مر گئی نا......نذیر کے ساتھ مر گئی......اور میں زندہ رہی......زلیخا نے چہرا صاف کرتے ہوئے کہا۔

دولاں تو کمزور عورت تھی......تو بہادر بچی ہے......میری صابر بیٹی......رقیہ بانو نے شفقت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

بیٹی......خدا اپنے بندوں سے امتحان لیتا ہے......کرامت علی بولے۔

ابا......میں کب تک امتحان دیتی رہوں گی......یہ آزمائش کب ختم ہو گی......یہ زندگی کا صحرا......وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

یہ زندگی ہے بیٹا......ایک صحرا ختم ہوتا ہے تو دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔تو سنبھال اپنے آپ کو......

ابا......یہ صحرا......بیوگی کا صحرا تو بہت طویل ہے......نہ جانے کب ختم ہو گا......ایک طویل شب ہجراں......وہ پھر سسک اٹھی......

آج پندرہ سولہ دن تو ہو گئے......تم نے آئندہ کے لئے کیا سوچا۔رقیہ بانو نے کہا۔

میں نے کیا سوچنا ہے۔

میاں جی......باہر آدمی آئے ہیں......ہاجرہ نے آ کر کہا۔

تم بٹھاؤ......آ رہا ہوں......

جی اچھا......وہ اٹھ کر ڈرائننگ روم کی طرف چل دیئے۔

بولو نا بیٹی......تم نے کیا سوچا......رقیہ بانو نے کہا۔

اماں......یہ نذیر کا گھر ہے......اس کی دیواروں سے احساس ہوتا ہے کہ نذیر یہاں ہے......اس کی آواز اب بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے۔زلیخا کو نذیر شدت سے یاد آنے لگا۔

تم ٹھیک کہتی ہو......لیکن تمہارا اتنے بڑے گھر میں تنہا رہنا ٹھیک نہیں......عورت تو بوڑھی بھی ہو

تو دنیا کیڑے ڈالنے شروع کر دیتی ہے......رقیہ بانو نے آئندہ کے لئے اسے محتاط کرنا چاہا۔

زلیخا نے صرف معنی خیز انداز میں دیکھا۔

ہاں اگر دولاں زندہ ہوتی تو پھر بھی کوئی بات نہ تھی......رقیہ بانو بے حد اداس لہجے میں بولیں۔

اماں......

کہو......رقیہ بانو نے آنسو صاف کئے۔

میں نے تو نذیر کو بند دروازوں میں کہا......کہ وہ باہر نہ جائے......لیکن وہ پھر بھی مجھے چھوڑ گیا۔

زلیخا بری طرح ٹوٹ چکی تھی۔

جانے والے کہاں رکتے ہیں بیٹی......وہ چلے ہی جاتے ہیں۔رقیہ بانو نے کہا۔

ہاجرہ بیٹی......

جی بی بی......رقیہ بانو کی آواز سنتے ہاجرہ نے ٹرالی روک لی۔

دو کپ چائے ادھر بھی لے آنا......نگوڑا سر دکھ رہا ہے۔

ابھی لائی بی بی......ہاجرہ جاتے جاتے بولی۔

صبح ناشتہ بھی نہیں کیا آپ نے۔زلیخا نے کہا

تو نے کونسا ناشتہ کیا ہے......میری بچی کھانا پینا تو زندگی میں نہیں چھوٹتا......رقیہ بانو نے زلیخا کے دل سے دکھ کی لہر کو محو کرنا چاہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہاجرہ چائے لے آئی تھی۔

تم بس میرے پاس چلو......یہاں اکیلے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔رقیہ بانو بولیں۔

اماں......وہاں کہاں رہوں گی......اور یہ سامان......اتنا بھرا ہوا گھر۔وہ چاروں جانب نظر پھرا کر بولی......دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔اس کے اندر سے آواز بلند ہوئی۔

کچھ دن تو یہاں تالا لگاؤ......تمہارا باپ اور جمیل آجایا کریں گے دیکھنے......

سامان کی تو خیر کوئی بات نہیں......جب نذیر نہیں رہا......تو سامان کو میں کیا کروں گی......

اماں......میں تو چاہتی تھی کہ سارا گھر کوئی لوٹ کے لے جاتا......لیکن نذیر چھوڑ جاتا۔نذیر میرے پاس رہتا......نذیر......تمہیں کہاں سے لاؤں......تیرا کتنا آسرا تھا۔تیرے بغیر شب کانٹوں پر بسر ہوگی۔وہ بری طرح سے سسک اٹھی......

بس چپ ہو جا میری بچی......تو کونسی کسی کی محتاج ہے۔رقیہ بانو نے زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

ادھر کرامت علی دروازہ بند کر کے اندر ہی آ گئے۔

تو ابھی تک رو رہی ہے......میری بچی ہم پر رحم کھا......اگر تو اس قدر پریشان ہو گی تو ہم بوڑھوں کو چین کیسے آئے گا۔کرامت علی نے بیٹھ کر زلیخا کو ساتھ لگا لیا۔

ابا......میں کیا کروں......اس بھری دنیا سے مجھے خوف آتا ہے......کیسے بسر کروں گی یہ زندگی۔زلیخا نے روتے روتے کہا......

ہاجرہ پانی لا۔رقیہ بانو نے دیکھا۔اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

لو بی بی......ہاجرہ نے پانی کا گلاس زلیخا کو تھمایا۔

اتنی خدمت کی ہے اپنے شوہر کی......ایسی بیبیاں تو صرف بہشت میں ہوں گی......بی بی اتنی پیاری جھیلی......اب صبر سے کام لو بی بی......زلیخا اور سسک سسک کر رو دی......اس کا سانس جیسا کھڑ گیا ہو۔

ہاں زلیخا ہاجرہ ٹھیک کہتی ہے۔

سنا ہے بی بی......زیادہ روئیں تو مرنے والے کے سامنے دریا بن جاتا ہے۔ہاجرہ نے کہا۔

بالکل ٹھیک......ہاجرہ ٹھیک کہتی ہے......زلیخا بیٹی......تم تو پڑھی لکھی ہو......علامہ اقبال کی نظم پڑھی ہو گی تم نے......زلیخا نے کرامت علی کی بات سن کر سرخ آنکھیں اٹھائیں۔

وہی......ماں کا خواب......کرامت علی بولے۔

ہاجرہ دوپہر کے کھانے کا بندوبست کرو......زلیخا نے ایک دم کہا۔

سب انتظام کر لیا بی بی......ہاجرہ اٹھتے ہوئے بولی۔

رقیہ بانو......وہ چہرا آگے کر کے بولے۔

جی......رقیہ بانو ہمہ تن گوش ہوئیں۔

میرا خیال ہے چہلم تک یہیں رہ لیں......بعد میں زلیخا بیٹی کو ادھر ہی لے چلیں گے۔کرامت علی نے جیسے فیصلہ کر لیا ہو۔

بالکل......اپنے کمرے میں رہے......شادی سے پہلے بھی اسی میں رہتی تھی۔رقیہ بانو نے کہا۔

وہاں تو بھابی کا سامان پڑا ہوا ہے۔زلیخا نے کہا۔

پھر کیا ہوا......کمرہ تو تمہارا ہے......رقیہ بانو نے کہا۔

صائمہ کے پاس رہ لینا...... ویسے بھی اس کی رخصتی ہونے والی ہے۔ کرامت علی بولے۔

نہیں ابا...... وہی کمرہ درست ہے...... ایک چارپائی تو ہے۔ وہ ایک دم سے خوفزدہ ہو گئی...... بیوگی کا ایسا داغ ہے جو اچھوت کے مرض کی طرح چپک جاتا ہے...... اور لوگ تھو تھو کرتے ہیں...... تھوتھو کرتے ہیں۔

کیوں بیٹی...... صائمہ کے ساتھ رہ لینا...... وہ کمرہ بڑا بھی ہے...... رقیہ بانو نے کہا۔

ابھی میرے لئے اوپر والا میرا کمرہ ہی ٹھیک ہے...... جب صائمہ اپنے گھر کی ہو جائے گی تو میں نیچے شفٹ ہو جاؤں گی۔ وہ ایک دم سے دوٹوک فیصلہ کرتے بولی۔

اچھا جہاں مرضی رہ لینا...... تمہارے باپ کا گھر ہے...... کسی کا حصہ نہیں اس میں...... بانو نے اس کو خاصی تسلی تشفی دی۔ باپ کا گھر ہے تو ارادہ بدل لیا ہے...... ورنہ یہاں رہتی۔

ابھی ہم زندہ ہیں بیٹی...... ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی دکھ پہنچے...... یہ کیسے ہو سکتا۔ رقیہ بانو نے کہا۔

تیری ماں ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹی...... ہمارے سامنے رہو گی تو ہماری پریشانی میں اضافہ نہیں ہوگا۔

بس بائیس دن اور گزر گئے۔

چہلم کی تاریخ آن پہنچی...... نثار صاحب نے ہمیشہ کی طرح بہتر طریقے سے انتظامات تھے۔ غریبوں اور ضرورت مندوں کو روٹی، کپڑا اور ضروریات زندگی تقسیم کی گئیں۔ ہر کام بڑے سلیقے اور منظم طریقے سے ہوا۔ شام کو مہمان رخصت ہو چکے تھے...... صرف اہل خانہ موجود تھے۔

اماں...... یہ چہلم تھا یا کسی ریاست کے نواب زادے کی رسم تاجپوشی۔ رحیمہ نے اندر آتے ہوئے رقیہ بانو کو دیکھ کر کہا۔ طنز کا پہلو اب بھی عیاں تھا۔

زلیخا نوکری کرتی ہے...... اپنے ملنے جلنے والوں کو دعوت تو دینا تھی۔ رقیہ بانو نے کہا۔

کیا ضرورت تھی اتنا خرچ کرنے کی...... نشی کا یہی حال ہونا تھا...... رحیمہ نے ناک سے اظہار نفرت کیا۔

ایسا نہ کہو بیٹی...... اس کے سر کا تاج تھا...... توبہ کرو...... رقیہ بانو کو اچھا نہ لگا......

ہنہ...... سر کا تاج...... رحیمہ کی نفرت پھر بھی کم نہ ہوئی۔

خاموش ہو جاؤ...... وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے...... رقیہ بانو تلملا کر بولیں۔

کہاں ہے زلیخا...... کرامت علی نے اندر آتے ہوئے کہا۔

نظر نہیں آ رہی...... میرا خیال ہے باجرہ کو لے کر قبرستان گئی ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

نثار صاحب ملنا چاہتے ہیں۔

اب تو رات ہونے کو آئی ہے...... پھر کبھی بات کر لیں۔ رقیہ بانو نے کہا۔

اماں خدا حافظ......

خدا حافظ بیٹی...... بچوں کو پیار دینا اور رحیمہ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی۔

زلیخا کی ماں...... کرامت علی اس وقت پلنگ پر صرف رقیہ بانو کو دیکھ کر بولے

جی...... رقیہ بانو شوہر کے تیور سے پہلے اندازہ لگا چکی تھیں...... اسے اپنی زبان پر کنٹرول کیوں نہیں ہے۔ وہ تلخ انداز میں بولے۔

کس کی بات کر رہے ہیں آپ۔ رقیہ بانو حیرت سے بولیں۔

میں رحیمہ کی بات کر رہا ہوں...... یوں جلی کٹی سنانے سے اچھا نہیں ہے کہ خاموش رہے۔ وہ جوش میں بولے۔

میں نے خود سمجھایا ہے اسے......

اسے سمجھاؤ...... تکبر خدا کو پسند نہیں ہے...... زلیخا سب کا خیال رکھتی تھی...... اس کے ساتھ کیا ہو گیا۔ کسی سے برا بول نہیں بولا تھا۔ وہ پلنگ پر بیٹھ گئے۔

اب آئے گی تو سمجھا دوں گی...... آپ خود کو آزردہ مت کریں۔ رقیہ بانو نے کہا۔

اس کے گھر جا کر سمجھانا...... میں نہیں چاہتا کہ زلیخا کے کان میں کوئی بھنک پڑ جائے...... اور وہ ہم سب سے کٹ جائے...... بڑی حساس ہے میری بیٹی...... وہ بہت غمزدہ لگ رہے تھے۔

آپ کیوں دل پر لے کر بیٹھ گئے...... اس کی تو زبان ہی ایسی ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

میں اپنی زندگی میں زلیخا کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا......

بس خاموش ہو جائیے...... زلیخا آ گئی ہے۔ رقیہ بانو نے دیکھا وہ لٹی لٹی اندر آ رہی تھی...... شکستہ ٹوٹی ہوئی۔

☆

رقیہ بہن ...... زلیخا اب یہاں رہے گی۔ شاہدہ کی والدہ جو چند دنوں سے بیٹی سے ملنے آئی ہوئی تھیں ...... ناک پر انگلی رکھ کر بولیں۔

اور کہاں ...... اس بھری جوانی میں اسے اکیلی کہاں چھوڑوں ...... رقیہ بانو حد درجہ ملول ہو رہی تھیں۔

اس کے سسرالی رشتہ داروں میں اور کوئی نہیں ...... زاہدہ بیگم نے کہا۔

کیا مطلب؟ رقیہ بانو چونک سی گئیں۔

مطلب یہ کہ رقیہ بہن کہ اب زلیخا کو سنبھالنا سسرال کی ذمہ داری ہے۔ زاہدہ بیگم نے کہا۔

سسرال میں ایسا کوئی نہیں ...... ایک ساس تھی ...... وہ بھی بیچاری اللہ کو پیاری ہو گئی۔ رقیہ نے بغور زاہدہ بیگم کی طرف دیکھا۔

اماں زاہدہ بیگم اور رقیہ بانو نے ایک دم شاہدہ کو دیکھا۔

کیا بات ہے دلہن ...... رقیہ بانو شاہدہ کے ماتھے کی سلوٹیں دیکھ کر بولے۔

اوپر والے کمرے میں اب زلیخا رہے گی۔ شاہدہ تلخ سی بولی۔

ہاں بیٹی ...... اسی کا کمرہ تھا ...... اسی میں رہے گی۔ رقیہ بانو نے کہا۔

لیکن وہاں تو میرا خاصا سامان پڑا ہے ...... شاہدہ نے کہا۔

تمہارا سامان پڑا رہے ...... کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رقیہ بانو مسکرا دیں۔

صائمہ، رحیمہ کے کمرے میں رہ لے نا زلیخا ...... وہ کمرہ بڑا بھی ہے۔ شاہدہ نے کہا۔

نہ نہ ...... زلیخا کا تو سایہ بھی صائمہ یا شاہدہ پر نہ پڑنے دینا ...... ایک دم زاہدہ بیگم اچک کر بولیں۔

کیوں ...... اسے کوئی اچھوت کا مرض لاحق ہے ...... رقیہ بانو کو ناگوار گزرا۔

میری بہن ...... بات کا برا نہ منانا ...... شاہدہ سہاگن ہے ...... اور صائمہ کچھ ماہ بعد دلہن ہونے والی ہے ...... بیوہ عورت کا تو سایہ بھی نہیں پڑنا چاہئے ......

ٹن سے کلاک نے دو بجائے اور زلیخا اندر داخل ہوئی۔

آداب ...... زلیخا نے کہا۔

جیتی رہو ...... بیٹھے بیٹھے ہی زاہدہ بیگم نے کہا۔ نہ سر پر پیار نہ ہونٹوں پر تبسم۔ زلیخا کو دیکھتے ہی شاہدہ واپس کچن میں چلی گئی۔

ارے نہیں زلیخا تم اپنے کمرے میں جاؤ ...... کام میں خود کر لوں گی۔ شاہدہ نے دور سے زلیخا کو کچن کی طرف آتے دیکھ کر کہا۔

اچھا ...... وہ پژمردہ سی زینہ چڑھ گئی۔

شاہدہ بیٹی ...... زلیخا کو ایک کپ چائے بنا دو ...... اندر بیٹھے بیٹھے رقیہ بانو نے کہا۔

بن جائیگی چائے ...... سالن تو پکا لوں۔ شاہدہ نے کچن میں بیٹھے بڑی رکھائی سے کہا۔

رقیہ بانو نے محسوس تو کیا ...... لیکن زاہدہ بیگم کے سامنے خاموش رہیں۔ جب سے زلیخا اس گھر میں آئی تھی ...... شاہدہ کا مزاج اُکھڑا اُکھڑا سا لگ رہا تھا ...... یا وہ زاہدہ بیگم کے ہتھے چڑھ چکی تھی ...... زاہدہ بیگم نہایت چالاک شاطر عورت تھی ...... رقیہ بیگم محسوس کر رہی تھیں کہ زلیخا کو اچھوت سمجھا جا رہا ہے ...... شاہدہ زیادہ تر کوشش کرتی ہے کہ زلیخا سے دور رہا جائے ......

شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے ...... آفس سے واپسی پر زلیخا اپنے کمرے میں ہی تھی ...... وہ نیچے کم ہی اترتی تھی ...... وہ والدین کے علاوہ سب کے فرداً فرداً رویوں پر غور کر رہی تھی ...... صائمہ تک اس سے بچنے لگی تھی ...... ہو سکتا ہو کہ رحیمہ اور زاہدہ بیگم نے صائمہ کے کان میں کچھ ڈال دیا ہو۔

دروازہ کھلا اور رقیہ بانو ہاتھ میں ٹرے لئے داخل ہوئیں۔

لو بیٹی کھانا کھا لو ......

اماں ...... آپ ...... مجھے کہا ہوتا ...... میں لے آتی ...... ایک دم اٹھ کر زلیخا نے رقیہ بانو سے ٹرے پکڑ لی۔

کوئی بات نہیں میری بچی ...... ماں جو ہوں ...... وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

زلیخا نے چونک کر رقیہ بانو کی طرف دیکھا ...... ان تین الفاظ میں ایک داستان پوشیدہ تھی۔

کوئی بات ہوئی ہے۔ زلیخا نے سالن اپنی پلیٹ میں ڈالا۔
نہیں بیٹی ...... بات کیا ہونی ہے ......اس عمر میں جو دھچکا لگا ہے نا ......وہ بڑی بُ
رہی تھیں۔
آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں ...... میرے ساتھ کھانا کھائیں۔ زلیخا نے رقیہ
سامنے پلیٹ کی اور نصف روٹی ان کے ہاتھ میں دبا دی۔
تم کھاؤ ...... مجھے تو بھوک نہیں ہے۔ وہ بڑی مجبوری ایک لقمہ سالن سے لگاتے بولیں۔
اماں ......بھوک کہاں لگتی ہے ......زندہ رہنے کے لئے کھانا پڑے گا۔
ہاں بیٹی ......رقیہ بانو نے ٹھنڈی آہ کے ساتھ منہ میں رکھے لقمے کو نگل لیا۔
مجھے یاد آیا ......رقیہ بانو ایک دم سے بولیں۔
کیا ......زلیخا نے کہا۔
تیری عدت والی چھٹی منظور ہوگئی۔ وہ بولیں۔
نثار صاحب نے اسی دن اطلاع دے دی تھی ...... جس دن ہم آئے تھے۔
اچھا ......اور وہ سامان ...... رقیہ بانو کو بھرے ہوئے گھر کی تشویش ہوئی۔
باس بہت ہی اچھا اور نیک انسان ہے ......انہوں نے کہا ہے کہ جب تک آپ ہماری
کام کریں گی ......مکان آپ کا ہے۔ زلیخا مطمئن نظر آ رہی تھی۔
اللہ بھلا کرے ...... ایسے لوگ عام حالات میں کہاں ملتے ہیں۔ رقیہ بانو نے کہا۔
وہ خاموش زہر مار کرتی رہی ......
کبھی کبھی گھر کی خبر لے آیا کرنا ......کوئی چور اچکا ......
نہیں نہیں اماں ...... چور اچکا وہاں نہیں آ سکتا ...... ہمہ وقت تو چوکیدار نگرانی پر
...... ویسے بھی میں خان بابا کو کہہ دیا ہے ......وہ آخری لقمہ نگل کر گلاس رکھ کر بولی۔
ابا نہیں آئے ...... زلیخا نے کہا۔
ابھی تک تو نہیں آئے ...... بڑی دیر کر دی۔ رقیہ بانو نے کہا۔
اب ابا سے کام نہیں ہوتا ...... میرا خیال ہے چھوڑ دیں ملازمت ...... زلیخا کو
بڑھاپے پر رحم آ گیا۔
کیسے چھوڑ دیں بیٹی ...... صائمہ اپنے گھر کی ہو جائے تو پھر دیکھا جائے گا۔ رقیہ

نجیدگی سے کہا۔
جب صائمہ کا رشتہ کیا ہے ......کیسے لوگ ہیں ...... میں تو اپنی پریشانیوں میں گھری ہوئی تھی۔
داداس ہوگئی۔
اچھے لوگ ہیں ......لڑکا جہازوں کے محکمے میں کام کرتا ہے۔ گھر بار بھی اچھا ہے ...... بہت
نی ہوئی ہے ......وہ آنکھیں پھیلا کر بولیں۔
خدا مبارک کرے ......رحیمہ کی طرح صائمہ کے مقدر بھی روشن ہوں ......وہ اٹھتے ہوئے بولی۔
تیرا غم جو میری جان کا روگ بن گیا ہے ...... سب خوشیاں اسی میں دب کر رہ گئیں ہیں۔ وہ
ن بہنے لگیں۔
میرا غم مت کرو اماں ......اب ہو بھی کیا سکتا ہے ...... جیسے زلیخا نے غم کو جھٹک دیا ہو۔
یہ بیوگی کی شب بڑی خوفناک ہوتی ہے ......اس سیاہی میں تو دونوں جہان ویران اور کھنڈر
ظر آتے ہیں ......اس سوچ کے ساتھ ہی رقیہ بانو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
نذیر جیسا بھی تھا ......وہ میرے اوپر سائباں تھا ...... میری اوٹ تھی۔ اب وہ نہیں رہا تو یوں
لگتا ہے جیسے میری چادر چھین لی ہے ...... میں بے پردا ہوگئی ہوں ...... باہر گھر میں یوں لگتا
ہے ...... جیسے ہر شخص مجھے گھور رہا ہے ...... میرے بدن پر بیوگی کے لگے زخم کو کریہہ نگاہوں
سے دیکھتا ہے ......لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں ......آخر میں زلیخا کی آواز حلق میں اٹک گئی
......وہ چہرا چھپا کر سسک سسک کر رو دی۔
میری بچی ...... بس رونا نہیں ......تو بڑے صبر والی ہے ......رقیہ بانو نے زلیخا کو ساتھ لگا لیا۔
زلیخا کی ماں ......نیچے سے کرامت علی کی آواز آئی۔
لو ......تمہارے ابا بھی آ گئے ...... چہرا صاف کر لے ...... تمہیں معلوم ہے ......وہ تمہیں اس طرح
دیکھ کر کتنے دکھی ہو جاتے ہیں۔ زلیخا نے جلدی سے چہرا صاف کیا۔ اور کرامت علی اوپر ہی آ گئے۔
ہاں بھئی تم نے کب سے ڈیرہ اوپر لگا لیا۔ وہ زلیخا کو بغور دیکھ کر بولے۔
آپ نے دیر کیوں لگائی۔ رقیہ بانو بمشکل ہنس دیں۔
زلیخا نے بھی ایک درد بھری مسکراہٹ کے ساتھ باپ کو دیکھا۔
تھک گئے نا ابا ......زلیخا نے کہا۔
وہ بیٹھ گیا ......اب تو یہ سیڑھیاں ماؤنٹ ایورسٹ لگتی ہیں۔

تینوں ایک ساتھ ہنس دیئے......

تم رو رہی تھی۔ کرامت علی نے زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

نہیں ابا......وہ رقیہ بانو کو دیکھ کر جھوٹ کا سہارا لے کر بولی۔

بیٹی ......تمہاری زبان جھوٹ بول رہی ہے لیکن تمہاری آنکھیں نہیں......وہ محبت سے زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

نہیں ابا......آپ کو ایسے لگ رہا ہے......وہ پھر بولی۔

دیکھو بیٹی......آنکھیں آئینہ ہوتی ہیں......دل میں جو بھی ہو......ان میں نظر آ جاتا ہے......زلیخا کی ماں......ٹھیک ہے نا......وہ رقیہ بانو کی طرف منہ کر کے بولے۔

ٹھیک کہتے ہیں آپ......رقیہ بانو نے کہا۔

پھر میں کیا کروں......یہ زخم مندمل کب ہوگا......وہ بے قرار انداز میں باپ کے ساتھ لگ کر سسک اٹھی۔

تو تو حوصلے اور صبر کی چٹان ہے میری بچی......وہ تو چلا گیا......تمہیں اپنے آپ پر قابو رکھنا ہوگا میری بچی......دنیا تمہارے ساتھ ہنسے گی ضرور......لیکن تمہارے دکھ میں شریک ہو کر روئے گی نہیں......اب یہ صدمہ تمہیں اکیلے ہی سہنا ہوگا......میری بچی......وہ محبت سے زلیخا کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے بولے۔

کھانا اوپر لے آؤں......ابا......زلیخا نے کہا۔

نہیں بیٹی......نیچے چلتے ہیں......آؤ زلیخا کی ماں......وہ افسردہ رقیہ بانو کو دیکھ کر بولے

چلئے......چلو بیٹی تم بھی۔ وہ خاموش سی بولیں۔

زلیخا کی ماں ہنسو......پہلے دن سے ہی تم افسردہ اچھی نہیں لگتی۔ وہ خود بھی ہنس دیئے۔

جانے بھی دیجئے......آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے......رقیہ بانو کے ساتھ زلیخا بھی ہنس دی۔

یوں کرب و طرب میں بہت دن گزر گئے۔ زلیخا اپنے کمرے میں بند رہ کر تنگ آ گئی تھی......گھر والوں کا سامنا کرتے وہ گھبراتی تھی۔ نفرتوں اور صدیوں پرانے رواجوں کے چھوڑنے والی عورت زاہدہ بیگم ابھی تک موجود تھی۔ اتنے عرصے کے بعد تو آئی تھی......قیام و طعام کے بعد ہی رخصت ہوں گی......لیکن ان کے ہوتے ہوئے زلیخا کو ایک حجاب مانع تھا۔ نہ جانے اس عورت کا دیکھنا کیسا تھا کہ زلیخا اپنے آپ کو یوں محسوس کرتی جیسے

ہو......شازیہ کا مزاج تو ایک عرصے سے بگڑا ہوا تھا۔ شاید اس کے کمرے پر زلیخا کا قبضہ حالانکہ وہ سامان وہاں موجود تھا......جس کی روزانہ ضرورت نہیں پڑتی تھی......کبھی ہو سکتا تھا......یا اس کو زلیخا کے وجود سے نفرت تھی......وہ نہیں چاہتی تھی کہ زلیخا اس گھر بہو کی صورت میں آتی......بیوہ عورت ایک آسیب کی طرح ہوتی ہے......یہ آسیب ہی تو جوان عورت کو چمٹ سکتا ہے۔ خاص طور سے لڑکیوں بالیوں کو تو اس سے دور ہی رہنا چاہئے۔

اس وقت دن کے گیارہ بج چکے تھے۔ کرامت علی اور جمیل کام پر گئے ہوئے تھے۔ برآمدے میں جمیل کے بچے زمین پر بچھی قالین نما دری پر کھیل رہے تھے......سامنے چوکی پر زلیخا اور رقیہ بانو بیٹھی تھیں......سامنے کچھ ہی فاصلے پر زاہدہ بیگم آرام کرسی پر تشریف فرما تھیں۔

اماں......رحیمہ اور خالہ آئی ہیں۔ صائمہ نے دروازے میں جاتے ہوئے کہا۔

السلام علیکم......زاہدہ بیگم نے اٹھ کر رحیمہ کو گلے سے لگایا۔

ارے زلیخا آپا......تم کب آئیں......زلیخا محبت سے اسے ملنے کو بڑھی......لیکن وہ کلیجہ مسوس کر رہ گئی۔ جب رحیمہ نے زلیخا کو وہیں اپنے ہاتھوں پر روک لیا......

میں تو بہت دیر سے آئی ہوئی ہوں۔ زلیخا اپنے اندر اٹھنے والے طوفان کو دبائے واپس اپنی نشست پر چلی گئی......یہ قیامت کا منظر سب نے دیکھا......سوائے رقیہ بیگم کے سب کو رحیمہ کی حرکت اچھی لگی......

برآمدے میں بچھی کرسیوں پر سب بیٹھ گئے......

زلیخا سے بیٹھنا محال تھا۔ جب ضبط کا چارا نہ رہا تو وہ اٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

آپا بیٹھو نا......رحیمہ نے کہا۔

نہیں......میں تم لوگوں کی محفل میں بیٹھنے کے قابل نہیں......وہ برق رفتاری سے زینہ چڑھ گئی۔

نذیر......دیکھا تم نے......لوگ کیسا سلوک کرتے ہیں......کوئی مجھ سے بلکہ میری بہنیں مجھ سے ملنے کو تیار نہیں......نذیر کا ہیولہ گھوم گیا۔ وہ تکیے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

نذیر تم زندہ رہتے......تمہارا جیون میرے لئے سکون کا باعث تھا۔ لوگ نفرت نہیں کرتے......وہ اوندھے منہ گری تڑپ تڑپ کر روتی رہی۔ میری زندگی میں تیری کمی رہ گئی ہے نذیر......تم جس طرح بھی تھے......میرا سہاگ تھے......تمہیں کہاں سے لاؤں......کہاں ہو

تم ...... وہ روتی رہی ...... روتے روتے جب ہچکی بندھ گئی تو اٹھ کر گلاس پانی پیا۔ برآمد
میں قہقہوں کی آواز اس کے جگر پر آرے چلا رہی تھی۔

رحیمہ بیٹی بچے کہاں چھوڑ آئی ہو۔ زاہدہ بیگم نے کہا۔

گھر میں ہیں ...... ملازمہ جو ہے۔

صائمہ ...... چائے بناؤ ...... رقیہ بانو نے کہا۔

بھابی نے رکھ دی ہے چائے۔ صائمہ نے کہا۔

اماں ...... میرا خیال ہے آپا ناراض ہوگئی ہیں۔ رحیمہ کو یاد آیا۔

اچھا ہوا ...... کم از کم تیرے پاس تو نہ پھٹکے گی۔ رقیہ بانو کو غصہ آ گیا۔

دیکھو بہن! ناراضگی کی بات نہیں ...... اسے خود ہی خیال ہونا چاہئے۔ زاہدہ بیگم نے کہا۔

ہاں آپا ...... میں تو خود نہیں چاہتی کہ بیوہ کا سایہ میری بہو پر پڑے۔ زبیدہ بانو نے رقیہ
کی طرف دیکھا۔ زبیدہ بانو کے لہجے میں انتہائی تکبر اور نخوت جھلک رہی تھی۔

خدا سے ڈرو ...... زبیدہ بانو ...... وہ اس طرح ذلیل ہونے کے لئے خود اپنے شوہر کو نہیں
آئی ...... رقیہ بانو کو زبردست طیش آ گیا۔

کرنا تو خدا کا ہی ہے ...... بس ذرا خوف آتا ہے۔ زاہدہ بیگم نے کہا۔

رقیہ بانو نے شاہدہ کے چہرے پر بھی نفرت اور ناپسندیدگی کے تاثرات دیکھ لئے تھے۔

اماں ...... آپ کو بہت برا لگا ...... رحیمہ نے ہنس کر کہا۔

میں تو ماں ہوں ...... جس کو تکلیف ہوگی کلیجہ میرا ہی پھٹے گا ...... شاہدہ اٹھی اور نزا
معہ لوازمات کے چائے لے آئی۔

لاؤ بھابی میں بناتی ہوں ...... زاہدہ بیگم نے رحیمہ کو نرالی اپنی طرف گھسیٹتے دیکھا ...... وہ
کس قدر روپ تھا اس پر ...... ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی ...... وہ آج بھی بالکل نوجوان لگ
آ رہی تھی۔

رحیمہ نے سب کے لئے چائے بنائی ...... اور صائمہ نے سب کو تھما دی ......

صائمہ ...... آپا کو دے آؤ۔ رحیمہ نے صائمہ کو کہا۔

خبردار! اگر تم میں سے کوئی گیا اس جنم جلی کے پاس ...... میں اس کے پاس جاؤں
باپ ...... تم لوگوں کا کوئی واسطہ نہیں ...... صائمہ نے رقیہ بانو کو شدید غصے میں دیکھ

واپس میز پر رکھ دیا ...... رقیہ بانو دوپٹے کے آنچل سے آنسو صاف کرتے روتی رہیں اور
کرامت علی داخل ہوئے۔

ابا سلام ...... رحیمہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

جیتی رہو ...... زبیدہ بہن تم نے کیسے پیر باہر نکال لیا۔ وہ ایک خالی کرسی دیکھ کر بیٹھ گئے۔

میں نے تو پیر نکال لیا ...... بھائی صاحب آپ کا تو کبھی باہر نکلا ہی نہیں ...... زبیدہ بانو نے
برجستہ جواب دیا۔

تمہیں معلوم ہے ...... کیسی افتاد پڑی ہے ...... سب کام چوپٹ ہو گیا۔ وہ رومال سے چہرا
صاف کرتے بولے۔

باپ کو چائے دو ...... رقیہ بانو نے صائمہ سے کہا۔

صائمہ وہی کپ کرامت علی کو پکڑا دیا۔

زلیخا نظر نہیں آ رہی۔ کرامت علی اِدھر اُدھر دیکھ کر بولے۔

سب نے چونک کر دیکھا۔ ابھی اوپر گئی ہے۔

چائے دی اس کو۔ وہ بولے

صائمہ چلی تھی چائے دینے ...... وہ بولیں۔

لاؤ ...... میں لے جاؤں ...... وہ بھی جانتے تھے کہ بیوگی کا زہر کس طرح اس گھر میں پھیلا
ہوا ہے ...... اور جس دن سے زلیخا اس گھر میں آئی ہے کوئی سیدھے منہ اس سے بات کرنا پسند
نہیں کرتا۔

صائمہ چائے بنا کر کپ باپ کو پکڑاؤ ...... وہ خود ہی لے جائیں گے۔ رقیہ بانو نے خفا خفا
سے انداز میں کہا۔

اچھا اماں ...... ندامت بھرے انداز میں صائمہ نے چائے بنائی اور کرامت علی کو کپ پکڑا
دیا۔ میں جا تو رہی تھی ...... وہ آہستہ سے بولی۔

وہ خاموش اپنا اور زلیخا کا کپ لے کر اوپر چلے گئے۔

ماحول پر سکوت سا ہو چکا تھا ...... سب کے دلوں میں اپنی اپنی سوچیں جنم لے رہی تھیں۔

چند لمحے گزر جانے کے بعد رحیمہ نے اپنے پرس میں ہاتھ ڈالا ...... اور سفید رنگ کے
خوبصورت لفافے نکالے۔

رحیمہ...... یہ کیا ہے۔ صائمہ نے جھک کر حیرت سے دیکھا۔

یہ کارڈ ہیں ...... ڈوڈو کی پہلی سالگرہ ہے نا...... یہ لو صائمہ جن جن کے نام لکھے ہیں ان
دے دو۔ رحیمہ نے لفافے صائمہ کو دے دیئے۔

صائمہ نے شاہدہ اور زاہدہ بیگم کو پکڑا دیا...... اور یہ اماں آپ کا، ابا کا...... صائمہ نے رقیہ با
کی گود میں رکھا۔

اماں ضرور آیئے گا...... رحیمہ نے اصرار کیا۔

ہاں بیٹی کیوں نہیں ...... پوتے کی سالگرہ ہے ...... ضرور آؤں گی۔

رقیہ بانو نے غصیلے جذبات کو دبا کر مسرت بھرا اظہار کیا۔

اور اماں یہ...... صائمہ نے کارڈ پکڑ کر رحیمہ کی طرف دیکھا۔

یہ آپا کا ہوگا...... اوپر جا کر دے آؤ نا...... رحیمہ نے کہا۔

ہرگز نہیں ...... تمہیں اس کا نام لکھنے سے پہلے سوچنا چاہئے تھا کہ وہ تمہارے اس فنکشن میں
آنے کے قابل بھی ہے کہ نہیں...... رقیہ بانو نے صائمہ کے ہاتھ سے کارڈ چھین کر رحیمہ کی گو
میں رکھ دیا......

اماں کیا کرتی ہیں آپ ...... رحیمہ نے جھلا کر کہا۔ لیکن ندامت بھی ہوئی......

کیوں زاہدہ بیگم ٹھیک ہے نا...... ایسے موقعوں پر بیوہ کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہئے نا...... رقیہ
بانو نے زبردست طنز کا ایسا تیر چھوڑا کہ شاہدہ اور زاہدہ بیگم دونوں ہی مارے ندامت کے کچھ
بول نہ سکیں۔

اچانک باہر والا دروازہ کھلا ...... بنی سنوری خوبصورت خاتون پیارے سے گول مٹول بچے کو
اٹھائے اندر داخل ہوئی۔

زلیخا...... حسب عادت وہ بولیں۔

ارے ...... یہ تو ثنا ہے۔ رقیہ بانو ایک جست میں اٹھیں ...... اتنی دیر میں ثنا اندر آ چکی تھی۔

اداب ...... اداب ...... حسب دستور ثنا نے سب کو سلام کیا۔

ثنا باجی ...... آپ ...... کہاں ٹپک پڑیں ...... رحیمہ اور صائمہ اس سے لپٹ گئیں۔

اس کا جوبن دیکھ کر رحیمہ کو حیرت ہوئی۔

وہ بیٹے کو گود میں لئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

اماں! آپ بہت کمزور ہو رہی ہیں۔ ثنا نے رقیہ بانو کو دیکھ کر کہا۔

بس بیٹی وقت ہی ایسا ہے کہ غم دل سے نکلتا ہی نہیں ......

مجھے معلوم ہے ...... زلیخا پر بہت بڑی افتاد پڑی ہے ...... میں پرسوں ہی دوبئی سے آئی ہوں
امی نے بتایا...... یقین جانیے بہت دکھ ہوا۔ ثنا نے افسردہ سا منہ بنایا۔

اب کیا کیا جا سکتا ہے ...... رقیہ بانو نے کہا۔

باقی سب خاموش اسے بٹر بٹر دیکھے جا رہے تھے۔

اچھا اماں ...... زلیخا کا گھر کدھر ہے ...... میں اس سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔

زلیخا تو تقدیر کی ماری ادھر ہی ہے ...... اکیلی کہاں رہتی ...... رقیہ بانو نے کہا۔

کہاں ہے ...... وہ بولی۔

میں بلاتی ہوں ...... اس کے ساتھ ہی رقیہ بانو صحن میں چلی گئیں۔

زلیخا بیٹی ...... دیکھو کون آیا ہے۔

کون ہو سکتا ہے ...... کون ہے میرا جو ملنا چاہے گا۔ وہ کرامت علی کی طرف منہ کر کے بولی۔

دیکھ لو ...... اکثر ملنے والے بھول بھی جاتے ہیں۔ کرامت علی اخبار میز پر رکھتے ہوئے بولے۔

آئی اماں ...... وہ رقیہ بانو کی دوسری آواز پر دیوار پر جھکی۔

بیٹی ثنا آئی ہے ...... تمہاری سہیلی ......

ثنا ...... وہ راستہ کیسے بھول گئی ...... اور زلیخا زینہ اتر آئی۔

ثنا......

زلیخا......

ثنا بیٹے کو رقیہ بانو کو تھما کر زلیخا سے لپٹ گئی۔

چل ہرجائی ...... تم سے تو بولنا نہیں چاہئے ...... زلیخا نے ایک مرتبہ پھر ثنا کو گلے لگا لیا۔

ڈوڈو یہ تیری پیاری سی آنٹی ...... آنٹی نہیں خالہ ...... ثنا نے کہا۔

لے لوں گود میں ...... زلیخا جھجک رہی تھی ...... کہیں ثنا بھی برا نہ منا لے۔

تو کیا اور سے پیار کرے گی ...... خالہ ہے تو اس کی ...... ثنا نے ڈوڈو کو رقیہ بانو کی گود سے اٹھا
کر زلیخا کو تھما دیا۔

کتنا پیارا ہے ہمارا بھانجا ...... زلیخا نے ڈوڈو کے سرخ سرخ رخساروں پر پیار کیا۔

اب باہر ہی کھڑی رہو گی اندر نہیں چلو گی......

ادھر برآمدے میں آ جاؤ......ثنا باجی......صائمہ نے کہا۔

دونوں سہیلیاں برآمدے میں واپس آ گئیں۔ ڈوڈو ابھی تک زلیخا کی گود میں تھا اور بڑا خوش نظر رہا تھا۔

زلیخا آپا......چائے بناؤں......صائمہ نے کہا۔

پہلے ابا کو آواز دو......زلیخا نے صائمہ سے کہا۔

صائمہ پرس بھی لے آنا......کچھ منگوانا ہو گا۔ ثنا نے شریر انداز میں کہا۔

سب کا قہقہہ بلند ہوا۔

تیری عادت نہیں بدلی۔ چٹوری......صائمہ ہنستی ہوئی اوپر گئی اور کرامت علی کے ساتھ ہی نیچے اتر آئی۔

ابا آداب......ثنا نے سر جھکایا۔

اور کرامت علی نے شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

جیتی رہو بیٹی......خدا سکھی رکھے۔

یہ بیٹا ہے ثنا کا......زلیخا نے کہا۔

ماشاءاللہ، ماشاءاللہ......بڑا پیارا بچہ ہے۔ کرامت علی نے ڈوڈو کا ماتھا چوم لیا۔

ابا! یہ لیجئے پیسے اور کافی چیزیں لے آئیے......برفی ضرور منگوانا......وہ جاتے جاتے بولی۔

ہاں......ابا برفی ضرور لائیے گا......

آپا......چکن روسٹ، دہی بھلے......اور پیٹس......صائمہ نے کہا۔

ٹھیک ہے......اس کے علاوہ دو تین اچھی اچھی مٹھائی......بس کوئی کمی نہ رہ جائے۔ چیزیں زیادہ ہوں کم نہ ہوں......زلیخا نے تاکید بھرے انداز میں کہا۔

صائمہ چائے رکھو......میں رکشے میں گیا اور یوں آیا۔ وہ جاتے جاتے بولے۔

ذرا ٹھہر کے رکھنا چائے۔

زلیخا اندر چلی گئی......

میری پسند کی چیزیں منگوائی ہیں نا......ثنا ہنس کر بولی۔

سب تیری پسند کی۔

اچھا......اماں مجھے اجازت دیجئے......دیر ہو گئی......رحیمہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

ارے نہیں رحیمہ......بیٹھو......ابھی نہیں جانا......زلیخا نے وہیں سے روکا۔

سچ رحیمہ اب تو تم جانے کا سوچو بھی نا......اتنی مزے مزے کی چیزیں آ رہی ہیں......بڑا لطف رہے گا......رقیہ بانو سمیت سب ہی ہنس دیئے۔

ہاں رحیمہ رک جاؤ......ٹھہر کے چلے جانا......شاہدہ نے کہا۔

زبیدہ بانو نے ایک آنکھ سے اشارہ کیا (جس کا مطلب تھا کہ ٹھہر جاؤ) اور رحیمہ بیٹھ گئی۔

ڈوڈو زلیخا کی گود میں ہی سو چکا تھا۔

زلیخا اسے یہیں لٹا دو......ثنا نے کہا۔

اس نے تو کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔ زلیخا نے کہا۔

اس وقت دودھ کا ٹائم ہے......ثنا نے کلاک کی طرف دیکھا۔

فیڈر لائی ہو یا منگوا لوں......زلیخا نے کہا۔

لائی ہوں......گاڑی میں ہو گا......وہ تیز رفتاری سے باہر کی طرف لپکی۔

میرا خیال ہے اکیلی آئی ہے گاڑی میں۔ زاہدہ بیگم نے حیرت سے کہا۔

ثنا تھوڑی دیر کے بعد ڈوڈو کا بیگ لے کر اندر آ گئی۔

گاڑی کو لاک کر دیا۔ زلیخا نے کہا۔

ہاں لاک کر آئی ہوں......اور ایک طرف بھی۔ ثنا نے فیڈر صائمہ کو دیا۔

اتنی دیر میں کرامت علی بھی آ چکے تھے۔

لو بیٹی......کرامت علی اندر آ کر بولے

بھابی کو دے دیجئے......زلیخا نے فیڈر ڈوڈو کے منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اور شاہدہ نے کرامت علی کے ہاتھ سے بیگ پکڑ لیا۔

صائمہ فیڈر دے کر بڑے میز پر چائے رکھنے چل دی......شاہدہ اور صائمہ نے سب کچھ میز پر لگا دیا۔

زلیخا ڈوڈو کو اپنے پاس لٹائے بیٹھی تھی......اور وہ غٹا غٹ دودھ پی رہا تھا......ثنا اس وقت خاموش بیٹھی تھی۔

ثنا......بات کرو......سنجیدگی تمہیں اچھی نہیں لگتی۔ رقیہ بانو نے کہا۔

اماں ...... میری ہمت نہیں پڑ رہی کہ بات شروع کروں ...... دوسری طرف ثنا نے کرامت علی کو دیکھا۔

کرامت علی نے رومال سے چہرا صاف کیا۔

اور زلیخا نے آنکھیں جھکا لیں۔

میں نے واپسی پر امی سے سنا کہ زلیخا کے میاں انتقال کر گئے۔ یقین جانیے ...... مجھے انتہائی دکھ ہوا۔ ثنا بے حد افسردہ لگ رہی تھی۔

قدرت کو یہی منظور تھا بیٹی ...... اس میں انسان کا کوئی دوش نہیں ...... کرامت علی نے کہا۔

ہمارے مقدر ہی پھوٹ گئے ...... جوان بیٹی برباد ہوگئی ...... اچھی بھلی خوش تھی اپنے گھر میں ...... رقیہ بانو کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔

اور سارا ماحول افسردہ ہو گیا۔

امی نے مجھے دوبئی میں اطلاع دی تھی کہ زلیخا کی شادی ہوگئی ...... اور آج پانچ سال کے بعد یہ خبر سنی تو دل کو بہت رنج ہوا۔ ثنا نے کہا۔

اب کیا ہو سکتا ہے ...... لٹا ہوا مال کون واپس لائے ...... رقیہ بانو نے آنکھیں صاف کیں

زلیخا خاموش ڈوڈو کو تھپک رہی تھی ...... وہ گہری نیند سو چکا تھا۔

زلیخا نے خالی فیڈر اس کے منہ سے نکال کر صائمہ کو دیا۔ اسے بوائل (Boil) کر کے کور میں بند کر دو۔

اچھا آپا ...... صائمہ فیڈر لے گئی۔

زلیخا ...... چائے بالکل تیار ہے۔ شاہدہ نے کہا۔

آؤ ثنا ...... چائے پیو ...... زلیخا نے ثنا سے کہا۔

اور وہ خاموش اٹھ گئی۔

میز کے گرد زاہدہ بیگم پہلے سے ہی موجود تھیں ......

ابا ...... آپ بھی آ جائیں ...... شاہدہ نے کہا۔

بھابی ابا کو تو وہیں دے دو ...... بازار سے تھکے ہوئے آئے ہیں۔

اماں کو بھی وہیں دے دو ...... ڈوڈو کے پاس بیٹھی ہیں ...... ثنا نے کہا۔

یوں بڑے ہی خوشگوار ماحول میں چائے ختم ہوئی ...... سب نے خوب سیر ہو کر کھایا ......

وسیمہ اور زبیدہ بانو گہری شام ہوتے چل دیں ......

رات کا معمولی کھانا کھاتے ہی ثنا کے کہنے پر دونوں کو زلیخا کے کمرے میں ٹھہرا دیا گیا ......

دو پلنگ تو وہاں تھے ہی ...... اس لئے چارپائی بچھانے کی دقت نہ ہوئی ...... دونوں سہیلیاں بہت دیر تک باتیں کرتی رہیں ......

زلیخا ...... ثنا نے کہا۔

ایک بات پوچھوں ...... ثنا پھر بولی۔

پوچھو ...... نذیر اچھا آدمی تھا ...... ثنا نے کہا۔

نذیر ایک فرشتہ تھا ...... اس جیسا نرم مزاج انسان کہیں نہیں دیکھا۔ زلیخا کو شدت سے نذیر کی یاد آنے لگی۔

ثنا افسردہ ہو گئی۔

کاش وہ زندہ رہتا ...... نہ وہ دولت مند تھا اور نہ وہ وجیہہ نوجوان تھا ...... لیکن وہ اندر سے بہت خوبصورت تھا ...... محبت کی دولت جتنی اس کے پاس تھی کسی کے پاس نہ ہو گی ...... زلیخا سسک اٹھی ......

میرا مقصد تمہیں اداس کرنا نہیں ہے ...... پلیز اور نہیں ...... ثنا نے زلیخا کے بالوں کو سنوارا۔

کیا کروں ...... اور کوئی چارا نہیں ...... وہ میری راتوں کا چراغ تھا ...... اب وہ نہیں ہے تو جیون تاریک ہو گیا ہے۔ زلیخا نے ایک طویل سانس لی۔

خدا کا شکر کرو ...... ملازمت کرتی ہو ...... دل بہلا رہتا ہے ...... محتاج نہیں کسی کی۔ ثنا بولی۔

ہاں ...... یہ بھی احسان ہے خدا کا ...... شاید اس لئے اچھی جاب مل گئی کہ مستقبل میں تنہا جو رہنا تھا۔ زلیخا حد درجہ مضطرب لگ رہی تھی۔

تیرا ب حوصلے اور برداشت سے دنیا کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ ثنا نے کہا۔

مقابلہ ...... دنیا اچھوت سمجھنے لگی ہے مجھے ...... نوجوان لڑکیاں میرے سائے سے بھی دور بھاگنے لگی ہیں ...... زلیخا ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھی۔

کیا ...... اس کا کیا مطلب ...... تم پر ستم ہوا ...... دنیا کو کیا تکلیف۔ ثنا کو زبردست حیرت ہوئی۔

بیوہ ہو گئی ہوں ...... سر سے چادر چھن گئی ہے ...... میرے گھر والے بچوں کو چھپانے لگے

ثنا ...... میں تو حیران ہوں ...... تم نے ڈوڈو کو میری گود میں کیوں ڈال دیا ...... جبکہ میری

بھابی اپنے دونوں بچے میرے پاس نہیں آنے دیتی ......

Very Sad...... اتنے دقیانوسی خیالات ہیں تمہارے گھر والوں کے ...... ابھی تک ہندوؤں کی ڈگر پر چل رہے ہیں یہ لوگ...... میرا خیال ہے یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں سے ستی کر دیتے تھے۔ زلیخا کی باتیں سن کر ثنا کو زلیخا پر بے حد رحم آیا۔

تمہارے آنے سے مجھے ڈھارس مل گئی ہے......زلیخا نے ڈوڈو کی پیشانی کو چوم لیا۔

فکر نہ کرو...... چند دن رہ کر جاؤں گی ...... بلکہ تمہیں ساتھ لے جاؤں گی۔ ثنا ہنس دی۔

زلیخا بھی ہنس دی۔

کلاک نے شب کے بارہ بجائے......اور زلیخا نے زوردار جمائی لی۔

سو جائیں......ثنا نے کہا۔

ہاں......رات بہت ہو گئی ہے......اب سو جانا چاہئے۔ زلیخا نے کہا۔

اور دونوں لیٹ گئیں......

ثنا تو لیٹتے ہی نیند کی حسین وادیوں میں اتر گئی......اور زلیخا جس کی نیندیں وہ کب کا چرا کر لے گیا تھا......وہ بہت دیر کروٹیں ہی بدلتی رہ گئی۔ ڈوڈو تمام شب اس کے ساتھ سوتا رہا۔

دوسری صبح رحیمہ کے بیٹے کی سالگرہ پر سب تیاریوں میں مصروف تھے۔

اماں......آپ نہیں جا رہی......شاہدہ نے ایک دم اپنے کمرے سے باہر نکل کر کہا۔

نہیں بیٹی......میرا جی نہیں چاہ رہا۔ رقیہ بانو اپنی چوکی پر بیٹھیں تسبیح کرتی رہیں۔

چلی جایئے......رحیمہ ناراض ہو جائیگی۔ اندر آتے زلیخا نے کہا۔

وہ بھی میری بیٹی اور تو بھی......وہ تیرے جگر پر آرا چلا کر چلی جاتی ہے......تو میں اس کی خوشی میں شامل کیسے ہو جاؤں......رقیہ بانو دیگر آواز میں بولیں۔

کوئی بات نہیں اماں......اس کا حق ہے......میں تو سنتی ہوں بھول جاتی ہوں......اور ی دکھ بہت ہیں...... اِدھر اُدھر کی باتیں محسوس کر کے گزارا کیسے ہوگا۔ زلیخا کچن میں چلی گئی۔

اور شاہدہ شرمندہ سی اپنے کمرے میں لوٹ گئی۔

اماں زلیخا ٹھیک کہتی ہے......آپ چلی جایئے......اس طرح رحیمہ برا منائے گی۔ ثنا بولی۔

تم لوگ کہیں جا رہے ہو۔ رقیہ بانو نے ثنا کے شانے پر تولیہ اور ہاتھ میں برش دیکھ کر کہا۔

ہم لوگ گلشن پارک جا رہے ہیں......ثنا نے پلٹ کر زلیخا کی طرف دیکھا۔

گھر میں کون رہے گا......بھرا پڑا ہے گھر چیزوں سے۔ رقیہ بانو ایک دم اونچی آواز میں بولیں۔

جانے دو بچیوں کو...... میں جو ہوں۔ کرامت علی اندر آتے اخبار کا پرانا صفحہ میز پر رکھتے ہوئے بولے۔

چلو ٹھیک ہے......تم لوگ جاؤ......رات کو کھانے کا پروگرام ہوگا تو آ کر گوشت پکا لینا۔ رقیہ بانو اپنے کمرے میں جاتے ہوئے بولیں۔

زلیخا......جلدی کرو......ڈوڈو کو تیار کر دو......میں باتھ روم میں جا رہی ہوں۔ وہ عجلت میں باتھ روم کی طرف بھاگتی ہوئی بولی۔

جاؤ بابا جاؤ......میں ڈوڈو کو تیار کر لوں گی ......زلیخا نے ہنستے ہوئے کپ اٹھایا اور کرامت علی کے لئے لے گئی۔

جیتی رہ میری بچی......خدا تمہیں پرسکون کرے......اور کیا دعا دوں......وہ اداس سوچنے لگے......اور کپ اس کے ہاتھ لے لیا۔

اُدھر سوائے کرامت علی کے سب لوگ رحیمہ کے گھر پہنچ گئے رحیمہ سب سے فرداً فرداً ملی اور تحفے اکٹھے کئے......لیکن جب دیکھا کہ ثنا اور زلیخا نہیں ہیں تو دل میں زبردست غصے کی چنگاری پھوٹی۔

اماں......ثنا اور زلیخا نہیں آئیں۔ رحیمہ نے پوچھا۔

انہوں نے کہیں اور جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ ایک دم شاہدہ نے بات اچک لی۔

سب مہمان بڑے ڈرائنگ روم میں جا چکے تھے......صرف رحیمہ ہی رقیہ بانو سے پوچھ گچھ کر رہی تھی۔

اور جانے کا پروگرام......تو یہاں کیا تھا۔ رحیمہ کو اچھا نہ لگا۔

ثنا کہہ رہی تھی کہ گلشن پارک میں ڈوڈو کو لے کر جائیں گے۔ صائمہ نے پلٹ کر رحیمہ سے کہا۔

ڈوڈو کا بہانہ تھا......وہ میرے گھر آنا ہی نہیں چاہتی۔ رحیمہ ناگوار سا چہرا بنا کر بولی۔

بیٹا! پھر میں کچھ کہوں گی تو تمہیں برا لگے گا......زاہدہ بیگم کو آتے دیکھ کر رقیہ بانو نے کہا۔

ہاں......آپ کہیں تو سہی۔ ایسی کونسی بات ہے۔ رحیمہ پچھلی تلخیوں کو یکسر فراموش کر چکی تھی......اور یہی اس کی عادت تھی وہ دوسروں کی دل شکنی کرنے کے بعد بھول جاتی تھی۔

یہاں تو سب سہاگنیں ہیں...... وہ کیسے آ سکتی تھی۔ رقیہ بانو نے زاہدہ بیگم کے کرخت

چہرے کی طرف دیکھا جو آہستہ آہستہ سر ہلا کر سامنے کھڑی شاہدہ کو احساس دلا رہی تھی
بات خاص ہی ہو رہی ہے۔

چھوڑیئے امی...... آپ بھی زلیخا آپا کی طرف داری کر رہی ہیں...... رحیمہ نے کہا۔

کیا کروں پھر...... وہ پہلے ہی اس قدر دکھی ہے...... اب کیا کروں...... جس کا بستا بستا گھر
اجڑ گیا ہو...... اس کی تکلیف کا اندازہ لگانا مشکل تو نہیں...... رقیہ بانو نے کہا۔

ہاں...... آ جائیے اندر...... سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ زاہدہ بیگم نے کہا۔

چلیے اماں...... رحیمہ نے کہا۔

صائمہ بی بی...... مہمان بننے کی کوشش مت کرو...... ہال میں دیکھو سب ٹھیک ٹھاک ہے
...... اندر آتے ہی شرجیل نے صائمہ کا بازو پکڑ کر شریر انداز میں کہا۔

صائمہ ہنستے ہوئے دو ملازم عورتوں کو لے کر بڑے ہال میں چل دی۔

موسم بڑا ہی دل نشیں، سیاہ سرمئی بادل جھوم کر آ رہے تھے...... زلیخا نے ڈوڈو کو گود میں اٹھا
ہوا تھا...... ایک خوبصورت جگہ دیکھ کر دونوں بیٹھ گئیں...... ایک سال کا ڈوڈو اس موسم سے بڑا
لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ اپنی گاڑی پر کبھی بیٹھتا اور کبھی اترتا...... ثنا ادھر ادھر کے لوگوں کو دیکھ رہی
تھی...... اور زلیخا دنیا مافیا سے دور اپنے ہی خیالوں میں مدہوش نہ جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی۔

کہاں کھوئی ہوئی تھی۔

کہاں چلی گئی ہو...... ثنا نے ہنستے ہوئے زلیخا کے سامنے ہاتھ لہرا دیا۔

ہاں...... وہ ایک دم چونک گئی۔

کہاں کھو گئی ہو...... ثنا نے کہا۔

مجھے یاد آ رہا ہے کہ میں نذیر کے ساتھ اکثر یہاں آیا کرتی تھی...... وہ یہاں میرے ساتھ آنا
پسند کرتا تھا...... اور بڑا خوش ہوتا تھا۔ زلیخا دکھی ہو گئی۔

یہ تو مجھے معلوم ہے کہ نذیر بذاتِ خود تمہارے لئے اچھا انسان تھا...... ثنا نے کہا۔

وہ بہت اچھا انسان تھا...... میں نے پانچ چھ سال کا عرصہ اس کے ساتھ گزارا اس میں ایک
لمحہ بھی نہیں آیا کہ اس کی کوئی بات مجھے بری لگی ہو۔ زلیخا کو نذیر شدت سے یاد آنے لگا۔

یہ تو معلوم ہے کہ تم جیسی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدے پر فائز خاتون سے ایسا ہی سلوک
سکتا تھا۔ ثنا ہنس دی۔

نہیں زلیخا سنجیدہ رہی۔

...بھی نہیں...... اس کی فطرت میں حلیمی تھی...... حالانکہ اس کی تربیت کوئی اچھے ماحول
...نہیں ہوئی تھی۔ زلیخا نے کہا۔

مجھے معلوم تھا...... مجھے امی نے سب کچھ بتا دیا تھا...... کہ وہ نشے کا عادی تھا۔ ثنا نے کہا۔

...عادی تھا...... میرے جانے کے بعد اس کی عادت بدل گئی تھی...... نشہ چھوڑ دیا
...اس نے...... یہ سنتے ہی ثنا کھل کھلا کر ہنس دی۔

تم کیوں ہنسی...... کوئی لطیفہ تو نہیں سنایا میں نے۔ زلیخا بھی ہنس دی۔

میں نے سنا تم بچوں کی طرح اس کو گھر میں بند رکھتی تھی...... باہر نہیں جانے دیتی تھیں......
...خوب ہنس دی......

یہ بات مضحکہ خیز ضرور ہے کہ وہ گھر میں بند رہتا تھا اور کام بھی کوئی نہیں کرتا تھا...... میرے
لئے باعثِ سکون تھا۔ ویسے وہ بھی خوش تھا...... زلیخا نے کہا۔

کیوں؟

اس کا حلقہ احباب اچھا نہیں تھا...... سب کے سب جرائم پیشہ لوگ تھے...... اس کو گھر میں
رکھنا بہتر ثابت ہوا...... اس کی عادت چھوٹ گئی تھی۔ زلیخا ہنس دی۔

نذیر نے تمہیں کبھی باہر نکلنے کو نہیں کہا تھا۔ ثنا نے کہا۔

اوہو...... تمہارا کیا خیال ہے...... میں نے اس کو حبس بے جا میں رکھا ہوا تھا...... ارے بھئی
ہم لوگ باہر سیر کو جاتے تھے...... شاپنگ کرتے تھے...... ملتے جلتے تھے۔ دوست احباب
سے...... وہ کہنے کے بعد ذرا سا رکی......

اور ہاں...... البتہ اس نے یہ کبھی اصرار نہیں کیا تھا کہ وہ اکیلا جائے...... بلکہ میرے ساتھ یا
اماں کے ساتھ جانا زیادہ پسند کرتا تھا۔ زلیخا کی پلکیں بھیگ گئیں۔

...بہت اچھے بھئی...... نذیر واقعی قابل تعریف ہے۔ ثنا ہنس دی۔

ایک مرتبہ وہ اماں کے ساتھ جا رہا تھا...... یونہی سودا سلف لینے...... وہ ذرا سا رکی۔

...ثنا کو تجسس پیدا ہوا۔

...وہی دشمن گاموجو اس کے تعاقب میں رہتا تھا...... اس نے نذیر کے پیچھے بندے
لگائے ہوئے تھے...... انہوں نے نذیر کو دھوکے سے ہیروئن والا سگریٹ پلا دیا...... زلیخا یہ

کہتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

او مائی گاڈ......وہ عادی ہو گیا ہو گا......ثنا نے افسوس ظاہر کیا۔

ہاں......نذیر دن رات تڑپتا رہتا......لیکن میرے خوف سے باہر نہ نکلتا تھا......ایک
میں آفس میں تھی......ان لوگوں نے نذیر کو بلا کر کافی مقدار میں ہیروئن پلا دی......پھر
معدے کا کینسر ہو گیا......اور وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ زلیخا سے اب برداشت ممکن نہ تھی......
ہاتھوں پر چہرا رکھے بری طرح رو دی......

زلیخا......پلیز......حوصلہ کرو......نہ رونا......تم تو بڑے مضبوط اعصاب کی مالک ہو......
نے ٹشو سے اس کا چہرا صاف کیا۔

کیا کروں ثنا......اس کی یاد آتی ہے تو قلب و جگر پر چھری سی چل جاتی ہے۔ وہ تھا تو
......زلیخا نے چہرا صاف کیا۔

اس جہنمی کا کیا بنا۔ ثنا کا اشارہ گاموں کی طرف تھا۔

وہ بھی انجام کو پہنچ گیا......اتنا سنا تھا اماں سے میں نے کہ نذیر بیٹا گاموں سے تیرا حساب
آئی ہوں......اب دیکھوں گی کہ وہ کیسے آباد رہتا ہے۔ زلیخا نے کہا۔

ہوں......اس کا مطلب کہ تمہاری ساس بڑی بہادر عورت تھی۔ ثنا نے کہا۔

ہاں......وہ بہادر بھی تھی اور نیک بھی......اس نے کبھی ساسوں جیسا سلوک مجھ سے نہ
تھا......یوں لگتا تھا کہ اس عورت نے مجھے پیدا کیا ہوا ہے......کاش وہ زندہ رہتی......
کف دست ملتے بولی۔

نذیر کے ساتھ ہی انتقال کر گئی تھی وہ......

ہاں......وہ بیٹے کی جدائی برداشت نہ کر سکی......سکتے میں ہی چلی گئی......زلیخا نے کہا۔

Very Sad......ثنا خاصی افسردہ نظر آ رہی تھی۔

اماں اگر زندہ رہتی نا تو میں یوں در بدر نہ ہوتی۔ زلیخا کو دولاں کی موت کا شدید دکھ ہو
ہاں......تم دونوں ساس بہو اپنے گھر میں رہ سکتی تھی۔ ثنا نے جیسے اس کے چہرے پر پچھتاوا د
میں ابا کے پاس آنا نہیں چاہتی تھی......وہاں اکیلے رہنا میرا درست نہیں تھا......

اچھی بات ہے......والدین کے پاس تم محفوظ تو ہو۔ ثنا نے کہا۔

محفوظ تو ہوں......لیکن دن میں کئی مرتبہ احساس دلایا جاتا ہے کہ میں بیوہ ہوں

اُن پر میرا سایہ نہ پڑے......شاہدہ بھابی اپنی بیٹی کو مجھ سے چھپا کر رکھتی ہے......کہاں
جاؤں میں......وہ اس وقت مجبور بے بس نظر آ رہی تھی۔

زلیخا کی نگاہوں میں ویرانیاں ہی ویرانیاں رقص کناں تھیں......

دیکھو زلیخا......تم نے زندہ رہنا ہے......اس طرح گھر والوں یا باہر والوں کا اثر لو گی تو جینا
دوبھر ہو جائے گا......اگر بھابی نفرت کرتی ہے تو مت اس کے بچوں کو پیار کرو......نظر انداز کر
......ثنا نے لاپرواہی سے کہا۔

تمہاری بات ٹھیک ہے۔ زلیخا کے دل کو بات لگی۔

ارے......وہ دیکھو......لوگ تماشا دیکھ رہے ہیں......چلو چلیں۔ گھوم پھر کے آتے ہیں۔

دونوں اٹھیں......چیزیں ڈوڈو کی گاڑی میں ٹھونس دیں اور زلیخا نے گاڑی کا ہینڈل پکڑا اور
کے لئے چل دیں......اس جگہ میں نذیر آخری مرتبہ یہاں آئے تھے۔ زلیخا نے بائیں
اب ایک خوبصورت فوارے کی طرف اشارہ کیا۔

یہ جگہ واقعی بڑی خوبصورت ہے......کیا رومانٹک سین ہو گا......ثنا ساتھ ساتھ چلتے ہوئے
لی۔ لہجہ شرارت اور بذلہ سنجی سے بھرپور تھا۔ دیکھو ڈوڈو بھی انجوائے کر رہا ہے۔

زلیخا نے جھک کر دیکھا......اور ڈوڈو کے سرخ گالوں پر پیار کیا۔

ڈوڈو سامنے ٹرے پر اپنے دونوں ہاتھ مار کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ جھک کر زلیخا نے ڈوڈو کو
کر چوم لیا۔

ثنا......تمہارے آنے سے دل کافی حد تک پرسکون سا ہو گیا ہے......ایک بات تو بتاؤ......تم
نے کیوں نفرت نہیں کی......مجھ سے......زلیخا نے حیرت سے پوچھا۔

شرم کرو......میں مسلمان ہوں......ہندو نہیں ہوں......دیوانی......ثنا ہنس دی۔

زلیخا نے اس کی طرف دیکھا......ثنا کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔

ثنا......زلیخا نے کہا۔

بولو......ثنا نے اپنے تراشیدہ بالوں کو درست کیا۔

کتنے ماہ رہو گی......زلیخا نے اداس لہجے میں کہا۔

ماہ اور......پھر ہمایوں آئیں گے اور لے جائیں گے۔ ثنا چلتے چلتے بولی۔

میرے پاس کچھ دن اور رہ جاؤ......زلیخا نے جیسے اصرار کیا۔

ارے نہیں ...... آنٹی کے ہاں بھی جانا ہے ...... وقت تو بہت کم ہے۔ ثنا نے مجبوری
کی۔
وقت تو واقعی بہت کم ہے۔ زلیخا بولی۔
زلیخا ...... تمہاری چھٹی تو ہے ...... تم میرے ساتھ ہی کیوں نہیں چلتیں ...... ثنا نے ایک دم
تم پاگل ہو ...... اس چھٹی میں کہیں نہیں جا سکتی ...... اچھا نہیں لگتا ...... زلیخا نے کہا۔
عدت کے لئے چھٹی لی ہوئی ہے۔ ثنا نے کہا۔
ہاں ...... زلیخا بولی۔
تو کیا ہوا ...... مجبوری ہے۔ کہیں جانے پر تو پابندی نہیں۔ ثنا نے پھر لاپرواہی سے کہا۔
تم نہیں جانتی ...... بات گھر سے نکلے گی ...... اور ساری برادری میں پھیل جائے گی ......
عدت میں سیر کر رہی ہے زلیخا ...... شوہر کی موت کا افسوس نہیں۔ زلیخا نے خبردار کیا۔
یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہو رہا ہے ...... لوگوں نے ذاتی مسئلے کیوں بنا لئے ہیں ......
کو افسوس ہو رہا تھا۔
یہ جو میں تمہارے ساتھ آ گئی ہوں نا ...... اس عورت نے نہ جانے کیا کیا باتیں بنائی ہوں
...... زلیخا بولی۔
کون؟ ......
شاہدہ بھابی کی والدہ۔
اچھا ...... وہ گول گول آنکھوں والی عورت ...... واقعی وہ بڑی اور طرح کی عورت نظر آتی ہے
اور یہ بات درست تھی ...... کھانے پینے سے فراغت ہوئی تو سب مہمان صوفوں پر براجمان
ہو گئے ...... خوب گپ شپ چلنے لگی ...... رقیہ بانو بھی ایک طرف کونے میں خاموش بیٹھ گئیں
دوسرے کونے میں شاہدہ اور زاہدہ بیگم ایک ساتھ بیٹھی تھیں۔
شاہدہ تمہاری بڑی نند زلیخا کا کیا حال ہے۔ ایک بھاری بھرکم عورت جھک کر بولی ......
بیگم سلطان کہتے تھے۔
ٹھیک ہے ...... شاہدہ نے کہا۔
یہاں لے آتیں اسے ...... دل بہل جاتا بیچاری کا۔ اس کے ساتھ والی عورت منہ بنا کر
بولیں۔

وہ تو اس وقت گھر میں ہے ...... سیر کو گئی ہوئی ہے سہیلی کے ساتھ ...... زاہدہ بیگم ایک دم
بولیں۔
ہائیں مری ...... عدت میں باہر گئی ہے ...... ہزاروں غیر مرد ادھر ادھر پھرتے ہوں گے۔
...... نے ایک چیخ کے ساتھ کانوں کو ہاتھ لگائے۔
آج کل کی لڑکیاں کہاں پرواہ کرتی ہیں ...... آخر دل بہلا وہ بھی تو کرنا ہے۔ زاہدہ بیگم نے
...... الفاظ میں شدید طنز شامل تھی۔
شاہدہ بیٹی رات بہت ہو گئی ...... اب تو چلنا چاہئے۔ قریب آ کر رقیہ بانو نے کہا ...... ان کو
دیکھ کر سب خاموش ہو گئے۔
واقعی چلنا چاہئے۔

☆

امی جان.... سجاد نے بریف کیس رکھتے ہوئے طاہرہ خانم سے کہا۔

کہو...... میں سن رہی ہوں۔ وہ میز پر کھانا رکھتے بولیں۔

آپ کو لاہور چچا جان کے پاس افسوس کے لئے جانا چاہئے تھا۔

تم جو ہو آئے تھے...... میرا جانا اب زیادہ ضروری ہے کیا۔ طاہر خانم نے پلیٹ میں سالن ڈالا

میں تو ہو آیا ہوں......لیکن آپ کی تعزیت ضروری تھی۔ سجاد نے کہا۔

تم نہیں جانتے......نمازیں بخشوانے جاتی تو روزے گلے پڑ جاتے۔ طاہرہ خانم نے [illegible] سکیڑی۔

کیا مطلب ہے آپ کا۔ سجاد کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔

مطلب یہ کہ ہو سکتا تھا کہ کرامت علی زلیخا کو تمہاری جھولی میں ڈال دیتا۔ طاہرہ خانم نے دور کی سوچ لی تھی۔

تو امی جان حرج بھی کیا ہے...... زلیخا اچھی بھلی تو ہے۔ افسر ہے......سجاد نے کہا...... اس کی کثیر تنخواہ پر دل اٹک گیا۔

اچھا تم اس کی وجہ سے شادی نہیں کر رہے...... باہر سے بھی آ گئے ہو...... تمہیں لڑکی پسند نہیں آ رہی...... آخر کوئی وجہ تو ہو گی...... طاہرہ خانم نے تلخ انداز میں کہا۔

امی جان! زلیخا کو سہارا دینا ہمارا فرض تو بنتا ہے نا۔ سجاد نے کہا۔

کھانا کھاؤ......اس موضوع پر پھر بات کریں گے۔ طاہرہ خانم نے ڈونگہ سجاد کی طرف بڑھایا

اس وقت بات کرنے میں کیا حرج ہے......سجاد نے جیسے نرم لہجے میں منت کی۔

سجاد میری بات کان کھول کر سن لو...... میں تمہارے لئے ایسی لڑکی چاہتی ہوں جو عمر میں چھوٹی اور غیر شادی شدہ ہو......وہ بیوہ ہے......طاہرہ خانم نے زور سے کہا۔

بیوہ ہونا اس کا تصور تو نہیں امی جان......سجاد نے کہا۔

تصور چاہے جس کا بھی ہو......تم اس ذکر کو چھوڑ ہی دو تو بہتر ہے۔ سجاد نے محسوس کیا کہ وہ زلیخا کے ذکر سے کوفت محسوس کر رہی تھیں۔

امی جان! ایک بات پوچھوں......وہ نوالہ نگل کر بولا۔

آپ کو چچا کرامت اور ان کے اہل خانہ سے چڑ کیوں ہے۔ سجاد نے کہا۔

ان لوگوں نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا......تمہارے باپ کے مرتے میں یہاں آ گئی......اس مکان میں تمہارے باپ کا حصہ ہے......جو کرامت علی اس پر سانپ بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ انتہائی رکیک لہجے میں بولیں۔

وہ کہاں جاتے......رہنا تو انہوں نے اسی گھر میں تھا نا......سجاد نے کہا۔

یہ تو کوئی بات نہ ہوئی......کرامت علی کو فروخت کر کے میرا حصہ میرے حوالے کرنا چاہئے تھا۔ وہ شانے اچکاتے ہوئے بولیں۔

امی جان...... چچا جوان بیٹیاں لے کر کہاں دھکے کھاتے...... سجاد کی ساری ہمدردیاں کرامت علی کے ساتھ ہی تھیں۔

جہاں سینگ سماتے چلا جاتا......آخر انصاف بھی کوئی چیز ہے......وہ میری حق تلفی کر رہا ہے۔ وہ بڑی سفا کی سے اپنی غرض کو مقدم سمجھنے لگیں۔

کیا کمی ہے...... یہ اتنا بڑا گھر نانی اماں نے آپ کو دے دیا...... آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ دو منزلہ زمین کی بجائے کراچی میں ایک کنال کی کوٹھی ہے۔

شکر ہی تو کرتی ہوں......اگر یہ گھر بھی اماں باوا نہ دیتے تو کہاں ٹھکانہ تھا......طاہرہ خانم والدین کو یاد کر کے افسردہ سی ہو گئیں۔

امی جان......اب وقت گزر گیا ہے......افسردہ کس لئے ہو رہی ہیں آپ۔ سجاد نے گلاس ٹیبل پر رکھا۔

میں تمہاری شادی بہت جلد کرنا چاہتی ہوں......اس کے لئے میں نے ایک لڑکی کا انتخاب بھی کر لیا ہے۔ وہ اپنی سوچ سے ابھر کر بولیں۔

لڑکی......نہ دیکھی نہ سنی...... میں اپنی پسند کی شادی کروں گا......سجاد جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔

تیری پسند تو وہ بیوہ ہو گی جو تجھ سے بھی دس سال بڑی ہے۔

طاہرہ خانم نے ناگواری سے دائیاں ہاتھ جھٹکا۔

اماں ...... خدا سے ڈریئے ...... یہ تو آپ کو علم ہے نا کہ بیوگی کا دکھ کیا ہوتا ہے ......اور اس سے بڑی کوئی اذیت نہیں ...... سجاد نے طاہرہ خانم کو ان کا ماضی یاد کروایا۔

ہاں میں جانتی ہوں ...... بیوہ کی ایک رات زندگی کی ہزاروں راتوں سے زیادہ تاریک اور خوفناک ہوتی ہے۔ وہ سوچنے لگیں۔

پھر بھی آپ زلیخا کے لئے ایسے کلمات زبان پر لا رہی ہیں۔

تم اپنی دلیلوں سے مجھے رام نہیں کر سکتے ...... سمجھے ...... وہ سجاد کی بحث سے تلملا اٹھیں اور باہر نکل گئیں ...... سجاد ست روی سے اپنے کمرے میں چل دیا ......

امی کو چچا کرامت کے گھر والوں سے کیوں بیر ہے ...... کیا برائی ہے زلیخا میں ...... پلنگ پر گرا اور خیالات کی دنیا میں کھو گیا۔

زلیخا ...... اعلیٰ تعلیم یافتہ، اعلیٰ عہدے پر فائز اور اس پر انتہائی جاذب نظر، دلکش چہرا ...... دل میں کھب جانے والی دو آنکھوں کے تیر ...... سب سے بڑی بات کہ جب وہ نذیر جیسے شخص کے ساتھ پانچ چھ سال گزارا کر سکتی تھی تو وہ میرے ساتھ اچھی طرح بسر کیوں نہ کرے گی۔ وہ ایک باوقار خاتون ہے ...... کاش میں اسے خوشیاں دے سکتا ...... امی کو ناراض کرنا بھی اختیار میں نہیں ہے۔ جنہوں نے ساری زندگی میری پرداخت میں گزار دی۔ میں امی کے جذبات کو رد نہیں کر سکتا ...... اور زلیخا کو نہیں چھوڑ سکتا ...... وہ اسی سوچ کے تحت اٹھا ......

مجھے لاہور جا کر ان لوگوں سے بات کر لینا چاہیئے ...... ہو سکتا ہے کوئی حل نکل آئے۔ اگر امی نے انکار کر دیا تو ...... اور زلیخا بھی پوری طرح اس کے جذبات پر حاوی تھی۔

تمام شب ...... شب بیداری میں گزر گئی ...... دوسری صبح معمولی سا ناشتہ کئے وہ آفس روانہ ہو گیا ...... وہاں بڑے صاحب نے اسے ٹورنگ پارٹی کے ساتھ ملتان چلنے کو کہا۔

اس نے فون کر کے طاہرہ خانم کو اطلاع دی۔

کیوں بیٹا ...... خیریت تو ہے ...... جاتے ہی فون کر دیا۔ طاہرہ خانم پریشان سی ہو گئیں۔

میں ٹورنگ پارٹی کے ساتھ ملتان جا رہا ہوں ...... جلد لوٹ آؤں گا۔ وہ بولا۔

آنے کا وقت صحیح بتا جانا ...... تمہیں معلوم ہے ...... انتظار بڑا جان لیوا ہے۔ تقریباً ایک ہفتہ لگ جائے گا امی۔

ٹھیک ہے۔

چوکیدار مولا بخش کو بھیج رہا ہوں ...... بیگ دے دیجئے گا ...... وہ بولا۔

ٹھیک ہے ...... اور طاہرہ خانم نے فون بند کر دیا۔

ابھی تک اس کو کوئی لڑکی پسند نہیں آئی ...... عجیب بات ہے۔

کیا وہ واقعی زلیخا کا منتظر تھا ...... بیل ہوئی اور تیار شدہ بیگ مولا بخش کو پکڑا کر وہ لوٹ آئیں۔

کام تو تین چار دن میں ختم ہو گیا ...... لیکن سب سے بڑا مقصد جو تھا وہ لاہور جانا تھا۔ موقع بچا تھا ...... چنانچہ راستے میں گاڑی روک کر وہ لاہور اتر گیا۔

ارے ...... سجاد میاں ...... بڑی مدت کے بعد صورت دکھائی۔ کرامت علی جو صحن میں کھڑے تھے ...... اسے دیکھتے ہی بولے۔

آپ کیسے ہیں ...... سجاد نے کہا۔

بس دیکھ لو بیٹا ...... جیسے تیسے گزر رہی ہے ...... آ جاؤ اندر ...... تمہاری چچی اندر ہی ہے۔ وہ بازو کے حصار میں لے کر سجاد کو برآمدے میں لے گئے ......

آداب ...... وہ رقیہ بانو کو دیکھ کر بولا۔

جیتے رہو ...... گھر میں سب خیریت ہے نا ...... وہ بولیں۔

جی ہاں ...... سب خیریت ہے ...... کیا بات ہے کوئی نظر نہیں آ رہا۔ وہ اِدھر اُدھر نگاہیں گھما کر بولا۔

دلہن بچوں کے ساتھ میکے گئی ہوئی ہے ...... اس کی والدہ آئی تھی ساتھ لے گئی

جمیل نوکری پر ...... زلیخا کی چھٹی ختم ہو چکی تھی وہ اپنے آفس اور صائمہ اپنی چیزیں لینے بازار گئی ہے۔ وہ ہنس کر خاموش ہو گئیں۔

اب تم سناؤ ...... نوکری ٹھیک جا رہی ہے ...... ہماری بہن طاہرہ کا کیا حال ہے ...... لے آتے ان کو بھی ......

یوں تو ورکنگ ٹور پر ملتان آیا تھا ...... دل نے چاہا آپ سے ملتا چلوں۔ سجاد نے کہا۔

بہت اچھا ہوا ...... تم آ گئے ...... کچھ دن تو آرام سے گزر جائیں گے۔ کرامت علی پژمردہ سے ہو گئے۔

کیا مطلب ...... سجاد نے کہا۔

بس ...... زلیخا کی وجہ سے پریشان جو رہتے ہیں ...... جب کوئی آ جاتا ہے نا تو دل لگا رہتا

بے ان کا۔ رقیہ بانو خود بڑی اداس لگنے لگی تھیں۔

زلیخا کا واقعی بہت دکھ ہے ......ابھی وہ اس سانحہ کی متحمل نہ تھی۔ سجاد دکھ سے بولا۔ (زلیخا سے شادی گھاٹے کا سودا نہیں) وہ سوچنے لگا......

تقدیر وقت نہیں دیکھتی ......کاتب تقدیر نے جو لکھا ہوتا ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔

کرامت علی تو خاموش تھے لیکن رقیہ بانو حد درجہ مضطرب اور بے قرار لگ رہی تھیں۔

اب زلیخا نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے۔ سجاد نے جیسے ہمت سے کام لیا۔

کچھ نہیں سوچا اس نے بیٹا......خاموش ہے ......پہلی مرتبہ آج آفس حاضری دی ہے......

وہ کسی سے کوئی بات نہیں کرتی ......کرامت علی نے کہا۔

کلاک نے ٹن سے بارہ بجائے اور زلیخا اندر داخل ہوئی۔

زلیخا بیٹی آ گئی۔ کرامت علی جھک کر بولے

ارے سجاد......تم......بڑے عرصے کے بعد صورت دکھائی۔ وہ اندر آتے خوش دلی سے بولی۔

آ تو گیا نا......تمہیں تو اتنی بھی فرصت نہیں کہ فون ہی کر دو۔ سجاد نے شکوہ کیا۔

تم نے کون سا فون کیا......نذیر کے انتقال پر بھی تم نہیں آئے ......زلیخا نے سجاد کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

بس بس ......یہ گلے شکوے کا وقت نہیں ......زلیخا بیٹی پہلے چائے بناؤ......دو بڈھے صبح سے یوں ہی بیٹھے ہیں۔ کرامت علی نے بھی مذاق کیا۔

امی ......صائمہ نہیں ہے......وہ اندر جھانکتے بولی۔

بازار گئی ہے ......دھاگہ موتی لینے ......دیر کر دی اس نے ......رقیہ بانو نے فکرمند لہجے میں کہا۔

شاپنگ میں دیر ہو جاتی ہے ......وہ آ ہی گئی ......اندر آتے ہنستی ہوئی صائمہ کو دیکھ کر زلیخا نے کہا۔

میری بات ہو رہی تھی ......صائمہ نے اندر آتے ہی چادر اتاری ......ارے بھائی جان ......کیسے راستہ بھول پڑے ......تائی ماں ٹھیک ہیں نا ......وہ دوپٹہ درست کرتے بولی۔

صائمہ......فریج میں بنا ہوا بیسن ہے ......زلیخا نے اندر آ کر کہا۔

آپا آپ چائے بنائیں میں پکوڑے بنا لیتی ہوں ......ابا اور کچھ لے آئیے ......صائمہ نے کہا

بس بس......بہت کچھ ہے۔ چائے ہی بڑی چیز ہے۔ وہ زلیخا کی طرف دیکھ کر ہنس دیا۔

ارے نہیں سجاد صاحب ......چائے کے ساتھ جب تک تین چار چیزیں نہ ہوں ......چائے کا لطف ہی نہیں آتا......

زلیخا فریج سے بڑا ڈونگہ نکال کر صائمہ کو دے آئی اور کرامت علی کچھ میٹھی چیزیں لینے بازار چل دیئے۔

وہ اپنے کمرے میں فائلیں کھولے......کام میں مصروف تھی۔

آ سکتا ہوں......سجاد نے دروازے پر دلکش مسکراہٹ بکھیری۔

آؤ سجاد......بیٹھو......وہ فائلیں بند کرتے ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔

کام زیادہ ہے......میں مدد کر سکتا ہوں۔ وہ بیٹھتے ہوئے ہنس دیا۔

نہیں......میں دیکھ رہی تھی ......دراصل میری عدم موجودگی میں بہت سے لوگوں نے کام کیا ہے......بلکہ میری مدد کی ہے۔ زلیخا نے کہا۔

اچھی بات ہے ......اتنا کام سب لوگوں نے کر دیا......ورنہ تین ماہ میں تو بہت اکٹھا ہو جاتا۔ سجاد حیرت سے بولا۔

میرے آفس میں سب لوگ بہت اچھے ہیں ......وقت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ زلیخا نے کہا......

اچھی بات ہے......ایک دوسرے کے کام تو آنا چاہئے نا......سجاد نے کہا۔

اچھا سجاد......سناؤ......تم کیسے ہو......بھابی کب لا رہے ہو۔ زلیخا ہنس دی۔

کیا مطلب؟ سجاد نے کہا۔

مطلب یہ کہ بھئی تمہیں اب شادی کر لینا چاہئے ......تائی اماں تمہیں ڈانٹتی نہیں۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

اس بارے میں امی کی ڈانٹ روز سنتا ہوں......وہ رک گیا۔

پھر......زلیخا نے کہا۔

کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا......سجاد نے کہا۔

کیسا......کونسا فیصلہ......زلیخا حیران ہو کر بولی۔

تمہاری طبع پر گراں نہ گزرے تو ایک بات کہوں......سجاد نے بات کو آگے بڑھانے کے

لئے بات چھیڑ دی۔

ایسی کونسی بات ہے جو میری طبع پر گراں گزرے گی۔ زلیخا ہنس دی۔

کہہ دوں...... سجاد نے کہا۔

کہہ دو بھئی...... گھبرانے کی ضرورت نہیں...... زلیخا نے کہا۔

میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ سجاد نے ایک دم جیسے بم چھوڑا......

سجاد...... تم مجھ سے شادی کرو گے...... تمہیں معلوم ہے مجھ میں اور تم میں زمین آسمان کا فرق ہے...... زلیخا بری طرح سے تڑپ اٹھی۔

سجاد نے زلیخا کی اڑی اڑی رنگت کو بغور دیکھا...... وہ خاموش اسے دیکھتا رہا۔

تم جانتے ہو...... تم کیا کہہ رہے ہو۔ زلیخا کا سانس سینے میں اٹک گیا۔

ریلیکس...... بیٹھ جاؤ...... میں نے تم سے کوئی بری بات نہیں کہہ دی۔ سجاد نے ہاتھ بڑھا کر زلیخا کو بیٹھنے کے لئے کہا۔

یہ تم نے کیا کہہ دیا سجاد...... میں تو اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ وہ لرز رہی تھی......

سجاد کی بات نے اس کی رگ و پے میں ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔ ایک طلاطم جو ابھر کر کنارہ سے باہر آ جائے۔

تم سوچو زلیخا...... تنہائی کی تاریک راتیں اکیلے بسر نہیں ہوں گی...... میں تمہارا ساتھی بننا چاہتا ہوں۔ سجاد پرسکون سا نظر آ رہا تھا۔

مجھ پر رحم کھا رہے ہو۔ زلیخا نے کہا۔

میں تم پر رحم نہیں کھا رہا...... میرے خیال میں جو بات پہلے نہیں بن سکی اب بن جائے۔ سجاد نے بغور زلیخا کے چہرے کو دیکھا جس پر ہزاروں رنگ اتر رہے تھے۔

پہلے کچھ اور بات تھی...... بن جاتی تو ٹھیک تھا...... لیکن اب...... وہ رک گئی۔

اب کیا ہے...... بات مکمل کرو...... یوں نامکمل چھوڑنے سے مجھے کوفت ہوتی ہے۔ سجاد نے کہا۔

دیکھو سجاد...... میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں...... تمہیں میری کیفیت کو بھی سمجھنا چاہئے۔ زلیخا نے اپنی ایک فائل کو اضطرابیت میں کھولا اور پھر بند کر دیا۔

تمہاری کیفیت میری نظر میں ہے...... ہمارے مذہب میں بیوہ کو دوسری شادی کرنے کی اجازت حاصل ہے۔ سجاد نے دلیل پیش کی۔

تم ٹھیک کہتے ہو...... لیکن سوچو ذرا...... میں تو اپنے آپ کو ابھی تک متحد نہیں کر سکی...... میں ریزہ ریزہ ہوں...... بکھری ہوئی ہوں۔ وہ بڑے کرب سے بولی۔

میں تمہیں متحد ہی کرنا چاہتا ہوں...... وہ حتمی فیصلہ کرتے بولا۔

سجاد...... زلیخا نے اٹھ کر خفیف سی آواز میں کہا۔

کیا؟ سجاد بھی کھڑا ہو گیا۔

خالی گھروں میں دستک کون دیتا ہے...... چاہے اس کے کیواڑ مقفل ہی ہوں...... میں برباد ہو چکی ہوں...... میرے دل کا نگر ویران ہو چکا ہے...... اب اس کی آبادی کے کوئی آثار باقی نہیں...... زلیخا نے جیسے دوٹوک کہہ دیا۔

یہ تم کیا کہہ رہی ہو...... سجاد نے کہا۔ جیسے آس ٹوٹی محسوس ہو رہی ہو۔

میں ٹھیک کہہ رہی ہوں سجاد...... اکیلے بیٹھ کے سوچنا...... میں کیا تھی اور کیا بن گئی ہوں...... ابھی تو نذیر کو انتقال کئے چار پانچ ماہ ہوئے ہیں۔ وہ نذیر کا نام لیتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی......

زلیخا...... پلیز...... میرا مقصد تمہیں دکھ پہنچانا نہیں تھا...... زلیخا...... لیکن وہ روتی رہی......

تقدیر نے جو ناسور اس کی روح میں بھر دیا تھا...... اس کا علاج کہیں نہیں تھا۔

وہ خاموش واپس زینہ اتر آیا...... اور دوسرے دن اس نے رقیہ بانو سے مدعا بیان کیا......

دیکھو بیٹا...... تمہیں پہلے طاہرہ کو اس بات کے لئے آمادہ کرنا ہوگا...... رقیہ بانو نے کہا۔

چچی جان! ان کو تو میں منا لوں گا...... یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ سجاد نے کہا۔

نہیں میرے بیٹے...... وہ طاہرہ خانم ہے...... اتنی آسانی سے ہتھیار نہیں پھینکتی...... اس کو تو ویسے بھی ہم سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ رقیہ بانو نے حقیقت بیان کر دی۔

حقیقت چاہے کچھ بھی ہو...... انہیں میری بات ماننا پڑے گی۔

دیکھو بیٹا...... ہم تمہارے جذبے کی قدر کرتے ہیں...... زلیخا بیٹی کو اس بھری جوانی میں بٹھا لینا زیادتی ہو گی...... تم سے اچھا کون ہو سکتا ہے...... کرامت علی نے سجاد کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

آپ زلیخا کو فورس کیجئے...... وہ مان جائے گی آپ کی بات...... وہ بڑی عجلت میں بولا۔

دیکھو میرے بچے...... ابھی تو زخم پر کھرنڈ بھی نہیں آئے...... اتنا بڑا گھاؤ ہے...... مندمل

ہونے میں ابھی وقت لگے گا۔کرامت علی بڑے دکھ سے بولے۔

تایا ابو...... میں کب چاہتا ہوں کہ ابھی ہو جائے ...... زلیخا مطمئن ہو جائے تا کہ مجھے اطمینان تو ہو۔وہ بے کلی سے بولا۔

تم......طاہرہ سے بات کرو......

رقیہ بانو خاموش تھیں......البتہ کرامت علی ہی ہمہ تن گوش تھے۔

میں کرلوں گا امی سے بات......صائمہ کے آجانے سے سلسلہ کلام منقطع ہوگیا۔

بھائی جان چائے لاؤں۔صائمہ نے ہنس کر کہا۔

کیوں نہیں ......لاؤ اور زلیخا کو بھی نیچے بلاؤ......سب مل کے چائے پیتے ہیں......سجاد نے کہا۔سجاد کی خواہش تھی کہ وہ سب میں مل جل کے بیٹھے۔

چند دن گزر گئے......سجاد چلا گیا......اس کی بات رقیہ بانو اور کرامت علی کے من کو لگ تو گئی تھی......کیا ہی اچھا ہو اگر زلیخا کا رشتہ سجاد سے ہو جائے۔لیکن کراچی میں طاہرہ بیگم کا مسئلہ تھا۔وہ عورت اپنی مرضی کے خلاف کسی اور کی بات ماننا پسند ہی نہیں کرتی تھی۔اور ویسے بھی بقول اس کے مجھے تو لاہور والوں سے سخت نفرت ہے......میرے شوہر کا حصہ کھا رہے ہیں......حالانکہ کرامت علی نے انہیں اور سجاد کو کئی مرتبہ سمجھا دیا تھا کہ تم خود لوگ شوق سے یہاں آ کر رہو......اس مکان میں تمہارا اتنا ہی حق ہے جتنا جمیل کا ہے......لیکن میں مکان فروخت کیسے کروں......اس دور مہنگائی میں کہاں مکان تعمیر کرنے کی مصیبت گلے ڈالوں ......جوان بیٹیاں ہیں ان کو رخصت کروں گا یا یہ خرید وفروخت کروں گا......یہی سوچ سوچتے کرامت علی نے چپ سادھ لی کہ جب ریٹائرمنٹ لوں گا تو جتنا حصہ طاہرہ خانم کا نکلے گا بغیر کسی جھگڑے کے ان کو لوٹا دوں گا......سجاد معاملہ فہم نوجوان تھا......وہ جانتا تھا کہ وہ خود ننھیال کے اتنے بڑے گھر میں رہ رہا ہے......اس کے نانا اچھے کھاتے پیتے آدمی تھے سوائے طاہرہ خانم کے ان کی اور کوئی اولاد نہ تھی......اس لئے آخری وقت مکان اور کاروبار زمین جائیداد طاہرہ خانم کے نام کر دی......اس پر بھی طاہرہ خانم کو چین نصیب نہیں ہوتا... مفت میں دشمنی پال رکھی تھی......سجاد کی ہمیشہ سے مرضی تھی۔زلیخا سے شادی کرے۔جب بات چلنے لگی تو وہ باہر چلا گیا......دس سال کے بعد خوب دولت کما کر واپس لوٹا......آتے جب اس بات کا علم ہوا کہ ایک کمزور بیمار شخص سے زلیخا جیسی پڑھی لکھی لڑکی کی شادی کر دی تو اس کو بہت دکھ ہوا......طاہرہ خانم نے بہت کوشش کی کہ اس کے لئے اچھی لڑکی تلاش کر جائے......لیکن یا تو لڑکی خوبصورت نہ ہوتی...... یا طاہرہ خانم کے مزاج کے مطابق اب جائیداد نہ ہوتی۔بس اسی تگ ودو میں کئی ماہ گزر گئے......

جب اس کو یہ خبر پہنچی کہ اب زلیخا بیوہ ہوگئی ہے تو اس کے اندر محبت و چاہت کی دبی ہوئی چنگاری نے پھر سر اٹھایا......بلکہ بھڑک اٹھی......اس نے دبے دبے لفظوں میں طاہرہ خانم سے بات کی......زلیخا کا نام سنتے ہی وہ آگ بگولہ ہوگئیں۔

تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا......کس طرح اب تم اس سے شادی کر سکتے ہو۔پلٹ کر بولیں۔

امی جان حرج ہی کیا ہے......کیا بیوہ سے شادی نہیں ہوسکتی......وہ گھگھیاتے ہوئے بولا۔

ہوسکتی ہے......لیکن زلیخا سے نہیں سمجھے......وہ شدید غصیلے لہجے میں بولیں۔

زلیخا سے کیوں نہیں......وہ پھر بولا۔

زلیخا تمہارے معیار پر پوری نہیں اتر سکتی......تم بس اس سلسلے کو بند ہی کر دو تو بہتر ہے۔وہ ہاتھ جوڑ کر سجاد کو خاموش رہنے کی منت کرنے لگیں۔

امی جان......سب سلسلے آپ نے خود ہی بند کر دیئے ہیں......سجاد نے بظاہر آرام سے کہا لیکن اس کے اندر تلخی بڑھ رہی تھی۔میں تمہاری شادی کسی غیر شادی شدہ لڑکی سے کروں گی ......جو ہر طرح سے میرے اور تمہارے معیار پر پوری ہو۔وہ بلند آواز سے بولیں۔

ایک عرصہ گزر گیا......آپ کے میزان میں معیار پورا نہیں ہوا۔وہ طنزاً کہہ گیا۔

دیکھو......میرے بیٹے...... زلیخا سے شادی کی خواہش ترک کر دو۔میں چاہتی ہوں کہ تمہارے لئے کوئی کم سن پڑھی لکھی لڑکی اور صاحب جائیداد ہو اور حسین ترین بھی ہونی چاہئے ......اتنی ساری خوبیاں ایک لڑکی میں تو ملنا محال ہوں گی۔

انہی سوچوں ارادوں کو لئے وہ لاہور آ گیا......زلیخا کو اپنانا چاہا اور مایوس لوٹ گیا۔تھوڑی تسکین رقیہ بانو کی بات سے ہوئی کہ میں بات کروں گی زلیخا سے۔

لیکن زلیخا نے بات سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا......اماں......ابھی تو نذیر کو دنیا چھوڑے کوئی عرصہ بھی نہیں ہوا......وہ سسک سسک کر بولی۔

بیٹا......میں ماں ہوں تمہاری...... چاہتی ہوں کہ میری زندگی میں تمہارا بھی کوئی سہارا بن

جائے۔ تمہارا باپ دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے...... صائمہ کی شادی ہو جائے گی...... تم
کس کے سہارے زندگی گزارنی ہو گی...... رقیہ بانو خود کہتے ہوئے سسک اٹھیں...... وہ روتی
رہی...... داغِ تقدیر آنسوؤں سے کب دھلتے ہیں...... وہ سسکتی رہی...... آنسو اس کی آنکھوں
سے بارش کی طرح برستے رہے۔ نذیر کی یادشدت سے اس کے قلب وجگر کو جلانے لگی۔

رو لو...... چند ماہ سے غبار رکا ہوا تھا۔ بہہ جائے تو اچھا ہے۔ وہ روتی رہی...... اور وہ لمحے
کس قدر اذیت ناک ہیں جب جگر کی دہکتی آگ پر آنسوؤں کے قطرے پڑیں تو اردگرد کے
ماحول کو خاکستر کر دیتے ہیں۔ رقیہ بانو دیکھتی رہیں اور وہ تڑپتی رہی۔

میری بچی...... وہ سکون کی نیند سو گیا...... وہ نیک آدمی تھا...... اس نے جتنی تکلیف بھی دنیا
میں برداشت کر لی...... اب ان دکھ بھرے آنسوؤں سے اس کی قبر کو مت گیلا کرو......
تمہیں چاہتا تھا...... یہ آنسو اس کی راہیں روک دیں گی...... وہ سمندر کے پرے کھڑا
...... اس کو مت روک...... اٹھ کر رقیہ بانو نے زلیخا کو ساتھ لگا لیا۔

چپ ہو جاؤ میری بچی...... میرا خیال ہے تمہارا باپ آ گیا ہے......

رقیہ بانو...... کہاں ہو...... صحن میں کھڑے ہو کر حسب عادت کرامت علی نے پکارا......

آ رہی ہوں...... رقیہ بانو...... جلدی جلدی زینہ اترتے ہوئے عجلت میں بولیں۔

او ہو...... ذرا آہستہ رقیہ بانو...... اس بڑھاپے میں گھٹنوں کی ہڈی ٹوٹ گئی تو جڑے گی
نہیں...... اور ہمارا کیا بنے گا...... وہ اس وقت مذاق کے موڈ میں تھے۔

اللہ خیر کرے...... کوئی اچھی بات بھی منہ سے نکال لیا کریں...... رقیہ بانو اٹھلا کر بولیں

اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ زینہ سنبھل سنبھل کر اترا کرو...... زندگی کا ساتھی تو تم ہی ہو......
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو...... کرامت علی نے آخری زینہ اترتے رقیہ بانو
کا ہاتھ تھام لیا۔

افسردہ صورت آتی زلیخا کی ہنسی نکل آئی۔

ماشاءاللہ...... جو میری بچی مسکرا دی...... آ جاؤ بیٹی اپنے ہاتھ کا ایرانی قہوا بناؤ...... موسم ابر
آلود ہو رہا ہے۔ وہ زلیخا سے بولے۔

اچھا ابا...... باپ کو خوش دیکھ کر اسے بھی خوشی کا احساس ہوا...... سارے غم بھول کر کچن میں چلی گئی۔

☆

دروازہ کھلتے ہی دھماکہ ہوا۔

نسرین بڑی سی چادر لہراتی اندر آ گئی...... صحن میں صرف صائمہ کھڑی تھی۔ اس نے آتے ہی
جیسے صائمہ کو دبوچ لیا۔

میری بچی...... ماں صدقے...... کیسی ہو......

ٹھیک ہوں آنٹی...... صائمہ نے بڑی عقیدت کے ساتھ نگاہیں جھکا لیں۔

آ جائیے بیٹھک میں۔ صائمہ نسرین کو بیٹھک میں لے گئی۔

تمہاری ماں...... میری بہن کہاں ہے۔ وہ محبت کی نگاہ صائمہ کے معصوم چہرے پر ڈالتے
ہوئے بولیں۔

امی ابا رحیمہ کے ہاں گئے ہیں...... وہ بھابی آ گئیں۔ وہ شاہدہ کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

صائمہ...... تم چائے رکھو...... شاہدہ نے بڑے خلوص سے صائمہ کی خوش دامن کو ساتھ لگا لیا

کیسی ہو بہو...... ٹھیک ہو نا...... وہ میرا بیٹا جمیل اچھا ہے۔ نسرین ایک ہی سانس میں کہتے
ہوئے دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئیں...... شاہدہ بھی ہنستی ہوئی بیٹھ گئی۔

اللہ کا شکر ہے آنٹی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔

شاہدہ...... نسرین پراسرار سے انداز میں جوتے دوبارہ پہن کر بولیں۔

جی...... شاہدہ چونک گئی۔

وہ تمہاری بڑی نند...... زلیخا...... اس کا رشتہ کہیں کیا کہ نہیں...... نسرین نے سرگوشی کی۔

نہیں آنٹی...... ابھی تو نہیں...... شاہدہ لاعلمی کے سے لہجے میں بولی۔

میں تو کہتی ہوں...... اس کا کوئی بر تلاش کرو...... آخر کب تک اسی طرح بیٹھی رہے گی......
جوان لڑکی ہے...... نسرین نے ہاتھ نچا کر کہا۔

اماں ہی جانیں آنٹی...... زلیخا مانتی نہیں...... شاہدہ نے سیدھے سادے الفاظ میں کہا۔

لو......اور سنو مانے گی کیوں نہیں......اس کے بھلے کی بات ہے۔نسرین نے تنک کر کہا۔

بھابی چائے......میں پانی لے آؤں۔صائمہ نے نرالی کو اندر گھسیٹتے ہوئے کہا۔

ہاں جاؤ......شاہدہ نے نرالی گھسیٹ کر درمیان میں کر لی۔

دیکھو دلہن......دو گھروں میں شادی آبادی ہونے والی ہے۔میں تو کہتی ہوں کہ زلیخا کا بھی بیاہ کر دو......تاکہ گھر میں کوئی بدشگونی نہ ہو......نسرین کے انداز میں حد درجہ نخوت پائی جاتی تھی۔وہ بھی تیز طرار عورت تھی۔

آپ اماں سے بات کر لیں......میں کیا کہہ سکتی ہوں۔شاہدہ نے اپنے آپ کو ہر ذمہ داری سے عاری سمجھا۔

تم بھی ٹھیک کہتی ہو......بھلا بیوہ رنڈوا عورت کا کیا مقام ہے......لوگ تو پاس نہیں پھٹکنے دیتے......شادی بیاہ والے گھر میں گھسنے نہیں دیتے......اللہ......اللہ کسی عورت کے شوہر کو کچھ نہ کرے......ربا عورت اٹھا لے۔نسرین نے چترچتر زبان چلاتے ہوئے کہا۔

صائمہ جگ اور گلاس میز پر رکھ کر چلی گئی۔

شاہدہ نے خاموش گلاس میں پانی ڈال کر نسرین کے سامنے رکھا......

وہ خود کوئی نسرین سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی......کیونکہ نسرین زیادہ زبان دراز اور چالاک شاطر عورت تھی......اس کو لگائی بجھائی کی بھی عادت تھی......رسومات اور رواجوں کی بہت عادی اور پابند تھی۔

نسرین نے گلاس پانی کا پی کر ایک نظر سامنے آویزاں کلاک پر ڈالی اور گلاس رکھا۔

چائے پیجئے......شاہدہ نے پیالی سامنے رکھی اور بسکٹ دوسری نمکین اشیاء کے ساتھ پلیٹیں رکھ دیں۔

تم بھی کھاؤ بیٹی......نسرین نے نمکین بسکٹ منہ میں رکھا۔

آپ لیجئے......میں کھانے کا بندوبست کر لوں۔

اچھا......شاہدہ باہر آ گئی۔

صائمہ......اف توبہ......تمہاری ساس تو بہت باتیں کرتی ہے۔باتونی عورت ہے۔شاہدہ نے ہنس کر صائمہ کے شانے پر ہاتھ مارا۔

بھابی......دوپہر کو کھانے کا کیا کرنا ہے۔صائمہ نے ہنس کر کہا۔

بات کو ٹال کر رکھ دیا......جاؤ ساس کے پاس بیٹھو......باتیں سنو......شاہدہ پھر ہنس دی۔

دیکھیے......میری توبہ......صائمہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

ابھی سے توبہ میری بنو......ساری عمر کیا کرو گی۔وہاں تو توبہ بھی نہ کر سکو گی......شاہدہ نے ہنس کر پیاز چھیلنا شروع کر دیا۔

بھابی بہن تو میں نے چھیل کے پیس دیا ہے......اب آگے آپ دیکھ لیں۔صائمہ نے کہا۔

گوشت پکا لو......اور ایک ادھ سبزی بھون لو......فریج میں پڑی ہو گی۔شاہدہ اپنے کمرے میں جاتے بولی۔

بھابی......بیٹھک میں تو بیٹھئے جا کر۔صائمہ نے کہا۔

گڈو کو دیکھنے جا رہی ہوں......جاتی ہوں......شاہدہ نے جاتے جاتے کہا۔

کھانا تیار ہونے تک کرامت علی اور رقیہ بانو لوٹ آئیں......اندر کون ہے۔صحن میں آتے ہی رقیہ بانو نے کہا۔

آنٹی نسرین ہے۔شاہدہ نے کہا۔

اچھا......ادھر بلا لاؤ دلہن......میں تھک گئی ہوں......لیٹتی ہوں......ضرور کوئی بات ہے۔کرامت علی کا ماتھا ٹھنکا۔

لگتا تو ہے......ورنہ رائے ونڈ سے یوں اکیلے نہ آتیں۔رقیہ بانو برآمدے میں جاتے بولیں۔

میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔

اچھا جائیے......

نسرین......ارے......تم کیسے آ گئیں......چھ ماہ کے بعد صورت دکھائی تم نے۔رقیہ بانو نے بیٹھک میں قدم رکھا۔

آپا......اتنا انتظار کروایا......لڑکیاں کام میں جتی ہوئی تھیں......میں تو تنگ آ گئی اکیلے بیٹھے بیٹھے......نسرین کھڑی ہو کر رقیہ بانو کے گلے زور زور سے ارد گرد ملتے بولی۔

چلو اندر......تم کونسی مہمان ہو......آ جاؤ برآمدے میں......رقیہ بانو اس کا ہاتھ پکڑے برآمدے میں ہی لے گئیں۔جہاں دو پلنگ بچھے ہوئے تھے۔

نسرین آتے ہی پلنگ پر لیٹ گئی اور رقیہ بانو پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

ہوئی بہو ٹھیک تھے۔صائمہ نے کہا۔

بالکل ٹھیک ٹھاک تھے دونوں بچے......بس ذرا موسمی نزلہ زکام اور بخار کی شکایت تھی۔رقیہ

بانو نے ڈوپٹہ اتار کر اپنا چہرا صاف کیا۔

دولت کے چونچلے ہی سارے ......آپا......نسرین نے ایک دم بیٹھ کر کہا۔

ہاں تو اور کیا...... ڈاکٹر گھر دیکھنے آتا ہے بچوں کو......وہ موئی دادی کی گود میں ٹکی ہوتی ہے......ہلتی جلتی بھی نہیں......رقیہ بانو ہنس ہنس کر کہنے لگیں۔

اسے ذرا بخار زیادہ ہوگا۔شاہدہ نے کہا۔

میرا خیال ہے اسے بخار تیز ہوگا۔رقیہ بانو لیٹتے ہوئے بولیں۔

ارے ......دلہن......دو بج گئے......زلیخا نہیں آئی......رقیہ بانو چونک گئیں۔

اماں دفتر چار بجے بند ہوتا ہے۔صائمہ نے اپنے کمرے میں سے آواز دی۔

اچھا......رقیہ بانو نے کہا۔

آپا......ایک بات تو سن۔نسرین اٹھ کر بولی۔

کہو......ایک سال ہونے کو آیا......زلیخا کی کہیں بات چلالو۔نسرین بڑی ہمدرد لگ رہی تھی۔

کہاں بات چلالوں......کوئی کام کا لڑکا ملے بھی تو......رقیہ بانو کو نسرین کی بات پر غصہ آ گیا۔

کیوں نہیں......تم کوشش ہی نہیں کرتی......ارد گرد کسی کو کہو......

میں نہیں کسی کو کہتی......مقدر میں ہوگا تو مل جائیگا......رقیہ بانو کو وہ زلفن یاد آ گئی......

یہ رشتے کروانے والیاں......میل جول کا رشتہ تلاش کر لیتی ہیں......تمہارے محلے میں بھی کوئی ہوگی۔نسرین نے کہا۔

اللہ بچائے ان عورتوں سے......خدا جہنم رسید کرے اس زلفن کو......میری بچی کے لئے رشتہ تلاش کر دیا......ورنہ آج یہ حال نہ ہوتا۔رقیہ بانو نے ماتھا پکڑ لیا۔

آپا تم نے چھان بین نہ کی ہو گی......خیر دھوکہ تو ہو ہی جاتا ہے......نسرین بڑی سہل انگریزی سے دھوکے کا لفظ خیر کے ساتھ استعمال کر گئی۔

تم خیر کہہ رہی ہو......میری جوان بیٹی کی زندگی تباہ ہوگئی......رقیہ بانو نے دکھ بھرے انداز سے سینے پر ہاتھ رکھا۔

کیوں پریشان ہو رہی ہو......کچھ بھی نہیں بگڑا......کہو تو میں رشتہ تلاش کروں۔نسرین نے کہا۔

کہاں ملے گا رشتہ......اول تو وہ مانتی ہی نہیں......رقیہ بانو نے کہا۔

تم اس کو مت دیکھو......وہ بیچاری خود تھوڑی کہے گی......آخر گھر بسانے کی کس کو تمنا نہیں

پنکھ پکھیرو بھی شام کو اپنے گھونسلے کی طرف بھاگے......

نسرین نے نہایت چالاکی سے سوچا اور بالوں کو دونوں ہاتھوں سے درست کیا۔

تمہاری بات بھی ٹھیک ہے نسرین......میں تو بے بس ہو گئی ہوں......رقیہ بانو انتہائی اداس ہو کر بستر میں لیٹ گئیں۔

تم پریشان نہ ہو......رائے ونڈ چھوٹا شہر نہیں ہے......کروں گی تلاش۔نسرین نے کہا۔

وہ نہیں مانتی شادی کے لئے...... ماشاءاللہ دس ہزار سے زیادہ تنخواہ ہے زلیخا کی۔بہت پڑھی لکھی ہے میری بیٹی......اس کو تو بس تعلیم کا ہی شوق تھا......میرے خدا تو نے میری بچی کے نصیب کیوں اچھے نہ لکھے......رقیہ بانو نے کہا۔

کیا کرتی ہے اتنی تنخواہ کا۔نسرین کے منہ میں پانی آ گیا۔

کرنا کیا ہے......گھر میں اپنے لئے اور پھر صائمہ کے لئے تو ہزاروں چیزیں خرید کر لے آئی ہے......تنخواہ زیادہ ہے تو دل بھی بہت بڑا ہے......رقیہ بانو نے کہا۔

دروازہ کھلا اور زلیخا اندر داخل ہوئی۔

بھابی......اندر ہو جاؤ......زلیخا نے صحن میں کپڑے سکھاتے شاہدہ کو کہا۔

شاہدہ کچن میں ہوگئی اور دو آدمی صحن میں بڑا سا باکس رکھ کر چلے گئے۔

زلیخا نے پرس کھول کر ان کو حسب منشا مزدوری ادا کی اور ان کو رخصت کر دیا......

ان دونوں کو جاتے دیکھ کر شاہدہ اور صائمہ صحن میں آ گئیں۔

صائمہ اٹھاؤ......تمہارا مال ہے۔زلیخا ہنس کر بولی۔

میرا......صائمہ نے کہا

یہ چیز کیا ہے آپا......صائمہ اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر اس کے قیمتی ہونے کا اندازہ لگا چکی تھی۔

صائمہ یہ کوکنگ رینج ہے...... ہر چیز پکانے کے لئے......اس میں تو آون بھی ہے۔شاہدہ کے منہ میں پانی آ گیا۔

آپا بہت مہنگا آتا ہوگا......کتنے کا آیا......صائمہ نے کہا۔

تمہیں اس سے کیا......پسند ہے نا تمہیں۔زلیخا نے کہا۔

بہت اچھا ہے آپا......پسند کیوں نہیں ہوگا......صائمہ نے زلیخا کو ساتھ لپٹا لیا۔

شاہدہ واپس کچن میں چلی گئی۔

اے لڑکیوں کیا کھسر پھسر لگا رکھی ہے ......اندر تو آؤ......رقیہ بیگم کی آواز سے دونوں چونک گئیں۔

زلیخا آ گئی ہے۔نسرین ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی جیسے پہلی جنگ عظیم میں جرمنوں کے خوف سے لوگ ہراساں ہو جاتے تھے۔

زلیخا ایک دم ٹھٹھکی ۔تمہاری ساس آئی ہے۔زلیخا کے چہرے کی شگفتگی ایک دم سے غائب ہو گئی۔

صائمہ بنڈل پکڑ کر اس کو پہیوں کے ساتھ چلاتے برآمدے میں لے گئی۔

ارے ...... یہ زلیخا لائی ہے ...... دیکھو نسرین ...... کتنی پیاری چیز لائی ہے میری بیٹی ز......رقیہ بانو نے اٹھ کر بڑے غور سے دیکھا۔

خود کہا ہے ......نسرین جانتی تھی کہ زلیخا کی طبع پر اس کی باتیں گراں گزرتی ہیں۔ا کمرے میں چلی گئی ہے۔

دیکھو نسرین ...... چولہا بھی ہے ......اور تلنے تلانے کے لئے بھی سب کچھ بنا ہوا ہے...... بہت اچھا ہے ......ایک ہی وقت میں خاصا کام ہو سکتا ہے۔نسرین نے وہیں بیٹھے بیٹھے دلہن نے دیکھا۔رقیہ بانو نے کہا۔

بھابی نے دیکھا......انہیں پسند بھی بہت آیا......صائمہ اپنے کمرے میں لے جاتے ہوئے بولی

ان چیزوں کا کوئی حرج نہیں ......البتہ کپڑے لتے کا خیال رکھنا۔ایک دم تڑپ کر رقیہ نے صحن کی طرف دیکھا کہ کہیں اس عورت کی زہر میں بجھی بات زلیخا نا سن لے۔

آنٹی کپڑوں کا خیال ......اس کا کیا مطلب ......صائمہ بولی۔

رقیہ بانو نے آنکھیں کھولیں۔

بیٹی خدا تمہارا سہاگ سلامت رکھے ......زلیخا اب سہاگن نہیں ہے۔اس کے تو سائے بھی تمہیں پرہیز رکھنا چاہئے۔حسب عادت بے خوف وخطر نسرین نے صائمہ کو جیسے تنبیہ کی

تو چل کھانا لگا میز پر......کتنا وقت ہو چکا ہے......نسرین کو بھوک لگی ہوگی۔رقیہ بانو نے کی بات سے جھنجھلا سی گئیں۔

اچھا اماں ......صائمہ کچن میں چل دی۔

کھانا ڈائننگ ٹیبل پر لگ چکا تھا ......کرامت علی اور گھر کے سب لوگوں نے کھانا مل کر

......

ہاں......زلیخا کو بلا لیں۔شاہدہ نے کہا

نہیں تم ٹرے میں ڈالو......میں اسے خود دے آتی ہوں۔وہ اپنی خفگی کو دل میں دبائے بولیں۔

شاہدہ نے ٹرے میں کھانا رکھا اور خود زینہ کی طرف چل دی۔ا

ادھر لاؤ بہو......تمہارا زلیخا کے سامنے جانا بھی ٹھیک نہیں......رقیہ بانو نے شاہدہ کے ہاتھ سے ٹرے پکڑ لی۔

ابا......یہاں بلا لاؤ زلیخا کو......ہم ساتھ مل کے کھانا کھائیں۔نسرین نے زور سے کہا اور لے لگا۔

نہیں بہن ...... رقیہ بانو ...... دے دو ......نہیں تو میں لے جاتا ہوں ......کرامت علی لے۔

رقیہ بانو ہانپتی ہوئی اوپر چڑھ گئیں۔

اماں......مجھے آواز دی ہوتی......میں خود لے جاتی۔زلیخا نے ایک دم ٹرے پکڑ کر کہا۔

میں نہیں چاہتی تم اس عورت کے منہ لگو ......اس کے ساتھ ہی رقیہ بانو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

اماں......کیا ہو گیا......زلیخا حیران سی بولی۔

تم کھانا کھاؤ......صبح سے صرف ایک پیس کھایا ہوا ہے تم نے ......وہ سسکتے ہوئے بولیں۔

اماں...... پہلے بات بتائیں ......کیا ہوا ہے۔وہ خود پریشان لگنے لگی تھی۔

تمہارے مقدر نہیں ہمارے مقدر پھوٹے ہیں بیٹی ...... میں اور تیرا باپ مر جائیں گے ......اگر اور کچھ عرصہ یوں ہی حالات رہے......رقیہ بانو نے آنکھیں صاف کیں۔

اماں......آپ دل کو کڑا رکھیے ...... یہ باتیں تو اب روز کا معمول بن چکی ہیں......زلیخا نے [illegible] کے ساتھ لقمہ لیا۔

[illegible]......تمہیں معلوم ہو گیا۔رقیہ بانو جانے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔

[illegible]...... جب میرے گھر والے اچھوت سمجھتے ہیں تو آنٹی نسرین بھی ایک عورت ہے ......

[illegible] ثانوی عورت ......اس کا کیا برا ماننا۔وہ آہستہ آہستہ کھاتے ہوئے بولی۔

اچھا اچھا......تو پیٹ بھر کے کھانا کھا...... برتن کوئی نہ کوئی لے جائے گا۔رقیہ بانو جاتے جاتے بولیں۔

میں لے آؤں گی اماں ...... زلیخا نے پانی پی کر گلاس رکھا۔

نہ نہ تم نے نیچے نہیں آنا ...... برتن میں خود لے آؤں گی۔ وہ جاتے جاتے بولیں۔

کیوں اماں ...... وہ ہنس دی۔

میں نہیں چاہتی تم اس عورت کے منہ لگو ...... وہ زینہ اتر آئیں۔

کھانا ختم ہوا۔ قہوا پیتے ہی نسرین نے بات چھیڑ دی۔

رقیہ آپا ...... اب میری امانت میرے حوالے کریں۔ نسرین نے مسکرا کر کہا۔

کیا ...... کرامت علی بولے۔

ارے بھائی صاحب ...... میں صائمہ کی تاریخ لینے آئی ہوں۔ نسرین نے کہا۔

تاریخ ...... اکیلے ہی ...... کرامت علی کو حیرت ہوئی۔

اور کیا ...... فوج آنی چاہئے۔ نسرین تنک کر بولی۔

یہ بات نہیں ...... کم از کم لڑکے کا باپ ...... ایک دو اور شریف آدمی ......

اس کا مطلب کہ میری آپ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں۔ وہ خفا خفا سا مسکرا کر بولیں۔

او ہو ...... ہماری بہن ...... تم نے غلط سمجھا ہے ...... تم ہمارے نزدیک بہت اہم ہو ......

بات صرف اتنی ہے کہ چار تمہارے لوگ ہوں چار ہمارے ...... اس طرح ایسے معاملے سلجھے

اچھے لگتے ہیں۔ کرامت علی بڑے خلوص اور اچھے لہجے میں بولے۔

سب خاموش بیٹھے سن رہے تھے ...... کسی کو دخل دینے کی جرات نہ ہوئی۔

ٹھیک ہے آپ فون کر کے طارق کے والد اور میرے بڑے بھائی عاشق علی کو بلا لیجئے ......

کیونکہ اب یہ مسئلہ حل ہونا چاہئے۔ نسرین نے کہا۔

ٹھیک ہے ...... میں کل آپ کا پیغام میاں لطیف اور بھائی عاشق علی کو پہنچا دوں گا۔

ٹھیک ہے ...... نسرین نے کہا اور آخری گھونٹ پی کر کپ میز پر رکھ دیا۔

چنانچہ ......

دوسرے روز ٹیلی فون ملتے ہی لطیف میاں اور عاشق صاحب صائمہ اور طارق کے دن مقرر

کرنے آن پہنچے ...... بڑے بحث مباحثے کے بعد بات یہ طے ہوئی کہ نکاح اور حق مہر کی رقم

ابھی طے ہو جائے تا کہ رخصتی کے وقت کوئی تاخیر نہ ہو اور نہ کوئی چپقلش ہو ......

یہ بات میرے اصول کے خلاف ہے ...... نکاح کے بعد میں لڑکی کو گھر میں نہیں رکھ

رخصتی ساتھ ہی ہو گی۔ کرامت علی نے کہا۔

ٹھیک ہے تین ماہ کے بعد کوئی تاریخ مقرر کر لیں ...... ہم بارات لے کر آئیں گے ......

کیوں لطیف بھائی ...... عاشق علی نے لطیف میاں سے اقرار طلب کیا۔

بالکل درست ...... اس طرح چاند کی مبارک ساعت دیکھ لیں۔ لطیف میاں نے اقرار میں

گردن ہلائی۔

کرامت علی نے عینک کو اوپر نیچے کر کے اگست، ستمبر، اکتوبر کے نومبر کی کوئی تاریخ مقرر

کرنا چاہی۔

نومبر کی چودہ اور دن جمعہ ...... کیسا رہے گا۔ عاشق علی ایک دم بولے۔

مبارک، مبارک کا شور بلند ہوا ...... خوشیوں کا ایک سیلاب امڈ آیا تھا ...... سب ہی خوش تھے ......

رحیمہ نے سب سے پہلے لڈو توڑ کر صائمہ کے منہ میں ڈالا ...... باقی عورتوں نے بھی لڈو ڈالا۔

زلیخا نے لڈو صائمہ کے منہ میں رکھنا چاہا۔

زلیخا یہ کیا کرتی ہو ...... یہ کام سہاگنوں کا ہے ...... بدشگونی تو نہ کرو ...... زاہدہ بیگم نے زلیخا

کے ہاتھ سے لڈو چھین لیا۔

زلیخا ...... وہ ہکا بکا سی رہ گئی ...... وہ شاید دستورِ زمانہ ابھی تک نہ سمجھ پائی تھی ...... چچ چچ ...... سہاگن

ہوتی تو اور بات تھی ...... بیوہ کا سایہ بھی کاٹے ...... ایک پڑوسن دکھ سے زلیخا کو دیکھ کر بولی۔

ادھر آ جاؤ نا بیٹی ...... یہ کام تو سہاگنوں کا ہے ...... تمہیں تو ادھر آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ ایک

طرار ادھیڑ عمر عورت زلیخا کو پکڑ کر دروازے کی طرف لے گئی۔

زلیخا کی زبان گنگ سی ہو گئی۔ اس کا سر گھومنے لگا ...... یہ بیوگی جرم ناکردہ کی طرح اس پر

وارد ہو گئی تھی۔

زلیخا ...... شگون ہو رہا ہے ...... تم ادھر ہی رہنا ...... دلہن کے پاس مت جانا۔ نسرین ہاتھ

میں مٹھائی کا تھال پکڑے بولی۔

نہیں ...... نہیں ...... وہ چیخ اٹھی ...... اور دیوانہ وار ہجوم کو پچھاڑ کر برق رفتاری سے زینہ چڑھ گئی۔

اس شور و غل اور غل غپاڑہ میں اس کے چیخنے چلانے کی آواز کسی نہ سنی ...... سب شور میں دفن

ہو گیا ...... وہ روتی رہی، بلکتی رہی ......

زلیخا ...... میں جو موجود نہیں تھا ...... تم اکیلے کیوں گئی ہو ...... نذیر ...... اس کا احساس نذیر

بن کر سامنے کھڑا ہو گیا...... تم ...... تم بے وفا نکلے ہو ...... تم نے مجھے اتنی بڑی سزا دی
میری محبتوں، رفاقتوں اور مہربانیوں کا یہ صلہ تو نہیں تھا کہ تم طعنہ زنی کے اس بازار میں
چھوڑ کر چلے جاتے۔ تم تو میرا نصیب تھے...... پھر کیوں بچھڑ گئے۔ تم تو محبت کے آسمان پر
جگمگاتا ہوا ستارا تھے...... تم کیوں آسمان کی وسعتوں میں کھو گئے...... تمہاری روشنی کیوں ماند
پڑ گئی...... تم جیسے بھی تھے میری راہ کے چراغ تھے...... نذیر...... کاش تم میرے پاس ہوتے
نذیر...... لوٹ آؤ...... نذیر...... وہ پکارتی رہی۔

زلیخا...... شاید میں تمہارے قابل نہ تھا...... تم آسمان کا درخشندہ ستارا تھی اور میں راستے کی
دھول...... تم نے دھول سے پھول تو بنا دیا...... لیکن میں آسمان کے ستارے کے ساتھ نہ چل
سکا...... میں تمہاری طرح روشن نہ تھا......

وہ نذیر کی یادوں کو سینے میں چھپائے روتی رہی...... آنسو جیسے اس کا مقدر بن چکے تھے......
نذیر ہر لمحہ ہر لحظہ اس کے احساس میں رہتا......

شام میلی ہو چکی تھی...... چاروں جانب ملگجی سی روشنی پھیل چکی تھی۔ ہنگامہ کم ہو چکا تھا لیکن
اشکوں کا سیلاب اس کی آنکھوں سے پھوٹ پھوٹ کر بہتا رہا۔ وہ آہستہ آہستہ اس غم نا
شنا سا چہروں سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ میں اب پلٹ کر ہرگز نہیں دیکھوں گا...... جہاں حد نگاہ
تک نفرتوں کی پرچھائیاں لرزتی اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

دعوت میں شریک مہمان جا چکے تھے...... صرف مکین باقی رہ گئے تھے...... ان مکینوں میں
رحیمہ، اس کا شوہر، والدہ اور زاہدہ بیگم بھی شامل تھیں۔

اللہ کا ہزار شکر ہے یہ کام بھی مکمل ہوا...... دلہن...... اِدھر آؤ۔ ایک دم بری طرح ہڑبڑا
رقیہ بانو نے شاہدہ کو پکارا۔

جی اماں...... شاہدہ زاہدہ بیگم کو میٹھے کی پلیٹ پکڑا کر پلٹی۔

زلیخا کہاں ہے...... نظر نہیں آ رہی...... رقیہ بانو کی متلاشی نگاہیں چاروں جانب گھوم گئیں۔
سنتے ہی زاہدہ بیگم کے ہاتھ بھی لرز گئے...... اپنے کمرے میں ہو گی شاید۔

سب جانتے ہوئے شاہدہ نے لاعلمی کا کھلا اظہار کر دیا۔

میرا تو خیال ہے اس نے کھایا بھی کچھ نہیں ہو گا۔ رقیہ بانو نے دل پر ہاتھ رکھا۔

سب لوگ تو اب کھا رہے ہیں...... وہ پہلے کہاں سے کھا لیتی۔ کرامت علی نے پانی کا گ
پر رکھا۔

رحیمہ! بہن کو کھانا دے آؤ...... میں ہی چلی جاتی...... اب سیڑھیاں چڑھ نہیں سکتی۔
بانو نے جیسے منت کی...... اور رحیمہ کو پرکھا کہ اس کے تاثرات بدلے کہ نہیں۔

بانو...... زلیخا آپا میرے ساتھ بات کرنا تو پسند نہیں کرتیں...... کھانا میرے ہاتھ سے
لے گی۔ رحیمہ نے ناک سکیڑ کر صاف انکار میں ہاتھ جوڑ دیئے۔

رقیہ بانو نے دانت کچکچا کر منہ پھیر لیا...... وہ زبیدہ بانو اور شرجیل کے سامنے کچھ کہنا نہیں
چاہتی تھیں۔

دلہن...... جا میرا بچہ تو دے آ...... وہ بھی کچھ کھا لے...... ہزار نعمتیں ہیں...... کرامت علی
نوالہ نگل کر شاہدہ سے کہا۔

زاہدہ بیگم نے بڑی بڑی آنکھیں نکال کر شاہدہ کو دیکھا...... مگر عافیت خاموشی میں ہی سمجھی
ہو سکتا تھا کہ کھولتی ہوئی رقیہ بانو ان پر ہی نہ برس پڑتیں۔

اچھا ابا...... شاہدہ نے ٹرے اٹھائی اور کچن میں چل دی۔

حسب ضرورت ٹرے میں سب اشیاء رکھ کر وہ اوپر چل دی۔

زلیخا...... کھانا کھا لو...... شاہدہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ اپنا سامان باندھ رہی تھی۔

کھانا بھابی...... تم لے کے آئی ہو...... تم تو سہاگن ہو...... کیوں آئی ہو تم...... اپنی ماں کو
ہو...... تمہیں سات پردوں میں ملفوف کر کے رکھے تاکہ میری بیوگی کا ایک شمہ بھی تم پر نہ
ے...... لے جاؤ...... مجھے نہیں ضرورت تمہارے لائے ہوئے کھانے کی...... جوش میں
زلیخا نے ہاتھ مارا اور پانی کا جگ الٹا کر رکھ دیا۔

زلیخا...... کیا ہو گیا ہے تمہیں...... شاہدہ غیر متحرک سی ہو گئی۔

بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا...... اب ہوا ہے...... وہ چلائی۔

شاہدہ الٹے قدموں لوٹ آئی......

ابا...... زلیخا کو کیا ہو گیا...... اس نے ایسا پہلے تو کبھی نہیں کیا...... شاہدہ نے نیچے آ کر
بیٹھے ہوئے برآمدے میں قدم رکھا۔

کیا ہوا ہے...... کرامت علی تڑپ کر کھڑے ہو گئے......

... نے ... نظریں رحیمہ اور زاہدہ بیگم کی طرف ڈالیں۔

وہ بڑی طیش میں ہے اماں ......کھانا تو ایک طرف رکھا ورنہ پانی کے جگ کے ساتھ اوپر پھینک دیتی ،شاہدہ اپنی سانس کو قابو میں کرتے بولی۔

دیکھئے جا کر ......کیا ہو گیا میری بچی کو......ضرور کچھ ہوا ہے۔ آخر برداشت کی بھی حد ہوتی ہے......رقیہ بانو تخت پر بیٹھ کر بلک بلک کر رونے لگیں۔

میں دیکھتا ہوں......سب بیٹھو......کوئی میرے پیچھے نہ آئے......

کرامت علی نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو بٹھا دیا اور ہانپتے ہوئے دلگرفتہ ،افسردہ اوپر چڑھ گئے۔

زلیخا بیٹی......یہ کیا کر رہی ہو......وہ سامان بندھا ہوا دیکھ کر بولے......

میں جا رہی ہوں......وہ بیگ کو بند کرتے سیدھی ہو گئی۔

کیوں بیٹی......کہاں؟......کرامت علی نے اس کے تھرکتے شانے پر اپنا بوڑھا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ لرز رہی تھی......خزاں رسیدہ پتے کی طرح......

اپنے گھر......نذیر چلا گیا ہے تو مجھ سے میرا گھر نہیں چھینا اس نے......وہ جوش سے پھر اونچی ہو گئی......وہ گھر نہیں ساتھ لے گیا......

یہ تمہارا اور تمہارے باپ کا گھر ہے۔ وہ بولے

نہیں ہے یہ میرا گھر نہ میرے باپ کا......دوسروں کا قبضہ ہے......وہ دوسری طرف کتابیں اکٹھی کرتے بیگ میں رکھتے بولی۔

اور کس کا ہے......میری بچی......تمہارا بھی ہے......تمہارے باپ......

آپ کو معلوم کس کا ہے......ہنہ......یہ......یہ سہاگنوں کا گھر ہے......سمجھے آپ......اس زبردست طنز کے نشتر سے جیسے دونوں جہاں پارہ پارہ ہو چکے ہیں۔ کرامت علی ادراک رکھنے والے انسان تھے......ان کی چھٹی حس بیدار ہو گئی کہ ضرور ایسی بات ہوئی ہے جو زلیخا کو گراں گزری ہے......ورنہ بے سبب ایسا نہیں ہے......انہیں اگر خدشہ تھا تو زاہدہ بیگم اور رحیمہ سے تھا......یہ دونوں بات کرتے نہ چوکتی تھیں......زبیدہ بانو موقعہ محل دیکھ کر بات کرتی تھیں ......ان کو ان دونوں پر شک تھا۔ یوں تو گلی محلے اور خاندان کی اور بھی عورتیں موجود تھیں...... چند لمحوں میں ان کا ذہن ہر طرف گھوم گیا۔

زلیخا بیٹی......میں اپنی زندگی میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا......وہ محبت سے اس کے بالوں کو سہلانے لگے۔

اکیلے ہونا تنہا ہونا نہیں ہوتا......اس گھر میں ہزاروں ، لاکھوں یادوں کا سرمایہ ساتھ ہے۔ باپ کو اس طرح ویران کھنڈر کی طرح اجڑا ہوا دیکھ کر اس کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ کرامت علی کے شانے سے لگ کر سسک اٹھی......

میں جانتا ہوں میری بیٹی......لیکن تیرے وجود کا اکیلا پن......مجھے چین نہیں لینے دے گا میں تقسیم ہو جاؤں گا......وہ ٹوٹے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے......

ہر بار مجھ سے مصلوب نہیں ہوا جاتا......آخر کوئی حد ہے ابا......وہ سامنے بیٹھ کر بولی۔

اچھا......چھوڑ سب باتیں......کھانا کھا......وہ سالن اس کے سامنے رکھ کر بولے۔

مجھے بھوک نہیں ہے......وہ سالن کو پرے رکھتے بولی۔

نہ میری جان......صبح سے تم نے کچھ نہیں کھایا......تھوڑا سا کھا لے......لے میرے ہاتھ سے......کرامت علی نے بھیگی آنکھیں صاف کیں اور لقمہ بنا کر زلیخا کی طرف بڑھایا۔

ابا......یہ سب برداشت آپ اور اماں کے لئے کر رہی ہوں......وہ لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولی۔

بھول جا میری بچی......وہ محبت سے بولے......

میں ان کا کھانا بھی نہیں کھانا چاہتی......سہاگنوں کا کھانا۔ وہ نفرت سے برا منہ بنا کر نوالہ نگل کر بولی اور غصے سے دانت کچکچائے۔

پانی لاؤں......وہ کولر کی طرف بڑھے......

ابا......آپ بیٹھ جائیے......اور تو گنہگار نہ کیجئے......وہ کرامت علی کو شانوں سے پکڑ کر بٹھاتے خود کولر سے پانی ڈالتے بولی۔

یہ کھانا کسی کا نہیں ہے......تمہارے باپ کا ہے......تمہیں معلوم ہے میں تو جمیل سے ایک پیسہ نہیں لیتا......ٹھیک ہے اپنا اور بچوں پر اپنی کمائی خرچ کرے......میں گاڑی چلاتا ہوں گا......وہ ذہن نشین کروانا چاہتے تھے......

میں جانتی ہوں ابا......پھر بھی نہ جانے کیوں آج ندامت ہو رہی ہے کہ میں شاید ان کا ہی کھاتی ہوں......وہ روٹیاں دسترخوان میں لپیٹ کر پرے کرتی بولی۔

دیکھ ہانپتی کانپتی تیری ماں بھی آ گئی......بیٹا تیری وجہ سے بیمار رہنے لگی ہے......اس کا

خیال کر......کرامت علی نے دیکھا۔

کچھ کھایا......رقیہ بانو نے زلیخا کے پاس بیٹھ کر اسے گلے لگا لیا۔

اماں ...... ماں کی محبت میں اس قدر شدت تھی کہ وہ موم کی طرح پگھل گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی......

میری بچی چپ ہو جا...... کتنے مہینے ہو گئے تمہیں آنسو بہاتے ......کچھ نہیں ملا......رقیہ بانو نے اپنے آنچل سے زلیخا کے ملائم چہرے سے آنسو صاف کئے۔

اماں......دنیا چپر کے لگاتی ہے تو آنسو آ جاتے ہیں......آخر تکلیف برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ وہ باتوں کو درست کرنے لگی۔

میں سب سمجھتا ہوں بیٹی ......تو دفتر سے سیدھی اوپر آ جایا کر......تیری ماں تجھے روٹی دے دیا کرے گی۔ کرامت علی زلیخا کو سہولیات فراہم کرنا چاہتے تھے

ارے نہیں اماں ...... اتنی تکلیف تو میں کبھی نہ دوں ......آپ آواز دے دیا کیجئے......میں خود پکڑ لیا کروں گی......زلیخا نے کہا۔

میں تمہیں یہاں گیس فٹ کروا دوں گا ......ضرورت کے وقت خود استعمال کر لیا کرو۔ کرامت علی نے کہا۔

ویری گڈ ابا...... کتنے اچھے ہیں آپ ......کاش آپ جیسا باپ سب کا ہو......محبت کے بے پناہ جذبے کے تحت کرامت علی کے دونوں ہاتھ تھام کر زلیخا نے آنکھوں کو لگا لئے۔

میری بچی تو خوش رہ......اب ہم سے تیری بھیگی آنکھیں نہیں دیکھی جاتیں......اپنے دل کو آسودہ بنا لو میری بچی ......رقیہ بانو نے محبت سے زلیخا کا ماتھا چوم لیا......اور کرامت علی پر ہاتھ رکھے نیچے اتر گئے......

بھائی کی آواز ہے......زلیخا نے کہا۔

ارے آج جلدی آ گیا جمیل......رقیہ بانو بھی اٹھتے ہوئے بولیں۔

اماں بیٹھ جائیے۔ زلیخا نے کہا۔

نہیں بیٹی...... آج بہت جلدی آ گیا...... بلکہ شام گہری نہیں ہوئی۔ کوئی بات ہے باپ کو آواز دی ہے......

ضرور بھائی کی ماں کچھ کہہ گئی ہوگی۔ زلیخا نے کہا۔

گئی کہاں ہے......اُدھر اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں گئی ہے آ جائیگی......رقیہ بانو آہستہ آہستہ زینہ اتر گئیں۔

میرے کمرے میں آ جایئے اماں......جمیل باپ کو بازو سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گیا

......

پہلے یہ بتا کوئی خطرے والی بات تو نہیں ......میں تو پہلے ہی بہت ڈری ہوئی ہوں......رقیہ خوفزدہ سی پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

بولو کیا بات ہے۔ کرامت علی چاروں طرف سامان بکھرا دیکھ کر بولے......

میں بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں......جس کا حل فوری ہونا چاہئے۔ وہ مسکرا دیا۔

حل ممکن تو ہو۔ کرامت علی نے آہستہ سے کہا۔

ممکن ہے......آپ کا جی نہیں چاہتا......جمیل ممکن پر زور ڈال کر بولا۔

بات تو کرو...... پتہ تو چلے......آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو......

سیدھی بات ہے ابا......میرا اب اس کمرے میں گزارہ نہیں ہوتا۔ جمیل نے کہا۔

اب کیا ہو گیا ہے۔ رقیہ بانو تو خاموش رہیں......کرامت علی نے کہا۔

ابا......میرے بچے تین ہو گئے ہیں......سامان بھی زیادہ ہو گیا ہے......ایک کمرے میں اب میری گزر بسر نہیں ہو سکتی۔ جمیل نے آہستہ سے ساری بات گوش گزار کر دی۔

مجھے تمہاری بات سمجھ آ گئی ہے......دو تین ماہ میں صائمہ اپنے گھر چلی جائیگی ، وہ کمرہ بھی تم لے لینا......اور کیا چاہئے......

مجھے سٹور بھی چاہئے......بچوں کی ہزار چیزیں رکھنا ضروری ہوتی ہیں۔ جمیل نے کہا۔

رقیہ بانو نے بغور جمیل کے چہرے کی طرف دیکھا......

تم نہیں زاہدہ بیگم بول رہی ہے......اکیلی بیٹھ کر تم دونوں میاں بیوی کو پٹی پڑھاتی رہی ہے......رقیہ بانو تلخ انداز میں بولیں۔

اماں......یہ بات نہیں ہے......جمیل نے بات الٹ دی۔

یہی بات ہے...... مجھے تو دلہن کے رویے سے اندازہ ہو جاتا ہے......کہ اس کا جی ہماری طرف سے کھٹا ہو رہا ہے......

میں اپنے حق کی بات کر رہا ہوں......جمیل کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا......بعد میں اس کو

غلطی کا احساس ہوا۔

حق ...... کیسا حق...... یعنی کہ اس سارے مکان پر تمہارا حق ہے۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا تم ......کرامت علی نے کہا۔

سارے کی بات نہیں کر رہا...... کم از کم تین کمرے اور کچن میرے پاس ہونا چاہئے۔ جمیل ڈھٹائی سے بولا۔

کھانا علیحدہ کرنا چاہتے ہو...... ٹھیک ہے...... اپنا خرچ اٹھاؤ...... کرمت علی نے جمیل کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

کون کھانا علیحدہ کرنا چاہتا ہے...... میں تو...... جمیل کو یہ معلوم تھا اب تو صرف کپڑے لینے اور دوسری ضروریات میں آسودگی سے دن گزر رہے ہیں...... کھانا علیحدہ کر لیا تو ساری تنخواہ اسی لون مرچ کے دھندے میں صرف ہو جائیگی۔

کچن کو چھوڑیے...... ایک کمرہ اور دیجئے...... وہ بڑے سفاک لہجے میں بولا۔

تمہارا دماغ تو خراب ہو گیا ہے...... چار کمرے نیچے ہیں اور ایک کمرہ اوپر...... ہم سڑک پر بیٹھ جائیں...... تمہارا تو خاصا سامان اوپر زلیخا کے کمرے میں پڑا ہوا ہے۔ رقیہ بیگم کے ماتھے پر سلوٹیں نمایاں ہو گئیں۔

زلیخا کے کمرے میں جا کون سکتا ہے...... اس سے تو خوف آنے لگا ہے...... جمیل نے تیز لہجے میں گرمی دکھائی۔

اب تو خوف آئیگا...... بیوہ جو ہو گئی وہ...... اس سے ڈرتے ہی رہنا...... خدا نہ کرے...... اس کا سایہ تم پر نہ پڑے...... اپنی ساس کی باتوں پر عمل کرنا...... بہن کے قریب خود اور بیوی بچوں کو لے کر پھٹکنا بھی نا...... سمجھے...... وہ بہن نہیں چھوت ہے۔ رقیہ بانو زبردست طیش میں کھڑی ہو گئیں......

دیکھو میاں...... یہ گھر میرا ہے...... میرے باپ نے میرے نام لگوایا تھا...... اس میں تمہارے سسرال کا دخل نہیں ہے...... اگر تمہارا گزارہ نہیں ہوتا تو کرائے پر مکان لے لو......

آؤ رقیہ بانو...... وہ رقیہ بانو کے ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

اور جمیل ہاتھ ملتا ہی رہ گیا......

کچھ دیر ہی بعد شاہدہ بچوں کو لے کر داخل ہوئی۔

کیا بات ہے...... وہ چھوٹے بیٹے کو لٹاتے ہوئے بولی۔

امی...... کہاں ہیں...... جمیل نے سوال کیا۔

منو خالہ نے وہیں ٹھہرا لیا...... کہنے لگی چار دن رہ جاؤ...... وہ بچے کو تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کرنے لگی۔

اچھا ہوا...... جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو...... جمیل نے ہنس کر طنز کیا۔

کیا مطلب ہے آپ کا۔ شاہدہ نے پومی اور درمیان والے بیٹے کو لحاف میں لٹاتے ہوئے کہا۔

مطلب یہ ہے کہ بیگم صاحبہ کہ منو خالہ جیسی ہیں۔ ویسی ہی ہماری خوش دامن صاحبہ۔ جمیل گزشتہ باتوں کو بھول کر مذاق میں کھو گیا۔

چغل خور ہیں۔ جیسے شاہدہ نے پہیلی بوجھ لی ہو۔

نہیں...... اور بھی بڑی خوبیاں ہیں ہماری ساس صاحبہ میں...... جمیل ہنس دیا۔

لازمی اماں ابا نے کوئی بات کی ہوگی میری امی کے بارے میں...... شاہدہ کو غصہ آ گیا۔

ارے نہیں...... غصہ مت کرو...... اماں ابا نے کوئی بات نہیں کی...... یہ تو میں نے خود سے کہا تھا۔ جمیل نے قریب سوئے بچے کے ملائم رخساروں پر ہاتھ پھیرا......

دراصل امی منہ پر بات کہہ دیتی ہیں...... اس لئے بری لگتی ہیں سب کو...... شاہدہ نے منہ بسورا......

چلو چھوڑو اس قصے کو...... یہ تو روز روز کی بات ہے...... تم سناؤ منو خالہ نے کوئی دعوت کی تھی امی جان کی۔ جمیل نے کہا......

نہیں...... دعوت تو نہیں کی تھی...... البتہ کھانا بہت پر تکلف تھا...... شاہدہ نے کہا۔

چلو اچھا ہوا...... بچوں نے تنگ تو نہیں کیا......

نہیں...... بڑے تو منو خالہ کے نواسوں کے ساتھ کھیلتے رہے...... چھوٹا میری گود میں ہی رہا...... آپ سنائیں...... بات ہوئی ابا سے۔ شاہدہ کہتے ہی ہمہ تن گوش ہو گئی۔

ہوئی ہے بات...... جمیل نے کہا۔

پھر؟...... شاہدہ نے کہا۔

پھر کیا...... صائمہ اپنے گھر کی ہو جائے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ جمیل بولا۔

بعد میں زلیخا کا مسئلہ آڑے آ جائے گا۔ شاہدہ ناگواری سے بولی۔

زلیخا کی بات مت کرو...... باپ کے گھر پر اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا...... جمیل نے بیوی کے کان میں بھی بات ڈالنا چاہی۔

زلیخا کی بات تو اب ہمیشہ کی ہے...... نہ وہ شادی کرے اور نہ یہ گھر خالی ہو۔ شاہدہ نے پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

اب شادی ہو گی تو سوچ سمجھ کے ہی ہو گی...... وہ تو رحیمہ کی وجہ سے اس نے زہر پی لیا تھا۔ جمیل افسردہ سا ہو گیا۔

ہاں...... نذیر ہی زندہ رہتا...... زلیخا نے کافی حد تک اس کو درست کر لیا تھا۔ شاہدہ سچائی چھپا نہ سکی۔

بس مقدر ہی ایسے تھے ہماری بہن کے...... کیا کمی ہے اس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ خوبصورت ہے...... معقول تنخواہ پا رہی ہے...... جمیل کو زلیخا پر رحم آنے لگا۔

آپ نے اصل بات تو بتائی نہیں۔ شاہدہ نے کہا۔

تمہیں سمجھ نہیں آتی...... کہ اگر زیادہ کمروں کی ضرورت ہے تو کرائے پر لے لو...... جمیل نے بات یہیں ختم کر دی۔

ابا نے کہا ہے۔ شاہدہ نے کہا۔

ہاں...... جمیل بولا۔

ابا نے ایسا کہہ دیا۔ شاہدہ کو افسوس ہوا...... کیونکہ اسے امید نہ تھی کہ کرامت علی یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

دیکھو...... میں اکیلا ہوں...... اور نا کوئی بھائی ہے میرا...... اماں ابا کا جو کچھ ہے وہ ہمارا ہی ہے...... یہ مکان...... باہر والی چار دکانوں کا کرایہ سب ہمارا ہی تو ہے.. ہمیں ابا کے ساتھ مل کر رہنا چاہیے......

جمیل نے شاہدہ کو معقول الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی۔

بات تو ٹھیک ہے...... شاہدہ کی سمجھ میں کچھ بات آ گئی۔

ایک بات کہوں...... جمیل بڑی شفقت سے بولا۔

نہیں...... شاہدہ نے کہا۔

اپنی ماں کی باتوں میں مت آیا کرو...... اچھے بھلے حالات کو بگاڑنے سے فائدہ۔ جمیل نے کہا۔

وہ ہنس دی......

سو جائیے...... رات بہت بیت گئی ہے

☆

رقیہ بیگم نے کباب کے ساتھ چائے کی چسکی لی۔

قسمت آزماتی ہوں۔ وہ جیسے بہن سے ملنے کو ترس گئی تھی۔

بھابی...... ہاتھ کھینچئے...... زلیخا نے اوپر سے شاپر لہرایا......

اس میں کیا ہے بھئی...... شاہدہ کا موڈ اچھا نظر آ رہا تھا۔

یہ بچوں اور آپ کے لئے۔ صائمہ کو اوپر بھیجئے اماں بلا رہی ہیں۔

زلیخا نے بھرا ہوا شاپر شاہدہ کے ہاتھوں پر گرایا...... جس کو بڑی چابک دستی سے شاہدہ نے دبوچ لیا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد صائمہ اوپر آ گئی۔

آؤ آؤ صائمہ...... دیکھو یہ سب چیزیں تمہارے لئے ہیں...... کھاؤ...... وہ بڑی محبت سے بولی۔

آپا...... اتنا کچھ...... صائمہ کو یوں لگا جیسے آج پہلی مرتبہ زلیخا کی صورت دیکھی ہو۔

ہاں...... تمہارے لئے...... زلیخا نے ایک کپ چائے صائمہ کے سامنے رکھا اور دوسرا خود لے لیا۔

میں تو پہلے کباب کھاؤں گی۔ وہ پسندیدگی سے پلیٹ میں کباب رکھنے کے بعد چٹنی ڈالنے لگی۔

جو مرضی کھاؤ...... زلیخا چائے پیتی رہی۔

آپا ایک بات پوچھوں...... آج صائمہ کو موقعہ مل گیا۔

ہاں پوچھو...... اور ساتھ ساتھ کھاتی بھی جاؤ...... زلیخا نے بڑے پیار سے بہن کی طرف دیکھا۔

آپا...... آپ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مجھ سے بھی قطع تعلق کر لیا۔ صائمہ کے انداز میں تشنگی پائی جاتی تھی۔

نہیں میری بہن...... تجھ سے تعلق نہیں توڑا میں نے...... تو تو میری جان ہے...... کتنی محبت سے تجھے گود میں پالا ہے۔ زلیخا نے محبت کے زبردست احساس کے ساتھ صائمہ کو گلے لگایا...... لوہا گرم تھا...... صائمہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی...... رقیہ بانو اور زلیخا کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

اماں...... میں نے کبھی آپ سے ایسی بات نہیں کی...... صائمہ نے اپنی بے گناہی پیش کی۔

میں جانتی ہوں جان...... تیری ساس نے جو آگ لگائی ہے نا...... اس کی وجہ سے میں محتاط ہو گئی ہوں...... تو بہو جو ہوئی نسرین آنٹی کی...... زلیخا نے اپنے دوپٹے سے صائمہ کے آنسو صاف کئے۔

ساس کونسی روز آتی ہے...... رقیہ بانو نے کہا۔

روز تو نہیں آتی...... جب بھی آتی ہے...... شوشا چھوڑ جاتی ہے۔ زلیخا ناگواری سے بولی۔

جو بھی کہے آپا...... تم جی برا نہ کیا کرو...... صائمہ نے بسکٹ چباتے ہوئے کہا۔

اب تو وہ شادی پر ہی آئیگی...... میں اپنی بہن کو پہلے ہی الوداع کہہ کر چند دنوں کے لئے کہیں چلی جاؤں گی۔ زلیخا نے کہا۔

کیا...... یہ تو کیا کہہ رہی ہے...... پاگل تو نہیں ہوگئی۔ رقیہ بانو ایک دم کپ رکھتے ہی چلا اٹھیں۔

اور صائمہ حیران حیران سی زلیخا کا منہ تکنے لگی۔

ٹھیک ہے امی...... اس خوشی کے موقعہ پر میں کبھی یہاں نہ رہوں گی۔

لیکن اس قدر دل برداشتہ ہوگئی تو...... دنیا کا مقابلہ کر...... رقیہ بانو نے کہا۔

نہیں اماں...... یہ مقابلے کا وقت نہیں ہے...... یوں ہی بدمزگی پیدا کر کے ماحول کو پراگندہ کرنے سے فائدہ...... زلیخا بڑے مستحکم ارادے کے تحت برتن سمیٹنے لگی۔

آپا...... یہ کباب اور پیٹیز فریج میں رکھ دوں۔ صائمہ نے اٹھ کر پلیٹیں اٹھائیں۔

رکھ دو نا...... زلیخا نے کہا۔

ہاں آپی...... اب تو رات کا کھانا کھانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ صائمہ پلیٹیں اٹھا کر فریج کی طرف بڑھی...... اور چند ثانیے کے لئے ٹھٹھکی......

کیا دیکھ رہی ہو...... بچے کی تصویر کو...... زلیخا نے بھی اسی خوبصورت بچے کے سٹیکر کو دیکھا۔

آپی...... یہ سٹیکر کتنا پیارا ہے۔ صائمہ نے کہا۔

ہاں صائمہ...... میں اور نذیر جب فریج لے کر آئے تو دوسرے دن ہی نہ جانے کہاں سے پیارے سے بچے کے سٹیکر کو چپکاتے ہوئے نذیر ہنس دیا......(زلیخا...... ہمارے بچے ایسے ہوں گے نا) نذیر کے الفاظ زلیخا کے ذہن میں کسی بازگشت کی طرح بار بار ابھرنے لگے۔ اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی ایک ایک بات اسے یاد آنے لگی...... نذیر تم کہاں ہو...... تمہارے بعد احساس ہوا ہے کہ تمہارا وجود میرے لئے کس قدر قیمتی اور ضروری تھا...... کاش تم زندگی کے چند سال خدا سے مانگ سکتے...... توبہ ہے...... لڑکی...... کہاں کھو گئی...... خبردار اب کوئی پریشانی محسوس کی...... رقیہ بانو نے زلیخا کو جھنجھوڑ ڈالا۔

ہاں آپا...... خوش رہا کرو...... نذیر بھائی تو آپ کو خوش دیکھ کر کتنے ہنسا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے کہا...... صائمہ بہن! اپنی آپا کو کہا کرو ہنستی رہا کرے۔ اس کا مسکراتا چہرا مجھے اچھا لگتا ہے...... کتنے اچھے تھے نذیر بھائی...... صائمہ کو بھی نذیر شدت سے یاد آ گیا......

اماں...... مجھے چھ سال کے عرصے میں کوئی ایسا دن یاد نہیں...... جب وہ میرے ساتھ غصہ یا کیا بدتمیزی سے بھی بولا ہو۔ زلیخا کو یاد آ گیا۔

ہاں بیٹی...... وہ تمہیں مرشد جانتا تھا...... کبھی تیرے سامنے بولا ہی نہ تھا۔ رقیہ بانو کو نذیر یاد آ گیا۔

نذیر...... کاش تم روٹھ کر چلے جاتے...... میں تمہیں منا کر لے آتی۔ زلیخا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اچھا...... بس...... اب پہلے کی طرح ہو جاؤ...... خبردار...... تمہارے چہرے پر میں پریشانی نہ دیکھوں...... رقیہ بانو اٹھتے ہوئے بولیں۔

صائمہ نے تمام برتن سمیٹ کر باہر ٹونٹی کے نیچے رکھ کر دھونے شروع کر دیئے۔ باقی چیزیں سنبھال لیں۔

ایا...... اوپر تو گھر ہی بنا لیا تم نے...... وہ کمرے میں آ کر جالی میں برتن رکھتے بولی۔

اچھا ہے...... بار بار آوازیں نہیں دینا پڑتیں...... یہ گیس کا بہت آرام ہو گیا ہے...... خدا کو سلامت رکھے...... زلیخا نے کہا...... رقیہ بانو نیچے آ گئیں۔

شام چھ کا عمل ہو گا...... شاہدہ اپنے بچوں کو لئے اپنے کمرے میں تھی...... صائمہ اپنے کپڑوں پر استری کر رہی تھی اور حسب معمول رقیہ بانو برآمدے میں تخت پر بیٹھے تسبیح کر رہی تھیں...... اور باہر والا دروازہ کھلا......

آٹھ بجے کے قریب آ کر لے جانا...... رقیہ بانو نے اچک کر کھڑکی سے دیکھا...... زبیدہ بانو شاید باہر ڈرائیور سے کہہ رہی تھیں۔

ماشاء اللہ...... میری بہن...... خیریت تو ہے نا...... شام گہری دیکھ کر رقیہ بانو گھبرا گئیں......

اسلام علیکم...... آپا...... کیا حال ہے...... سب خیریت ہے...... زبیدہ بانو نے ہمیشہ کی طرح رقیہ بانو کو اپنے ایک بازو کے حصار میں لے لیا۔

اندر آ جاؤ...... رقیہ بانو زبیدہ بانو کو ساتھ لئے اپنے تخت پر بیٹھ گئیں۔

آپا...... میں تو اس کرسی پر بیٹھوں گی...... نگوڑی کمر اکڑ جاتی ہے...... بغیر آسرے کے بیٹھا ہی نہیں جاتا...... زبیدہ بانو تخت کے پاس بچھی آرام کرسی پر بیٹھ گئیں۔

بیٹھو...... جہاں مرضی بیٹھو...... زبیدہ اب بوڑھے ہو گئے ہیں...... اولادیں جوان ہو گئیں ہیں...... رقیہ بانو نے تسبیح ایک طرف رکھ کر کہا۔

ہاں آپا...... وقت ایک ساتھ نہیں رہتا نا...... زبیدہ بانو نے ٹیک لگائی......

رحیمہ اور بچے کیسے ہیں...... رقیہ بانو نے کہا۔

خدا کا شکر ہے...... سب ٹھیک ہیں...... بڑا ضد کر رہا تھا...... لیکن میں نہیں لے کر آئی ......زبیدہ بانو نے کہا۔

دوسری طرف شاہدہ اور اپنے کمرے سے صائمہ نکلی۔

آداب خالہ...... دونوں نے کہا۔

جیتی رہو...... بچیوں...... ٹھیک ٹھاک ہو...... صائمہ ہنس دی۔

خدا کا کرم ہے خالہ...... آپ اتنی دیر سے آئی ہیں...... شاہدہ نے مسکرا کر کہا۔

بس بیٹی فرصت ہی نہیں ملتی...... رحیمہ کام کاج میں لگی رہتی ہے...... اور بچے میرے ساتھ ......زبیدہ بانو نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

بھائی صاحب تو نہیں آئے ہوں گے۔ زبیدہ بانو نے کہا۔

وہ تو رات گئے ہی آئیں گے...... جمیل بھی خاصی رات کو آتا ہے۔ رقیہ بانو نے مسکرا کر کہا۔

بیٹھو بیٹی......شاہدہ کو اٹھتے ہوئے دیکھ کر زبیدہ بانو نے کہا۔

آپ کے لئے چائے بناؤں خالہ......شاہدہ نے صائمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

اور دونوں کچن کی طرف لوٹ گئیں۔

زلیخا بیٹی کدھر ہے۔زبیدہ بانو نے راستے صاف دیکھ کر کہا۔

اوپر اپنے کمرے میں ہے۔رقیہ بانو نے کہا۔

بہت دنوں سے آنے کا سوچ رہی تھی......آج موقعہ ملا تو آ گئی......زبیدہ بانو نے جیسے تمہید باندھی۔

کوئی بات ہے......رقیہ بانو ان کی باتوں کی اسراریت کو جان کر بولیں۔

ہاں آپا......بات میرے دل کو تو لگتی ہے۔زبیدہ بانو نے ہنس کر کہا۔

تم کہو تو سہی......ایسی کونسی بات ہے۔

میرے سسرال میں بھائی طفیل ہیں نا......ان کا بھتیجا ہے فیروز......زبیدہ بانو نے بغور دیکھا۔

کیا ہے اس کو۔رقیہ بانو کی چھٹی حس بیدار ہوگئی۔

اچھا لڑکا ہے......وہ فیروز کے لئے زلیخا کا رشتہ مانگ رہے ہیں......زبیدہ بانو نے کہا۔

بھائی طفیل کے اپنے لڑکے بھی ہوں گے۔رقیہ بانو نے کہا۔

ان کے ماشاءاللہ چار بیٹے ہیں......پڑھ رہے ہیں......بڑا تو میرا خیال ہے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر چلا گیا ہے۔

طفیل اپنے بیٹوں کے لئے رشتہ کیوں نہیں مانگ رہا یا اپنی بیٹی فیروز کو کیوں نہیں دیتا۔رقیہ بانو کو غصہ آ گیا۔وہ سیخ پا ہوگئیں۔

آپا......خود سوچو......وہ تو بچے ہیں......اور پھر زیر تعلیم ہیں......زلیخا کا تو جوڑ نہیں......زبیدہ بانو نے فوراً کہا۔بیٹی کی بات گول مول کر گئی۔

وہ بھتیجا......کیا نام ہے......فیروز......پڑھا ہوا ہے۔رقیہ بانو نے کہا۔

ہاں پڑھا ہوا ہے......خط پتر تو لکھ سکتا ہے............صحت مند ہے......زبیدہ بانو نے کہا۔

بس پھر......پرائمری ہوگا۔رقیہ بانو نے کہا۔

آپا......تم تو خود سمجھدار ہو......زلیخا کو اس حالت میں ایسا ہی رشتہ مل جائے تو غنیمت ہے......زبیدہ بانو نے برجستہ جواب دیا۔

تم ٹھیک کہتی ہو زبیدہ......اس لئے کہ وہ تمہاری نہیں میری بیٹی ہے۔رقیہ بانو نے سیدھا سا جواب دیا۔

میری بہن کی بیٹی میری بیٹی ہوئی نا......زبیدہ بانو نے کہا۔

اس لئے تم ایسا رشتہ تلاش کر کے لائی ہو جو صرف خط پتر لکھ سکتا ہے۔رقیہ بانو کو اپنی بہن کی باتوں پر حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی۔

آپ نے غصہ کر لیا......دراصل......میں آپ کی پریشانی ختم کرنا چاہتی ہوں......زبیدہ بانو بولیں۔

میں اپنی پریشانی کو ختم کرنے کے لئے زلیخا کو آگ میں نہیں جھونک سکتی۔رقیہ بانو نے دیوار سے سر لگا لیا۔چند لمحے پھر سیدھی ہو گئیں۔

آپا......فیروز اچھا لڑکا ہے......سیدھا سادا ضرور ہے......زبیدہ بانو نے کہا۔

کام کیا کرتا ہے......رقیہ بانو نے کہا۔

یہ معلوم نہیں......ویسے بھائی طفیل چند دنوں میں آنے والے ہیں......شاہدہ چائے لے آئی تھی۔

چائے پیو......جب طفیل آئے گا......بات ہو جائیگی۔رقیہ بانو نے کہا۔

اسی طرح باتوں باتوں میں نو بج گئے......گاڑی کی آواز آئی......زبیدہ بانو ہارن کی آواز پر کھڑی ہو گئیں۔

اچھا آپا......بھائی صاحب سے بھی بات کر لیں۔زبیدہ چلتے چلتے بولیں۔

کروں گی بات......رقیہ بانو زبیدہ بانو کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔گاڑی [illegible] ہوگئی۔

تو رقیہ بانو واپس پلٹ کر آ ئیں......

اماں کیا بات ہے......اس طرح پریشان کیوں بیٹھی ہیں اندر آتے جمیل رقیہ بانو کو دیکھ کر بولا۔

پریشانی نے گھر جو دیکھ لیا بیٹا۔وہ ایک طرف کھسک کر جمیل کو پاس بٹھاتے بولیں۔

زلیخا کے لئے پریشان ہیں۔جمیل نے کہا۔

اور کیا...... سوچتی ہوں...... کوئی کام کا رشتہ مل جائے تو اپنے گھر کی ہو جائے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

جب خدا کو منظور ہو گا سب کام درست ہو جائیں گے...... جمیل نے دلاسا دیا۔

لوگوں کا کیا کروں جو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے...... وہ فیروز کے تصور سے اور افسردہ ہو گئیں۔

کوئی محلے کی عورت آئی تھی...... جمیل نے شاہدہ کو آتے دیکھ کر کہا۔

نہیں...... تمہاری خالہ آئی تھی۔

خالہ زبیدہ...... جمیل ایک دم چونکا۔

ہاں...... زلیخا کے لئے فیروز کا رشتہ لے کر...... وہ ایک دم سے بولیں۔

فیروز...... وہ کرم الٰہی کا بیٹا...... پاگل...... جمیل ایک دم سے بولا......

وہ پاگل ہے۔ رقیہ بانو کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اماں...... وہ دماغی لحاظ سے پاگل نہیں ہے...... جمیل نے کہا۔

تو وہ پھر کیا ہے......

وہ جنونی قسم کا انتہا پسند آدمی ہے...... میرا خیال ابا اپنی برادری کے بارے میں بہتر جانتے ہوں گے......

آپ آ گئے...... شاہدہ آنکھیں ملتی باہر آ گئی۔

جی ہاں بیگم صاحبہ...... ہم آ گئے...... وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

اچھا بیٹا...... تمہارے باپ سے بات کروں گی...... رقیہ بانو نے کہا۔

کھانا لگا دوں۔ شاہدہ نے جمیل سے کہا۔

ضرور لگاؤ...... شاہدہ بیگم تمہیں معلوم ہے میں باہر کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ جمیل لباس تبدیل کرنے چل دیا۔

یہی عادت تمہارے ابا کی ہے...... کیا مجال جو باہر شربت کا گلاس بھی پی لیں۔ رقیہ بانو بڑے تفاخر سے بولیں۔

چند دن یوں ہی گزر گئے...... کرامت علی کے گھر کا ماحول پرسکون انداز میں وقت کی تال پر رقص کرتا آگے کی طرف گزرتا رہا...... رقیہ بانو کی دلی مرضی تھی کہ پہلے سے بہتر اچھا رشتہ مل جائے تو زلیخا پھر سے اپنے گھر کی ہو جائے...... وہ طفیل احمد کو تو جانتی تھیں لیکن فیروز کے بارے میں بہتر طور پر معلومات نہ تھیں...... ظاہر ہے اپنی بڑی برادری، اتنا بڑا خاندان کہاں کہاں لوگ رہائش پذیر ہیں...... رحیمہ کی شادی میں خاصی برادری ملی...... طویل ملاقاتیں بھی ہوئیں...... کئی لوگوں نے رحیمہ کی شادی میں زلیخا کو دیکھا تھا...... اس وقت وہ پورے جوبن پر تھی...... حسن اپنے عروج پر تھا...... ویسے بھی اس کے خدوخال جسم کی ساخت کولہوں سے نیچے لٹکتے سیاہ بال، وہ سلیقے سے پہنے ہوئے لباس میں وہ بہت جاذب نظر لگتی تھی...... اور جب وہ سفید ساڑھی میں ملبوس آفس جاتی تو کئی نگاہیں اس کے نقش قدم کا تعاقب کرتیں......

اور اس کی بیوی کو اٹھارہ ماہ بلکہ دو سال ہونے کو آئے تھے...... طفیل احمد نے بھی اس وقت کے حوالے سے زبیدہ بانو سے بات کی تھی۔

دیکھو بہن...... میری بہن کی چار مربع اراضی ہے...... فیروز اکلوتا بیٹا ہے...... زلیخا عیش کرے گی۔ طفیل احمد نے کہا۔

لیکن بھائی جی...... میں نے جو فیروز کے بارے میں سن رکھا ہے...... زبیدہ بانو نے اپنی غلط فہمی نکالنا چاہی۔

کیا...... طفیل احمد کا دل دھڑکا۔

فیروز اپنی بیوی کو مارتا بہت تھا...... اور رات کی تاریکی میں اس نے اسے برہنہ پاؤں نکال دیا تھا۔

زبیدہ بانو نے جو سنا تھا کہہ دیا۔

ہا...... ہا ایک کھسیانہ سا زوردار قہقہہ لگا کر طفیل احمد نے کرسی پر پہلو بدلا۔

وہ غصیلہ ضرور ہے...... لیکن ایسا نہیں جو تم کہہ رہی ہو...... وہ جھوٹ پر سچ کا غلاف چڑھا کر بولے۔

لمحے زبیدہ بانو بھی خاموش رہیں...... ملازمہ چائے رکھ گئی تھی۔ تم یہ کام ضرور کروا دو...... ہم تمہارا احسان زندگی بھر نہیں فراموش کریں گے۔

بھائی جی...... زلیخا میری بھانجی ہے...... وہ بہت سلجھی ہوئی، بہت پڑھی لکھی لڑکی ہے......

بلکہ اب تو وہ تنخواہ بھی بہت لینے لگی ہے۔ زبیدہ بانو نے اپنی بات کو وزنی بنانا چاہا۔

میں سب جانتا ہوں...... لیکن عورت مرد کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔ طفیل احمد نے کہا۔

سب ٹھیک ہے...... میں آپا سے بات کروں گی۔ زبیدہ بانو نے کہا۔

ہاں ......اور رقیہ بہن کو قائل کرنا کہ ایک بیوہ کی زندگی شوہر کے بغیر کس عذات سے گزرتی ہے۔ طفیل احمد نے کہا۔

یہ تو ٹھیک ہے۔ وہ سوچنے لگی۔

بہن زبیدہ بانو ......طلاق یافتہ خاتون سے لوگ اس قدر نفرت نہیں کرتے ...... جتنا لوگ بیوہ سے دور بھاگتے ہیں ...... ہندو مذہب میں تو ایسی عورت کو مندر میں کوئی گھسنے نہیں دیتا ...... بلکہ ٹیپو سلطان سے پہلے یہ لوگ ستی کر دیتے تھے۔ طفیل احمد نے بھاری دلائل کے ساتھ زبیدہ بانو کو رام کرنا چاہا......

آپ کی تمام باتیں درست ہیں ...... میں مانتی ہوں ......زبیدہ بانو نے چائے بنا کر طفیل احمد کے سامنے رکھی۔

میری بات سمجھ گئی ہو نا بہن زبیدہ بانو......وہ مسکرا کر بولے۔

میری سمجھ میں سب کچھ آ گیا ہے...... میں جانتی ہوں ...... کہ اب کیا ہونا چاہئے......آپ بے فکر رہئے...... میں بہت جلد آپا کے ہاں جاؤں گی ......اللہ کرے ان کی سمجھ میں سب کچھ آ جائے......زبیدہ بانو نے تسلی دلائی۔

☆

زلیخا کے ابا آج جمعہ ہے......فرصت تو ہو گی۔ رقیہ بانو تسبیح ایک طرف رکھتے بولیں۔

آج چھٹی ہے رقیہ بانو...... جمعہ تو پڑھنے جاؤں گا۔ وہ قمیض کے بٹن بند کرتے بولے۔

ابھی جمعہ نہیں ہو رہا......نو بجے ہیں اس وقت ......وہ ایک دم جھلا کر بولیں۔

میں کونسا ابھی جا رہا ہوں......وہ ٹوپی درست کرتے رقیہ بانو کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔

آپ کو معلوم ہے ...... بہت دن ہوئے زبیدہ آئی تھی ......رقیہ بانو نے بائیں جانب درد محسوس کرتے ہاتھ رکھا۔

پہلے یہ بتاؤ......گولیاں کھا رہی ہو۔ وہ گھبرا سے گئے۔

کھا رہی ہوں ......اب تو کافی افاقہ ہے، وہ تسکین طلب لہجے میں بولیں۔

رات کو کھانا کھا کے سیر کو نکل جایا کرو......وہ بولے

آپ تو رات گئے لوٹتے ہیں ......وہ بولیں۔

میرے ساتھ ہی جانا ہے تو میں لے چلوں گا......ورنہ کسی لڑکی کو لے جاؤ۔ وہ اپنے انداز میں مذاق کا پہلو پیدا کر کے بولے۔

اے ہے جانے بھی دیجئے ......اس عمر میں کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ رقیہ بانو جھنپ سی گئیں۔

اماں ہمارے ساتھ چلی جایا کریں ...... میں اور بھابی ......صائمہ نے اندر داخل ہو کر شاہدہ کی طرف دیکھا۔

لو اور سنو

اس کے ساتھ ہی شاہدہ، صائمہ اور کرامت علی کھل کھلا کر ہنس دیئے......

دلہن بیٹا......وہ بڑے پیار سے بولے

جی ابا......شاہدہ جاتے جاتے پلٹ کر بولی۔

چائے مل جائے گی۔ وہ عاجزانہ لہجہ اختیار کر گئے۔

کیوں نہیں ابا......میں ابھی بنا کے لاتی ہوں......شاہدہ نے کہا۔

ماں کے لئے بھی لے آنا۔ وہ بولے۔

دلہن بیٹے......آدھا کپ......رقیہ بانو بھی ہنستے ہنستے بولیں۔

یہ تم نے چائے کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا۔ وہ بڑی چاہت سے بولے۔

بھرا ہوا کپ پی نہیں سکتی......رقیہ بانو نے مجبوراً کہا۔

چلو جتنا جی چاہے پی لیا کرو......بس ساتھ رہنا چاہئے......کرامت علی کو زندگی کا ساتھی کس قدر عزیز تھا۔

آپ کو پتہ ہے نا زبیدہ کس کام کو آئی تھی۔ رقیہ بانو نے پھر سوال دوہرایا۔

ہاں......جمیل کی زبانی معلوم تو ہوا تھا......وہ بولے

جمیل نے کوئی بات نہیں کی۔

نہیں......ابھی بات شروع کی تو باہر کوئی بلانے آ گیا۔

زبیدہ زلیخا کے رشتے کے لئے آئی تھی۔

اس کا کون ہے ایسا جس کے لئے وہ آ گئی کرامت علی حیرت سے بولے۔

وہ طفیل احمد ہے نا......اس کی بہن کا لڑکا......رقیہ بانو نے کہا۔

وہ حنیفاں کا بیٹا......پاگل سا......ایک دم کرامت علی کو یاد آ گیا۔

وہ پاگل نہیں ہے۔ یوں ہی لوگوں نے اس کا نام ڈال دیا ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

وہ جنونی قسم کا نوجوان ہے......غصہ آ جائے تو جان سے مارنے پر بھی گریز نہیں کرتا......

آپ کو کس نے بتایا......وہ بولیں۔

بتانا کس نے ہے......ہماری برادری ہے......برادری میں جو ہو معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ غصے سے بولے۔

رقیہ بانو تو خاموش رہیں۔

وہ پھر گویا ہوئے......وہ تو ایسا ظالم شخص ہے......اکثر بیوی کو بے دردی سے مارا پیٹا کرتا تھا......ایک دن اتنا مارا......اور اسے ننگے پاؤں گھر سے نکال دیا......اس کا کوئی تھا نہیں......اس نے خودکشی کر لی۔ کرامت علی نے افسوس سے کہا۔

چچ چچ......دفعہ کرو ایسے آدمی کو......اس لعنت سے تو عورت یوں ہی بھلی......رقیہ بانو کو بھی غصہ آ گیا۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ زبیدہ کے سسرال میں سب سے نزدیکی ہے طفیل احمد وہ سب کچھ جانتے ہوئے تمہارے پاس رشتے کے لئے آ گئی......کیا میری بچی لوٹ کا مال تھی......بھانجی کے لئے یہ رشتہ تلاش کیا۔ کرامت علی کو بہت افسوس ہوا۔

ٹھیک ہے......مجھے نہیں معلوم تھا۔ رقیہ بانو لاعلمی کا اظہار کرنے لگیں۔

برات کے ساتھ طفیل احمد، حنیفاں اور فیروز......بلکہ بہت لوگ تھے......کرامت علی نے یاد کروایا۔

میں نے خیال نہیں کیا۔ ورنہ اسی دن جواب دے دیتی۔ رقیہ بانو نے کہا۔

خیر......شادی تو بیٹی کی کرنی ہے......جوان ہے......ساری عمر بٹھائے تو نہیں رکھنا۔ اب وہ رشتہ اس گھر میں آئیگا......جو عین میری بچی کے لئے موزوں ہوگا۔ کرامت علی ایک عہد کرتے بولے۔ انہیں ماضی یاد آنے لگا کہ کس طرح زبیدہ بانو کے اصرار پر زلیخا کو ایسے شخص سے بیاہ دیا جو عذاب بن چکا تھا ان کی بیٹی کے لئے اور اب ایسا کبھی نہیں ہوگا......زلیخا کے لئے مناسب لڑکا ملے گا تو وہ اس کی شادی کریں گے......

تم کیا سوچ رہی ہو......کرامت علی ایک دم چونکے......رقیہ بانو کو گردن گرا کر سوچتے دیکھ کر بولے۔

میں سوچ رہی ہوں......میری بیٹی کے لئے ایسے رشتے کیوں آتے ہیں۔ رقیہ بانو نے فکرمند انداز میں کہا۔

ہم نے زمانے کو عادت ڈال دی ہے......ایرا غیرا جو بھی ہے منہ اٹھا کر چلا آتا ہے۔

کرامت علی کو جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

ہم نے عادت ڈالی ہے......رقیہ بانو نے کہا۔

ہاں رقیہ بانو......لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ایسی لڑکی ایک نشئی سے بیاہی جا سکتی ہے تو فیروز سے رشتہ ہو جائے تو برا نہیں......

ہاں......آپ کی بات بھی درست ہے۔ میں اب اپنی بیٹی کا سودا نہیں کروں گا۔ وہ ایک جذبے کے تحت اٹھے اور جمعہ پڑھنے کی تیاری کرنے لگے۔

بہت دن گزر گئے ...... سڑک پر بڑی سی گاڑی رکی۔ اس وقت پانچ چھ کا عمل ہو گا۔ سوائے جمیل کے سب ہی موجود تھے ...... خدا کا کرنا کہ خلاف توقع جمیل کا موٹر سائیکل بھی اندر آ گیا۔

اماں ...... باہر گاڑی کس کی ہے۔ جمیل نے اندر آتے ہوئے کہا۔

معلوم نہیں ...... جس کی ہو گی ...... اندر آ جائے گا ......

اتنی دیر میں دو بڑے بڑے ٹوکرے ایک ملازمہ نے اندر صحن میں لا کر رکھ دیئے۔

ارے ...... کرم الٰہی آپ ...... کرامت علی کرم الٰہی، حنیفاں اور طفیل محمد کو ایک ساتھ اندر آتے دیکھ کر بولے۔

ڈرائینگ روم میں چلئے بھائی جی۔ رقیہ بانو بولیں ...... اور واپس شاہدہ کی طرف لپکیں۔

دلہن جمیل کو بھیجو ...... مٹھائی اور نمکین چیزیں لے آئے ...... صائمہ کو ساتھ لگا کے پر تکلف سی چائے بنا لو ...... میری بچی ...... رقیہ بانو شاہدہ کے ساتھ بڑی شفقت سے بولیں۔

اماں یہ کون لوگ ہیں ...... صائمہ نے صحن میں آ کر کہا۔

اپنے ہی ہیں ...... لیکن اس وقت تمہاری خالہ کے زیادہ قریبی ہیں ...... رقیہ بانو نے کہا۔

خالہ نہیں آئیں ...... شاہدہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

اچھا ہوا جو زبیدہ نہیں آئی ...... ورنہ معاملہ اور بگڑ جاتا ...... رقیہ بانو واپس ڈرائینگ روم میں چل دیں۔

آپ ابھی تک کھڑے ہیں۔ شاہدہ نے دیکھا۔ جمیل پانچسو کا نوٹ لئے ابھی تک کھڑا تھا۔

کیا کچھ لانا ہے ...... پتہ تو چلے ...... جمیل نے موٹر سائیکل کے پاس کھڑے ہو کر نوٹ لہرایا۔

شامی ...... پیٹس ...... اور مکس مٹھائی لے آیئے گا ...... کیوں صائمہ ...... شاہدہ نے صائمہ کی رضامندی چاہی۔

ٹھیک ہے بھابی ...... آیئے ...... صائمہ شاہدہ دونوں کچن میں چل دیں۔

اور جمیل نے موٹر سائیکل باہر نکال لیا۔

بھابی ...... یہ لوگ کس لئے آئے ہیں ...... صائمہ ہر معاملے سے لاعلم تھی۔

کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔ شاہدہ کے کان میں کچھ کچھ تو بھنک پڑ ہی چکی تھی۔

گڑبڑ ...... کیسی گڑبڑ ...... صائمہ نے پلیٹ کے کام سے ہاتھ روک لئے۔

گھبراؤ نہیں ...... میرا خیال ہے یہ لوگ زلیخا کے رشتے کے لئے آئے ہیں۔ شاہدہ نے کہا۔

رشتہ ...... زلیخا آپا کبھی نہیں مانے گی ...... صائمہ نے کہا۔

ہاں ...... زلیخا تو نہیں مانے گی ...... اماں کی تو مرضی ہے نا اس کا کہیں رشتہ ہو جائے ...... اور اپنے گھر کی ہو جائے۔ شاہدہ نے ڈش میں سموسے رکھے۔

بھابی سب کچھ تیار ہو گیا۔ صائمہ نے ہاتھ صاف کرتے ٹرالی کی طرف دیکھا۔

لے جاؤ گی کہ میں جاؤں۔ شاہدہ بولی۔

یہ آپ کا کام ہے ...... مجھے تو ویسے ہی اس عورت سے وحشت ہوتی ہے۔ صائمہ ایک کونے میں رکھی اونچی میز پر بیٹھتے بولی۔

اچھا ...... شاہدہ معہ لوازمات کے ٹرالی ڈرائینگ روم میں لے گئی۔

دلہن جمیل کو بھی بلاؤ۔

آ رہا ہوں اماں ...... جمیل قمیض کا کالر درست کرتا اندر آ گیا۔

آؤ بیٹا ...... کرامت علی جمیل کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولے۔

شاہدہ نے سب کے لئے چائے بنائی۔

بیٹھو دلہن ...... رقیہ بانو نے شاہدہ کو بیٹھنے کے لئے کہا۔

وہ چاہتی تھیں کہ جو بھی بات ہو بہو بیٹے کے سامنے ہو۔

کرم الٰہی نے خالی کپ میز پر رکھا اور حنیفاں کی طرف دیکھا۔

رقیہ بہن! ہم خالی جھولی لے کر آئے ہیں۔

حنیفاں نے حسب عادت خوشامد سے کام لیا۔

[illegible] ب ہے بہن جی۔ کرامت علی نے کہا۔

ہم مانگنے آئے ہیں ...... خیرات ڈال دیجئے ...... کرم الٰہی نے کہا۔

خیرات ...... آپ کھل کے بات کریں۔ رقیہ بانو کو خیرات کے نام پر غصہ آنے لگا ...... لیکن اپنے جذبات پر قابو پا گئیں۔

[illegible] ...... زبیدہ نے آپ کو ہمارا پیغام نہیں دیا تھا۔ حنیفاں کو یاد آ گیا۔

[illegible] بانو نے حیران نظریں جمیل کے چہرے پر ڈالیں۔

اماں آپ کو یاد نہیں ...... فیروز کے لئے بات کرنے آئی ہیں ...... جمیل نے رقیہ بانو کو یاد کروایا۔

ہاں بہن جی ...... فیروز کے لئے ...... کرم الٰہی نے لقمہ بھرا۔

چھوٹی بیٹی تھی ...... اس کی تو دو ماہ کے بعد شادی ہونے والی ہے۔ رقیہ بانو نے جان بوجھ کے کہا۔

ہم صائمہ کی بات نہیں کر رہے ...... ہمیں تو زلیخا بیٹی کا رشتہ چاہئے۔ طفیل احمد مسلسل خاموشی کے بعد بولے۔

زلیخا بیٹی کا ...... کرامت علی نے چونک کر رقیہ بانو کی طرف دیکھا۔

جی ہاں بہن ...... زلیخا بیٹی ہمیں فیروز کے لئے دے دیجئے ...... حنیفاں نے کہا۔

لیکن فیروز تو شادی شدہ تھا۔ رقیہ بانو نے کہا۔

شادی شدہ تھا ...... اب نہیں۔ کرم الٰہی بولے۔

اب کیا ہوا ...... کرامت علی نے کہا۔

وہ عورت خود گھر آباد کرنا نہیں چاہتی تھی ...... اس لئے سب چھوڑ چھاڑ کر چلی گئی ...... ہم نے تو بہت کوشش کی کہ معاملہ سلجھا ہی رہے ...... کرم الٰہی نے اپنی بے گناہی ثابت کرنا چاہی۔

رقیہ بانو نے منہ کھولا ...... کہ سچی بات بتا دی جائے ...... لیکن کرامت علی نے آنکھ سے اشارہ (کہ کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں)

دیکھیں ...... گھر میں دولت ہے ...... جائیداد ہے ...... اکلوتا بیٹا ہے ...... اراضی ہے۔ راج کرے گی آپ کی بیٹی۔ طفیل احمد بولے۔

صرف دولت اور جائیداد سے کچھ نہیں ہوتا بھائی صاحب۔ کرامت علی نے کہا۔

زندگی میں سکھی رہنے کے لئے یہی چیزیں ہوتی ہیں۔ کرم الٰہی بولے۔

یہ دولت جائیداد ہی بیٹی کے سکھ کی علامت نہیں ہے بھائی صاحب۔ کرامت علی ایک
سے بولے۔

اچھا ...... بہن رقیہ ...... ہمیں تسلی بخش جواب دیجئے نا ...... حنیفاں نے کہا۔

ابھی ہمیں سوچنے کا موقعہ دیجئے ...... لڑکی کی مرضی تو پوچھ لیں۔ رقیہ بانو نے کہا۔

حنیفاں نے اپنے شوہر کرم الٰہی کی طرف دیکھا۔

ہاں ہاں ...... دیکھ لیں ...... گھر میں مشورہ کر لیں ...... طفیل احمد نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

نہیں بھائی صاحب! جو بھی فیصلہ ہو ...... ہمارے حق میں ہونا چاہئے۔ حنیفاں نے کرامت علی سے کہا۔

آپ دونوں کوئی بات کریں ...... کب سے دونوں بچے خاموش بیٹھے ہیں۔ کرم الٰہی نے شاہدہ اور جمیل کو خاموش بیٹھے دیکھ کر کہا۔

ہاں ابا ہی سب گھر میں اہم ہیں ...... جمیل ہنس دیا ...... شاہدہ برتن اٹھانے لگی۔

بہن جی ...... ہمارا خیال ہے کہ جو فیصلہ کرنا ہے ...... جلدی کیجئے گا ...... تاکہ ...... ہم آپ کی بیٹی صائمہ سے پہلے رخصتی کر لیں۔ طفیل احمد بولے۔

ہاں رقیہ ...... ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ...... زیور، کپڑا ...... سب گھر میں موجود ہے ...... ایک دن میں کام ہو جائے گا۔ حنیفاں کی باتوں میں تکبر کی بو آنے لگی۔

چلیں پھر ...... کرم الٰہی نے کہا۔

کھانا کھا کے جائیے گا۔ رقیہ بانو اور کرامت سب کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

نہیں نہیں ...... آنا جانا تو رہے گا ...... اور ہاں ...... جمیل بیٹا صحن میں مٹھائی کے ٹوکرے رکھے ہیں اندر پہنچا دو ...... حنیفاں سب کے ساتھ باہر نکلتے بولی۔

مٹھائی ...... اس وقت کیا ضرورت تھی۔ رقیہ بانو نے کرامت علی اور جمیل کی طرف دیکھا۔

جمیل بیٹے ...... یہ ٹوکرے اٹھا کے گاڑی میں واپس رکھ دو ...... کرامت علی نے کہا۔

نہیں نہیں واپس نہیں جائیں گے ...... بدشگونی ہوتی ہے۔ حنیفاں چلا کر بولی۔

آداب ...... زلیخا نے اندر آتے سب کو یکساں آداب کہا اور اپنے کمرے کا زینہ چڑھ گئی۔

جیتی رہو ...... کرم الٰہی نے کہا۔

اور حنیفاں دور تک زلیخا کے قد و قامت کو دیکھتی رہی۔

یہ زلیخا بیٹی تھی ...... طفیل احمد نے کہا۔

جی ہاں ...... آفس سے آئی ہے۔ کرامت علی نے کہا۔

ارے ابا ...... جمیل نے دوسرا ٹوکرا رکھنے کے بعد اندر آ کر قمیض ہاتھوں سے جھاڑی ......

ارے بہن یہ بہت برا کیا آپ نے ...... مٹھائی تھی بچے کھا لیتے ...... حنیفاں نے کہا۔

کوئی ضرورت نہیں تھی حنیفاں بہن ...... اس طرح بے اصول کام ہمیں پسند نہیں۔

اب ہم کب آئیں...... طفیل احمد بولے۔

آپ کا گھر ہے سو مرتبہ آئیں...... ویسے زبیدہ بانو سے ہم سب بات کر دیں گے...... وہ
دے گی آپ کو......

چلو ٹھیک ہے...... آؤ جی...... طفیل احمد نے سب کو آنے کے لئے کہا۔

ایک دو دن ٹھہر کر حنیفاں اور کرم الٰہی طفیل احمد کے ساتھ اپنے حویلی نما مکان میں پہنچ گئے۔

کرمو...... کرمو...... بڑے ہال نما کمرے میں داخل ہوتے حنیفاں نے ملازمہ کو پکارا......

جی بی بی...... آپ آ گئیں۔ ملامہ کرمو ہانپتی ہوئی داخل ہوئی۔

فیروز کہاد ہے۔ حنیفاں نے کہا۔

ابھی تو یہاں تھے بی بی...... بندوق صاف کر رہے تھے۔ ملازمہ نے سہم کر کہا۔

آ گئی اماں...... بہت دیر لگا دی...... فیروز نے آ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تم کہاں جا رہے ہو...... حنیفاں نے بندوق کو پکڑے دیکھ کر کہا۔

موسم اچھا ہے...... شکار پر جا رہا ہوں......

تمہیں پتہ ہے میرے بیٹے...... حکومت نے شکار پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ حنیفاں نے
بھاری چادر اتار کر دوپٹہ درست کیا۔

اپنی زمین پر کھیلیں گے...... دوسروں کے علاقے میں تو نہیں جانا...... فیروز نے بندوق
شست باندھنے کے انداز میں آنکھوں کو لگا کر کہا۔

پھر بھی...... پرندوں کے لئے تو کوئی علاقہ مخصوص نہیں ہے نا۔ حنیفاں نے بظاہر
سے کہا۔

اس قصے کو چھوڑیئے اماں...... ماما اور ابا کہاں ہیں۔ وہ سیدھا ہو کر بولا۔

وہ دونوں تو چوپال میں اتر گئے۔

کرمو نے ٹھنڈے مشروب کا جگ اور دو گلاس درمیان میں رکھے۔

کوئی کام بنا...... وہ نوکرانی کی طرف دیکھ کر بولا۔

برتن پھر لے جاؤں گی بی بی۔ وہ باہر نکل گئی۔

ابھی تو کوئی کام نہیں بنا...... وہ پہلے بیٹی سے مشورہ تو کر لیں۔ حنیفاں شربت
ہوئے بولی۔

اس کی دوسری شادی ہے...... مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ فیروز نے کہا۔

کیوں نہیں ضرورت...... بیٹی کا معاملہ ہے...... دیکھ بھال کر ہی کریں گے۔ حنیفاں نے
گلاس اس کے سامنے رکھ کر کہا۔

ان کو تو شکر کرنا چاہئے کہ ان کی بیوہ لڑکی کے لئے رشتہ آیا ہے۔ فیروز نے نہایت تلخ انداز
میں کہا۔

یہ بات نہیں ہے۔

اور کیا بات ہے...... فیروز جھلا کر بولا۔

دیکھو بیٹا...... اتنی جلدی ہتھیلی پر سرسوں جماتے کی ضرورت نہیں...... لڑکی سے مشورہ کر لیں
...ہو جائے گا کام...... حنیفاں نے بیٹے کی بیتابی سے اندازہ لگایا۔

کیسے لوگ ہیں کرامت علی کے گھر والے...... ان کو شکر کرنا چاہئے کہ بیٹی ٹھکانے لگی۔ فیروز
کے انداز میں پھر نخوت ابھر آئی۔ وہ خود پرست سا نوجوان تھا......

اب اپنے آپ کو قابو میں رکھنا...... ایک مرتبہ رشتہ ہو لینے دو۔ حنیفاں کو گزشتہ تلخیاں یاد آ
گئیں جو فیروز سے منسوب تھیں۔

رشتہ ہو گا...... میں زلیخا کو ان سے چھین کر لے آؤں گا...... وہ بندوق اٹھا کر جوش سے بولا۔

بس بس...... اپنے خیالات کو اپنے پاس ہی رکھو...... وہ بہت پڑھی لکھی لڑکی ہے...... اس
کے قابو نہیں آ سکتی...... حنیفاں نے کہا۔

کیا وہ میرے سر پر ناچے گی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

ناچنے کی بات نہیں ہے میرے بچے...... پہلے تو دعا کرو رشتہ ہو جائے...... وہ تمہیں پسند کر
... حنیفاں نے ایک دم کہہ دیا۔

...... کیا میں...... میرا مطلب کہ کیا کمی ہے مجھ میں...... وہ کھڑے ہو کر قالین پر بھاری
...کر بولا۔

گاڑی تیار ہے۔ باوردی ملازم نے آ کر کہا۔

...... وہ بندوق کندھے پر فٹ کرتے باہر نکل گیا۔

... آنے کی کوشش کرنا بیٹا۔ وہ بولی۔

... وہ بہت دور نکل چکا تھا...... جہاں ان کی آواز فیروز کی سماعتوں سے نہیں ٹکرا سکتی تھی۔

اے خدا...... یہ رشتہ ہو جائے ...... لڑکے کے تیور اچھے نظر نہیں آتے ...... اسے جو چیز پسند آ جاتی ہے ...... چھین لیتا ہے۔ وہ سوچ کی گہرائیوں میں اترتی چلی گئی ...... بیٹے کا گھر بھی آباد کرنا ضروری تھا۔ وہ بہت دن سوچتی رہ گئی ...... لیکن لاہور سے زبیدہ بانو کی کوئی کال موصول نہ ہوئی کہ منگنی کے لئے بلایا ہو ...... وہ نہیں جانتی تھیں کہ لڑکی تو کیا کرامت علی اور رقیہ بانو خود ان کو پسند نہیں کرتے۔ اسی بات کے لئے دونوں زبیدہ کے ہاں چل دیئے۔

آیئے آیئے بھائی صاحب ...... بڑی آپا ...... ڈرائینگ روم میں آ جایئے ...... وہ حسب عادت ڈرائینگ ہال کی طرف لے جاتے بولیں۔

یہی ٹھیک ہے ...... ہم مہمان ہیں کیا ...... رقیہ بانو ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔ دوسری پر کرامت علی بیٹھ گئے۔

رحیمہ اور بچے کہاں ہیں۔ بے وقت زبیدہ بانو کو تنہا دیکھ کر رقیہ بانو نے کہا۔

شرجیل کے دوست کے ہاں کسی دعوت کا اہتمام تھا ...... سب اُدھر ہی چلے گئے۔

اچھا ...... رقیہ بانو مطمئن انداز میں بولیں۔

اور سنائیں ٹھیک ہیں ...... زلیخا کیسی ہے۔ زبیدہ بات کا آغاز کرنا چاہتی تھی۔

اللہ کا شکر ہے ...... کام پر جاتی ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

بھائی طفیل اور فیروز کے والدین آئے تھے۔ زبیدہ بانو نے کہا۔

ہاں آئے تھے ...... اسی سلسلے میں ہم دونوں آئے ہیں۔ رقیہ بانو نے کہا۔

پھر کیا سوچا آپ نے۔ زبیدہ نے کہا۔

سوچنا کیا ہے ...... ہمیں یہ رشتہ پسند ہی نہیں۔ کرامت علی نے کہا۔

رشتہ نہیں پسند ...... کیا برائی ہے۔ زبیدہ بانو بے ساختہ بولیں۔

تمہیں نہیں معلوم ...... کیا برائی ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

پہلی عورت کے سات اس کی نہیں بنی ...... اس نے چھوڑ دی ...... یہ برائی تو نہیں۔ زبیدہ نے کہا۔

یہ برائی تو نہیں ...... تم نے شاید اس کی عادات کا اندازہ نہیں لگایا ...... کرامت علی بولے۔

عادات ...... اچھی بری عادتیں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ زبیدہ بانو نے کہا۔

کیا بے وجہ مار پیٹ ...... شیشے کے گلاس چہرے پر مار دینا ...... گرم پانی یا چائے کی گرم

بڑا دیا ...... بے شک نگوڑی بیوی جھلس جائے ...... کرامت علی ایک ہی سانس میں کہہ گئے۔

آپ کو کس نے کہا۔ زبیدہ بانو لاجواب سی ہو گئیں۔

میں بیٹی کا باپ ہوں ...... میں نے اردگرد سے ساری چھان بین کر لی ہے۔ کرامت علی بولے۔

اس مرتبہ تو چھان بین کا بڑا خیال آ گیا ...... اور جب نشئی کے پلے باندھ دیا ...... اس وقت یاد تھا ...... یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ نذیر کا گھر بھی ہے کہ نہیں۔ کنئیں میں دھکیل دیا۔ زبیدہ بانو نے کہا۔

زبیدہ بانو ...... تم فیروز کی وکالت کیوں کر رہی ہو ...... آخر زلیخا تمہاری بھی تو کچھ لگتی ہے۔ رقیہ بانو کو افسوس ہوا۔

میری لگتی ہے تو کہہ رہی ہوں کہ آپ رشتہ کر دو ...... وقت ایک سا نہیں رہتا ...... زلیخا اپنے گھر کی ہو جائے تو اچھا ہے۔ زبیدہ بانو نے برجستہ جواب دیا۔

دیکھ کر مکھی نہیں نگلی جاتی ...... ہمیں اس کی عادات سے نفرت ہے۔ رقیہ بانو نے کہا۔

غصیلے تو سارے مرد ہوتے ہیں ...... فیروز میں ذرا زیادہ غصہ ہوگا ...... زبیدہ بانو نے بڑے ...ل انداز میں کہا۔

اچھا ...... رقیہ بانو مسکرا کر طنز سے بولیں۔

بھائی صاحب ...... عمر ڈھل رہی ہے زلیخا کی ...... یہ بات درست ہے وہ خود کما رہی ہے ...... جب اپنا لاشہ خود اٹھانا پڑا ...... کون سہارا دے گا اس کو ...... میں اپنی طرف دیکھتی ہوں ...... شرجیل کے باپ کو کوئی خاص عرصہ نہیں ہوا انتقال کو ...... لیکن پھر بھی اس عمر میں اپنے آپ کو کس قدر تنہا محسوس کرتی ہوں ...... دل کی بات سننے والا کوئی نہیں ...... بنا شوہر کے عورت کی زندگی بے نام سی ہے ...... اس کا اندازہ تو آپ صائمہ کی منگنی کے وقت لگا چکے تھے ...... زلیخا کی کس قدر تذلیل کی تھی ...... نسرین اور محلے کی عورتوں نے ......

بس بس ...... زبیدہ ...... اور نمک پاشی نہ کرو ...... ہمارے زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے ان کو کرید رہی ہو۔ کرامت علی ایک دم کھڑے ہو گئے ...... اس کے ساتھ ہی رقیہ بانو بھی کھڑی ہو گئیں۔ بس تم ان کو پیغام بھجوا دو ...... ہمیں یہ رشتہ پسند نہیں ...... کرامت علی نے کہا۔

ٹھیک ہے ...... زبیدہ بانو نے سر ہلایا۔

دونوں باہر نکل آئے۔

میں نے تو اچھا ہی سوچا تھا......زلیخا کا گھر بس جاتا تو بہتر تھا۔ وہ جاتے جاتے رقیہ بانو سے بولیں۔

دیکھو زبیدہ بانو......تم اپنی رشتہ داری نباہ رہی ہو......تمہیں خالہ بن کر زلیخا کا سوچنا چاہئے......رقیہ بانو اور کرامت علی کھڑے ہو گئے۔

اسی لئے تو سوچا تھا کہ وہ اب عیش کرتی اس گھر میں۔لڑکا بھی برا نہیں......زبیدہ نے کہا۔

اب اس کو آگ میں نہیں جھونکا جا سکتا......اس کا تو ابھی پہلا زخم ہی مندمل نہیں ہوا۔ کرامت علی نے یاد دلایا۔

اس وقت آپ نے کیوں دیکھ بھال نہ کی......ایک بیمار نشئی کے پلے باندھ دیا بچی کو۔سب کچھ بھول کر زبیدہ نے دلگیر آواز میں کہا۔

بار بار احساسِ جرم دلا رہی تھی۔

تم لوگوں نے ہی شرائط باندھ رکھی تھیں......یہ نہ ہوا تو شرجیل اپنے صاحب کی بیٹی سے شادی کر لے گا......اس سے کر لے گا......ایک دم رقیہ بانو کو یاد آ گیا۔

اور آپ نے زلیخا کی شرط لگا رکھی تھی۔زبیدہ بانو نے کہا۔

تو کیا کرتی......اس سے بڑی تھی......لوگوں کی باتیں کون سنتا......جلدی میں نذیر کا رشتہ ملا اور زلیخا سے بیاہ دیا۔رقیہ بانو کی پلکیں بھیگ گئیں۔

زلیخا اپنے گھر میں بہت خوش تھی......کاش نذیر اس دنیا سے نہ جاتا......جیسا بھی تھا اس کے سر کا تاج تھا۔کرامت علی نے رقیہ بانو کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

ہاں......زلیخا بیٹی نے اپنے حالات بڑی حد تک درست کر لئے تھے......اور نذیر پھر اللہ میاں کی گائے تھا......ہر بات اس کی مانتا تھا زبیدہ بانو بھی مسکرا دیں۔

نذیر اور دولاں تو زلیخا کو پیر کی طرح جانتے تھے......اگر نذیر چلا گیا تھا تو دولاں ہی زندہ رہتی......کم از کم زلیخا در بدر تو نہ ہوتی......رقیہ بانو نے آنکھیں صاف کیں۔

بس اب جی برا کرنے سے فائدہ......چلو گھر......بچیاں اکیلی ہیں۔کرامت علی نے کہا۔

شاہدہ گھر پر نہیں ہے۔زبیدہ بانو نے کہا۔

جمیل لے گیا ہے شاپنگ کے لئے......شادی بیاہ کے کپڑے خریدنے کے لئے۔دونوں

جاتے جاتے بولے۔

اچھا......بھائی صاحب......ان کو آخری جواب دے دوں نا۔گیٹ سے باہر نکلتے دیکھ کر زبیدہ بانو نے پھر اپنی تسلی کرنی چاہی۔

بالکل......زبیدہ بانو......ہم وہاں رشتہ کرنا ہی نہیں چاہتے۔جاتے جاتے کرامت علی نے آخری فیصلہ سنا دیا اور رقیہ بانو کو جاتے دیکھ کر خود پلٹ آئیں۔

حنیفاں اور کرم الٰہی کے کئی فون آ چکے تھے......آج وہ پلٹی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بار بار بجنے لگی۔

دیکھو بیٹی کون ہے اس وقت......زبیدہ بانو نے گود میں لیٹے رحیمہ کے بچے کو تھپکا۔

خالہ اماں......چچا کرم الٰہی کا فون ہے......آپ کو بلا رہے ہیں۔رحیمہ نے ریسور پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

تو اس کے پاس آ......میں جواب دیتی ہوں......زبیدہ بانو نے بچے کو ایک طرف لٹا کر کہا۔

ہیلو......زبیدہ بانو......بہن......کیا بات ہے......ابھی تک ہمیں خوشخبری نہیں پہنچی......کرم الٰہی نے بڑی بلند آواز میں کہا۔

خوش خبری نہیں ہے بھائی جی......زبیدہ بانو نے بات کو خفیہ رکھنا نہ چاہا۔

کیا؟......کرم الٰہی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

پاس بیٹھے فیروز اور حنیفاں کی گردش کرتی سانسوں کی رفتار رک سی گئی۔

فیروز نے سرخ آنکھوں کو پھاڑا......ان لوگوں نے انکار کر دیا ہے......وہ یہاں رشتہ کرنا نہیں چاہتے......زبیدہ بانو نے کہتے ہی ریسور رکھ دیا۔

ہیلو......ہیلو......کرم الٰہی نے بار بار کہتے ہوئے ریسور واپس رکھ دیا۔

ان لوگوں کی طرف سے انکار ہے۔کرم الٰہی کفِ دست ملتے صوفے پر بیٹھ گئے۔

انکار کر دیا کرامت علی نے۔حنیفاں نے کہا۔

ہاں......مکمل انکار......کرم الٰہی افسردہ سے بولے۔

ان لوگوں نے ہماری توہین کی ہے......آخر کرامت علی کیا سمجھتا ہے۔فیروز کے لہجے میں حد درجہ گستاخانہ پن جھلک رہا تھا۔

ان کی مرضی......کرم الٰہی بولے۔

ہونہہ......وہ لڑکی بڑی اکھڑ ہے......کسی کو کچھ نہیں سمجھتی......حنیفاں نے دانت کچکچائے۔

وہ شے کیا ہے ...... اپنی نوکری پر اکڑتی پھرتی ہے ...... اس کی ایک مہینے کی تنخواہ میں ایک دن میں اڑا دیتا ہوں ...... فیروز نے بڑے گھمنڈ اور تکبر سے پاؤں سے قالین پر ٹھوکر ماری۔

بس بس ...... یہ جوئے کی خبر بھی ان کو پہنچ چکی ہے۔

ابا ...... ان لوگوں کو کیا تکلیف ...... مقصد تو صرف یہ ہے کہ ان کی لڑکی بھوکی نہ رہے ...... روٹی کپڑا چاہئے نا اسے ...... وہ طیش میں کھڑے ہو کر بولا۔

اس نے تمہاری بیوی بن کر آنا ہے ...... نوکرانی نہیں ...... حنیفاں نے کہا

نوکرانی اور بیوی میں کیا فرق ہے ...... صرف ایک بات کا ...... وہ طنزاً ہنس دیا۔

کس بات کا۔ کرم الٰہی حیرت زدہ سا اس کے کھلے منہ کو دیکھتے رہے۔

لو ابا ...... آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں ...... بیوی بچے پیدا کرتی ہے ...... نوکرانی بچے نہیں ...... وہ پھر ہنس دیا ......

عورت کی زبردست تذلیل پر حنیفاں نے کرم الٰہی کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا ......

دیکھا ...... یہ تمہارے بیٹے کے گھٹیا خیالات ہیں ...... سمجھاؤ اس کو ...... کرم الٰہی بے بس سے باہر نکل گئے۔

تمہیں شرم آنی چاہئے ...... اور پھر وہ لڑکی ...... اس کا تو نخرہ ہی بہت ہے ...... کس کو جانتی نہیں وہ ...... حنیفاں نے اپنی طرف سے فیروز کو غیرت دلائی۔

سب جان جائیگی ماں ...... میں اس کی اکڑ پھاڑ کر توڑ دوں گا ...... وہ سینہ تان کر بولا۔

کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھنا ...... ہوش سے ...... حنیفاں نے خبردار کیا۔

تو نہ گھبرا اماں ...... آگے آگے دیکھ ہوتا ہے کیا ...... وہ جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھا۔

دیکھ فیروز ...... کوئی ایسا قدم نہ اٹھانا ...... جو برادری میں ذلت کا باعث ہو ...... حنیفاں نے اسے روکنے کے لہجے میں کہا۔

کچھ نہ ہوگا اماں۔ وہ اپنی دانست میں بھاری جوتے سے قالین کو روندتے ہوئے باہر نکل گیا۔

حنیفاں سوچنے لگی کہ کیا ہوگا ...... وہ بیٹے کا گھر بھی بہت جلد آباد کرنا چاہتی تھی۔

☆

مس زلیخا سے ملنا چاہتا ہوں۔ فیروز اندر داخل ہوتے ایک میز کے قریب کھڑے ہو کر بولا۔

جی ...... عدنان اس بے تکلفی پر حیران رہ گیا۔

تمہیں سمجھ نہیں آئی ...... مس زلیخا سے ملنا چاہتا ہوں۔ فیروز کا لہجہ کرخت ہو گیا۔

عدنان نے فیروز کے سراپا کو بغور دیکھا۔ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس بھاری جیکٹ پہنے گھنے بالوں کو سیدھا چھوڑ کر سلیقے سے بنائے تلوار مار کہ مونچھوں کو بل دے کر تکبرانہ انداز میں اوپر کئے ہوئے۔ چہرے پر آوارگی اور عیاشی ٹپک رہی تھی۔ آنکھوں میں دولت کی مستی ......

بولو یار ...... زلیخا اس دفتر میں کام کرتی ہے ...... وہ (ہے) پر زور دے کر بولا۔

عدنان ہڑبڑا سا گیا ......

اچھی بات ...... میرا خیال ہے کہ تم نے کبھی آدمی نہیں دیکھا ...... فیروز نے اس کی محویت دور کرنا چاہی۔

آدمی دیکھا ہے ...... لیکن آپ کو پہلے اس دفتر میں نہیں دیکھا۔ عدنان لاپرواہی سے پھر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کیا بات ہے عدنان ...... احمد حسن بزرگ انسان تھے ...... قلم چھوڑ کر سیدھے ہوتے ہوئے بولے۔

میاں جی ...... یہ شخص مس زلیخا سے ملنا چاہتا ہے۔ عدنان نے فائل اٹھائی اور دوسری طرف چلا گیا۔

ایسا شخص ...... ایسا شخص مس زلیخا سے ملنے آیا ...... حیرت ہے ...... احمد حسن نے عینک کے شیشوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ کسٹمر نہیں ہو سکتا ......

کیوں بھئی نوجوان ...... ہم سے کہو ...... کیا کام ہے۔

شکریہ بزرگو...... آپ سے مجھے کوئی کام نہیں۔ فیروز کا لہجہ اکھڑ اور گستاخ تھا۔

کیا کام ہو سکتا ہے آپ کو مس زلیخا سے۔ احمد حسن بولے۔

آپ کو بتانا ضروری ہے کیا وہ احمد حسن کے پاس آ گیا۔

جی ہاں ضروری ہے ان کے چھوٹے موٹے کیس تو میں ڈیل کرتا ہوں۔

اگر بڑا ہو تو...... فیروز نے طنزاً کہا۔

اس کے لئے......

بس بس...... میں تقریر سننے نہیں آیا...... مجھے زلیخا سے ملنا ہے۔

میاں جی جانے دیجئے...... ہو سکتا ہے کہ مس زلیخا کا جاننے والا ہو۔ سٹر افضال نے کہا۔

اسماعیل...... میاں احمد حسن نے چائے لیکر آنے والے لڑکے سے کہا۔

جی میاں جی...... حسب عادت اسماعیل نے باریک آواز نکالی۔

مس زلیخا کے پاس ان صاحب کو لے جاؤ۔ میاں جی نے کہا۔

چلئے جناب...... اسماعیل نے ہاتھ سے چلنے کا اشارہ کیا۔

فیروز اسماعیل کے ساتھ چل دیا۔

اس کے بھاری جوتوں کی چرمر دور تک سنائی دیتی رہی۔

نہ جانے یہ کون شخص ہے...... آج تک تو مس زلیخا کا کوئی رشتہ دار ملنے نہیں آیا۔ میاں جی حیرت سے بولے۔

معلوم نہیں...... افضال صاحب نے گردن جھکالی۔

مسں صاحب جی...... یہ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اسماعیل اپنی مخصوص آواز کے ساتھ بولا۔

بیٹھئے...... زلیخا نے فائلوں سے سر اٹھا کر بڑے بااخلاق انداز میں بیٹھنے کو کہا۔

اسماعیل......

جی مس صاحب جی...... اسماعیل پلٹا۔

دو چائے اور شامی لے آؤ...... وہ اپنے پاس آنے والے مہمان کی چائے سے ضرور تواضع کرتی۔

نا جی نا...... ہم تو پیڑے والی لسی پینے کے عادی ہیں۔ فیروز نے ایک انگلی مونچھوں کو تاؤ دینے کے لئے پھیری۔

شہر ہے صاحب جی...... آپ پنڈ میں رہتے ہوں گے۔ اسماعیل نے پلٹ کر جواب دیا۔

فیروز نے پلٹ کر غصیلی نظروں سے اسماعیل کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ جا چکا تھا۔

بڑا گستاخ ہے تمہارا نوکر۔ فیروز بے تکلف ہو گیا۔

معاف کیجئے گا...... وہ میرا نہیں فرم کا ملازم ہے۔ زلیخا کو فیروز کی گفتگو اچھی نہ لگی۔

پھر بھی ہم جیسوں سے بات کرنے کا سلیقہ ہونا چاہئے۔ فیروز دونوں ہاتھوں سے جیکٹ سیدھی کرتے بولا۔

اپنا اپنا انداز ہے۔ زلیخا نے چوٹ کی۔ اور اسے بغور دیکھنے لگی۔

فیروز نے کرسی پر بیٹھ کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی...... اتنے آدمیوں میں تم اکیلی کام کرتی ہو...... فیروز کی حد سے بڑھی ہوئی بے تکلفی زلیخا کو بڑی ناگوار گزری۔

اس بات کو چھوڑیں...... آپ ہیں کون۔ وہ سخت لہجے میں کہنے لگی۔

تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ میں کون ہوں...... اس کا لہجہ ویسا ہی تھا۔

مجھے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کہ آپ کون ہیں۔ وہ برجستہ بولی۔ انداز تلخ تھا۔

اچھا جی...... ہماری ضرورت ہی محسوس نہیں کی...... وہ زلیخا کے منہ سے ایسے الفاظ سننا نہیں چاہتا تھا۔

آپ مطلب کی بات کریں...... کس لئے آئے ہیں آپ۔ وہ اونچی آواز میں بولی۔

سامنے بیٹھے نثار صاحب چونک گئے۔

میں فیروز ہوں...... میرے رشتے کی بات چل رہی تھی نا تم سے...... وہ بے تکلف بولا۔

نثار صاحب...... زلیخا نے ٹیلی فون ریسور میں نثار صاحب کو بلا کر ریسور واپس رکھ دیا۔

نثار صاحب کیبن میں داخل ہوئے۔

ان صاحب کو ڈیل کیجئے...... اگر کوئی معقول کام نہ ہو ورنہ ان کو چلتا کیجئے۔ وہ غصیلے انداز میں بیٹھ گئی۔

آئیے جناب۔ نثار صاحب نے کہا۔

میں نے سنا ہے تم نے اور تمہارے والدین نے انکار کر دیا...... کیوں...... وہ پھر ڈھٹائی کے ساتھ بولا۔

او مائی گاڈ...... بری طرح جھنجلاتے ہوئے زلیخا نے ماتھا پکڑ لیا۔

دیکھئے...... یہ آفس ہے...... ایسی باتوں کو گھروں میں ڈسکس کرنا چاہئے۔

نثار صاحب نے کہا...... وہ معاملے کی نوعیت جان چکے تھے۔

تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے...... یہ میری ہونے والی......

او یو شٹ اپ...... زلیخا تلملا کر چیخ اٹھی......

اسماعیل...... خان بابا...... اس شخص کو آفس سے باہر نکال دو۔ وہ چلا کر بولی۔

سب لوگ اپنی اپنی سیٹ سے کھڑے ہو گئے۔

اسماعیل اور خان بابا نے جلدی سے آ کر فیروز کو بازوؤں سے پکڑا اور باہر لے گئے......

میں دیکھ لوں گا تمہیں...... وہ غنڈہ گردی دکھاتا ملازمین کے ساتھ باہر نکل گیا۔

ریلیکس...... ریلیکس...... نثار صاحب نے ہانپتی ہوئی اپنی سانسوں کے زیر و بم پر قابو پاتی زلیخا کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور اپنا سر اپنے ہاتھوں پر رکھ لیا۔

نثار صاحب نے ہاتھ ہلا کر سب کو بیٹھنے کے لئے کہا۔

وہ بہت دیر تک یونہی گم سم بیٹھی رہی...... وہ حنیفاں کے بیٹے کو جانتی تو تھی لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ فیروز اس قدر بدتمیز جاہل ہو گا۔

پانی پیجئے...... نثار صاحب نے ٹھنڈے پانی کا گلاس اس کے قریب رکھا۔

نثار صاحب...... ہر شخص اپنا حق جتانے آ جاتا ہے...... وہ روہانسی صورت بنا کر گلاس پکڑتے بولی۔

Dont Worry...... ایسا ہوتا ہے...... ان حالات میں...... نثار صاحب بڑے خلوص سے بولے۔

یہ حالات اب میں اپنے قابو میں کیوں نہیں کر سکی۔ وہ ایک ہی سانس میں سارا گلاس حلق میں انڈیل کر گلاس کو میز پر رکھتے بولی۔

آپ ایک بہادر عورت ہیں...... باد سموم کا کوئی تیز جھونکا آ جاتا ہے تو جھٹک دیجئے...... پریشان مت ہوا کریں۔ نثار صاحب کہتے ہوئے واپس جانے لگے۔

نثار صاحب...... وہ ایک دم پلٹی......

میں اب کام نہ کر سکوں گی......

گھر چلے جایئے...... آرام کیجئے...... نثار صاحب نے کہا۔

اور یہ کام...... شام چار بجے صاحب کو رپورٹ پیش کرنی ہے۔ وہ میز پر پڑی فائل کو دیکھ کر بولی۔

کوئی بات نہیں...... کام ہو جائے گا...... احمد حسن صاحب سے سائن بھی ہو جائیں گے۔ وہ بڑی اپنائیت سے فائل اٹھا کر بولا۔

نثار صاحب...... یقین کیجئے میں...... وہ احسانوں کے بوجھ تلے دبی محسوس ہو رہی تھی۔

بس بس...... میری بہن اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں......

وہ جانتے تھے...... انہیں علم تھا کہ اب زلیخا کیا کہنے والی ہے۔

زلیخا نے بڑے کرب سے مسکرا کر درخواست نثار صاحب کو دی اور خود باہر نکل گئی۔

میاں جی...... مس زلیخا کہاں ہیں۔ مس مونا نے زلیخا کا کیبن خالی دیکھ کر کہا۔

ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی...... چلی گئی ہیں۔ میاں جی کاغذوں میں الجھے ہوئے بولے۔

میں نے تو ان کاغذات پر سائن کروانے تھے۔ مونا زبردست عالم پریشانی میں بولی۔

کوئی بات نہیں بی بی...... سائن کل ہو جائیں گے...... لایئے مجھے دیجئے...... میاں جی نے کاغذات مونا سے پکڑ لئے۔

میاں جی...... سامنے بیٹھے عدنان نے کہا۔

جی صاحب زادے...... میاں جی نے کہا۔

میں بھی ان فائلوں پر سائن کل کروا لوں۔ عدنان نے کہا۔

جو کام ہے کل کروا لینا ہے...... اس غنڈے نے بہت پریشان کیا ہے۔ میاں جی کو افسوس ہو رہا تھا کہ اس کو زلیخا کے پاس جانے کیوں دیا۔

وقت سے پہلے گھر پہنچی تو رقیہ بانو کو زبردست حیرت ہوئی۔

اماں...... زلیخا بھی آ گئی...... شاہدہ نے بچے کے کپڑے اتار کر کہا۔

ابھی...... گیارہ بجے ہیں...... رقیہ بانو نے کلاک کی طرف دیکھا۔

آداب اماں...... زلیخا اندر برآمدے میں ہی آ گئی۔

خیریت تو ہے...... اتنی جلدی...... تو شام سے پہلے تو کبھی نہیں آئی۔ رقیہ بانو نے اس کے

حراساں چہرے کی طرف دیکھا۔

اماں...... یہ لوگ...... کیوں جلانے آجاتے ہیں...... میں تو کسی کو کچھ نہیں کہتی۔ وہ پرس میز پر رکھتے ہوئے بولی...... اس کے اداس چہرے پر حالات کی ان گنت پرچھائیاں کرب بن کر جھلک رہی تھیں۔

کوئی بات ہوگئی بیٹی...... رقیہ بانو نے کہا۔

وہ خالہ کا Relative...... کیا نام ہے اس کا...... فیروز...... زلیخا نے پاس کھڑی شاہدہ کو دیکھ کر کہا۔

ہاں ہاں...... کیا ہوا اسے۔ رقیہ بانو ایک دم سے بولیں۔

اماں! اس نے ضرور کوئی بدتمیزی کی ہے۔ جو زلیخا جلدی آگئی آفس سے...... شاہدہ نے قیاس آرائی کی۔

اس نے میرے آفس آکر غنڈہ گردی کی ہے...... وہ تو لوگوں نے پکڑ کر اسے باہر نکال د...... نہ جانے...... زلیخا مجبور و بے بس ہاتھوں پر چہرا رکھے رو دی۔

دیکھا وہی بات ہوئی نا...... شاہدہ نے کہا۔

ہائے میں مری...... فیروز تمہارے دفتر چلا گیا...... ستیاناس کلموئے کا...... رقیہ بانو زبردست خشمگین لہجے میں بولیں۔

یہ لوگ میرے زخموں کو کیوں کریدتے ہیں...... کیا بگاڑا ہے میں نے ان کا۔ وہ شدید غصیلے انداز میں بولی۔

بس میری بچی...... صبر کرو...... زمانے کا جبر برداشت کرو میری بچی...... اب قدرت یہ وقت لے آئی ہے تو اس کا سامنا کرو...... رقیہ بانو نے زلیخا کے ملائم رخساروں سے پھسلتے آنسو صاف کئے۔

اماں سامنا تو کر رہی ہوں...... لیکن یہ ہر بار ایک نیا زخم لگانے کوئی نہ کوئی آجاتا ہے میں کیا کروں...... وہ ماں کے شانے پر سر رکھے بلک بلک کر رو دی...... جیسے بچہ کھلونا کھو جانے پر رو دے......

شاہدہ ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس دے...... رقیہ بانو نے زلیخا کو ساتھ لگا لیا۔

آپا...... نہ رو...... تو لوگوں کی باتوں کا اثر ہی نہ لیا کر۔ صائمہ نے زلیخا کو ساتھ لگا لیا۔

ب الفاظ کے نشتر بار بار میرے دل پر لگیں گے تو میں تڑپوں گی کہ نہیں۔ زلیخا نے اپنی بے بسی عیاں کی۔

زلیخا! چائے بناؤں تمہارے لئے۔

ہاں...... ہاں...... بہو سب کے لئے بناؤ...... میں بھی پی لوں گی۔

اچھا...... شاہدہ کچن میں چلی گئی۔

آپا منہ دھو لو...... صائمہ نے اداس چہرے کو دیکھ کر کہا۔

میں چینج کر آؤں...... زلیخا اٹھتے ہوئے بولی۔

ہاں میری بچی...... تازہ دم ہو جانا...... اے خدا اب ہی میری زلیخا کے نصیب کھول دے۔

رقیہ بانو نے جاتی ہوئی زلیخا کو دیکھ کر دیگر آواز میں دعا دی۔

اماں آپ پریشان نہ ہوں...... اللہ اچھا ہی کرے گا۔

شاہدہ نے دو کپ چائے درمیانی تپائی پر رکھی،

جا بیٹی...... خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ رقیہ بانو نے کہا...... اور آنسوؤں سے بھیگا چہرا صاف کیا۔

آپا...... میری چائے...... صائمہ باہر آئی۔

صائمہ کی بچی چائے چھوڑ دے...... چہرا خراب ہو جائے گا۔ شاہدہ ہنس کر بولی۔

یہ ٹھیک کہتی ہے بیٹی۔ رقیہ بانو نے شاہدہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

کچھ نہیں ہوتا اماں...... صائمہ نے کپ پکڑ لیا۔

...تو ساس اور طرح کی ہے لڑکی نیچے اترتے زلیخا نے مذاق کیا۔

...ٹائپ کی کہو آپا۔ صائمہ نے آہستہ سے چسکی لی...... اور چاروں کھل کھلا کر ہنس ......

...چائے کہاں ہے...... زلیخا نے دونوں ہاتھوں سے چہرے پر آئے بالوں کو درست کیا۔

...آپ کا کپ تو میں نے لے لیا۔ صائمہ نے کہا۔

...اپنے لئے بھی لے آؤ...... اور ہاں...... کوئی میٹھا نہیں ہے۔ رقیہ بانو کو کئی دنوں سے ...کھانے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔

...اوپر میرے کمرے میں ڈبہ پڑا ہے مٹھائی کا...... چند دن ہوئے بچوں کے لئے

لائی تھی......زلیخا کے انداز میں محرومیت اور شرمندگی ٹپک رہی تھی۔

کیوں نہیں دی بچوں کو۔شاہدہ نے اس طرح کہا جیسے گزشتہ ایام میں کوئی بات نہ ہوئی ہو۔

بس ایسے ہی بھابی......آپ کو معلوم تو ہے......زلیخا نے دبی دبی زبان میں یاد دلایا۔

ارے نہیں زلیخا......انجانے میں کچھ غلطیاں ہو گئیں......میرا تو جینا مرنا تم سب کے ساتھ ہے۔شاہدہ نے اپنی بھیگی بھیگی آنکھوں کو آنچل سے صاف کیا۔

بس بس سب دل صاف کرو......میرا ایک ہی بیٹا ہے......میرے سارے گھر کی مالک و مختار دلہن ہی تو ہے......سارا کچھ اسی کا ہے......زلیخا اور صائمہ نے شاہدہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

اماں......بھول میری ہی تھی......میں ہی اپنی امی کی باتوں میں آ گئی......شاہدہ کو جب پیار ملا تو وہ سسک اٹھی......

بس دِل سے سب کچھ نکال دو......جیسے کچھ ہوا ہی نہیں......رقیہ بانو نے کہا۔

صائمہ چل اوپر سے مٹھائی لا......رقیہ بانو نے کہا۔

اچھا اماں......بڑا دل بیتاب ہے آپ کا......صائمہ ہنستے ہوئے زینہ چڑھ گئی۔

بڑے خوشگوار ماحول میں چائے کا دور ختم ہوا......شاہدہ کو اپنی کوتاہی کا شدت سے احساس تھا کہ اس کی ساس اس قدر نرم خو اور باکردار سمجھ دار خاتون تھی......اس کی ماں زاہدہ بیگم کی طرح اپنی بہو کو کھانے کے لئے نہیں دوڑتی تھی......چند دن رہ کر شاہدہ نے اپنی ماں کا رویہ اپنی بھابیوں سے دیکھ لیا تھا......دونوں تیز طرار لڑکیاں تھیں دن میں ایک آدھ مرتبہ تو ٹھیک جاتی......پھر ایک دو دن کے بعد ساس سمجھ کر بولنا شروع ہو جاتا۔اور اس کی تو نندیں بھی اس قدر اچھی تھیں۔رحیمہ تیز طبیعت کی مالک تھی۔لیکن اس نے بھی کبھی کوئی آج تک ایسی بات نہ کی تھی جو اس کی طبع کو گراں گزرے......باقی رہا سوال اماں کا تو انہوں نے تو کچھ کہا ہی نہیں تھا۔دلہن اور بہو کہہ کہہ کر ساس سسر کا منہ سوکھتا تھا......اتنی محبت کون کسی کو دے سکتا تھا۔جو اس گھر میں اس کو ملی تھی......شاہدہ کو چند دنوں میں بہت سمجھ آ چکی تھی......اپنی ماں کے کہنے سے جو تلخی پیدا ہو گئی تھی......اس کا خمیازہ کافی بھگتنا پڑا تھا......جمیل بھی اس سے کھنچا کھنچا سا رہنے لگا تھا......زاہدہ بیگم نے اس کو خوفزدہ ہی اس قدر کر دیا تھا کہ وہ زلیخا کے سائے سے بھاگتی تھی۔یہ بھول ہی گئی تھی کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہوتا ہے......کاتب تقدیر جو لکھ دے وہ ہی کچھ ہوتا ہے......اس میں انسانوں کا دخل نہیں ہے......کارزار حیات میں جو ہے......اس رب العزت کے حکم سے ہوتا ہے......اس کے بغیر ایک تنکا بھی اِدھر سے اُدھر نہیں ہو سکتا......نہ جانے انسان کو سمجھ کیوں نہیں آتی......

چند دن اور گزرے

اماں......بھابی کی ماں تو ابھی سے آ گئی......صائمہ نے جہیز کے جوڑوں کو رقیہ بانو کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

زاہدہ بیگم آ گئی۔رقیہ بانو نے سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے سوٹ کی گنتی پوری کی......لیکن لہجے میں حد درجہ حیرت پوشیدہ تھی۔

اور کیا......اندر بیٹھی ہے......بھابی کے پاس۔صائمہ نے کہا۔

اچھا خیر کوئی بات نہیں......تم لوگوں نے کوئی بات نہیں کرنی......رقیہ بانو نے سوٹ کیس بند کیا۔

ہم کہاں بات کرتے ہیں......وہ خود ہی آپا کو نشانہ بناتی ہیں......صائمہ کو دکھ ہوا۔

تمہاری شادی کے ایک دو دن پہلے ہی زلیخا چلی جائیگی۔رقیہ بانو تھکی تھکی سی اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔

اماں......یوں تو نہ کریں......صائمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

تم سمجھتی کیوں نہیں......اگر وہ سارا دن اوپر بند رہے تو پھر بھی معیوب لگتا ہے......اگر شادی میں اِدھر اُدھر کام کرے گی تو تمہاری ساس اور زاہدہ بیگم......اور پھر محلے کی عورتوں نے جینا دوبھر کر دینا ہے اس کا......اس سے اچھا نہیں وہ ہوسٹل میں رہ لے......رقیہ بانو کو بہت اذیت ہو رہی تھی......کہ ان کی اتنی پڑھی لکھی بیٹی یوں دنیا کے چرکے سہہ رہی ہے۔

صائمہ خاموش ہو گئی۔

اماں......شاہدہ اندر آ کر بولی۔

کیا بات ہے دلہن۔رقیہ بانو شفیق لہجے میں بولیں۔

دوپہر کو کھانے میں کیا پکنا چاہئے......اماں بھی آ گئی ہیں......پندرہ دن پہلے آنے پر جیسے ان کو ندامت ہوئی ہو......

بیٹا جو مرضی پکا لو بیٹی......مالک ہو......زاہدہ بیگم جو پسند کرتی ہی پوچھ لو ان سے......

فریج میں گوشت ہے نا...... رقیہ بانو کا لہجہ انتہائی نرم اور محبت سے بھرپور تھا۔
گوشت تو ہے...... ابا جو کل لے آئے تھے...... شاہدہ نے کہا۔
پلاؤ پکا لو...... ساتھ سالن پکا لو...... صائمہ تم میٹھا بنا لینا...... بیٹے جو مرضی پکا لو...... اسی بہانے ہمیں بھی کھانے کو مل جائے گا۔ رقیہ بانو ہنس دیں۔
اور شاہدہ ہنستی ہوئی واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔
شاہدہ ادھر آؤ...... زاہدہ بیگم سرگوشی کے انداز میں بولیں۔
کیا بات ہے امی...... شاہدہ نے کان میں ماں کے پاس جا کر کہا۔
وہ بیوہ کہاں ہے۔ زاہدہ بیگم ہاتھ نچا کر بولیں۔
اماں ایسا تو نہ کہو...... شاہدہ کو اُس وقت ماں کے الفاظ کاٹ گئے۔
ہیں ایسا کیوں نہ کہوں...... جب بیوہ ہوگئی تو بیوہ ہی کہوں گی۔ سہاگن تو نہیں...... وہ تو میاں کو کھا گئی۔ زاہدہ بیگم نے جیسے طعنہ دیا ہو......
امی جان...... کسی کے سامنے زبان کو قابو میں رکھئے گا...... شاہدہ کو غصہ آ گیا۔
بری بات نہیں ہے بیٹی...... جب اس کا شوہر اللہ کو پیارا ہو گیا تو بیوہ ہی کہلائے گی...... زاہدہ بیگم نے شاہدہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔
اچھا چھوڑیئے...... اب چائے بناؤں۔ شاہدہ زچ سی ہوگئی۔
ہاں بناؤ شربت پیئے تو کافی دیر ہوگئی۔ زاہدہ بیگم نے کہا۔
زاہدہ بیگم تو بیٹی کے گھر میں آ کر اپنے کھانے پینے پر زیادہ توجہ دیتی تھی۔
جا رہی ہوں...... شاہدہ واپس پلٹی......
سنو...... زاہدہ بیگم نے پھر پکارا......
جی...... وہ جھلا کر پلٹی۔
رقیہ بانو کہاں ہے۔ زاہدہ بیگم نے حسب عادت سرگوشی کی۔
صائمہ کی چیزیں رکھ رہی ہیں...... آپ لیٹی رہیں...... آ جائیں گی...... شاہدہ نہیں چاہتی تھی کہ زاہدہ بیگم اُدھر جائے۔
کارڈ چھپ کر آ چکے تھے...... دعوت نامے جاری کر دیئے تھے۔ اب تو ہنگامہ رحیمہ کی شادی سے بھی زیادہ تھا۔

زلیخا کی ماں...... کرامت علی ہاتھ میں پین اور دعوت نامہ پکڑ کر بولے۔
سجاد اور طاہرہ کو کارڈ بھیج دیں۔ وہ بولے۔
مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے...... آپ کا بھتیجا اور بھائی کی بیوی ہے...... بلا لیں۔ رقیہ بانو نے ہمیشہ کی طرح فراخ دلی کا ثبوت دیا۔
سوچ لو...... وہ عورت بھی ایسی ہے...... کرامت علی نے کہا۔
کوئی بات نہیں...... کارڈ بھیج دیں آپ...... رقیہ بانو نے کہا۔
پھر سوچ لو۔ وہ بولے
بلا لیں آپ...... مسئلہ تو زلیخا کا ہے نا...... اس نے ہاسٹل چلے جانا ہے۔ رقیہ بانو مطمئن ہو گئی تھیں۔
اچھا...... فیصلہ کر لیا زلیخا نے۔ کرامت علی نے کہا۔
ٹھیک ہے جی...... اس طرح بچی کا دل میلا نہ ہو گا...... ارد گرد کی باتوں سے تو وہ پاگل ہو گئی ہے۔ رقیہ بانو نے کرامت علی کو سمجھانے کی کوشش کی۔
میں چاہتا تھا کہ چھوٹی بہن کی شادی ہے...... پاس ہی رہتی تو اچھا تھا...... کرامت علی کو زلیخا کے جانے کا افسوس ہو رہا تھا۔
اس سے اچھا نہیں ہے کہ بار بار نشتر چلا کر زخمی کرتے ہیں لوگ...... رقیہ بانو بڑے کرب سے بولیں۔
ہاں...... یہ بات تو ٹھیک ہے...... اور وہ طاہرہ بھی ایسی ہی ہے۔ کرامت علی نے کہا۔
سجاد اور طاہرہ کو دعوت نامہ ارسال کر دیا تھا۔
سب لوگوں کو دعوت نامے ارسال کر دیئے گئے تھے...... قریبی رشتہ دار تو آنا بھی شروع ہو گئے...... مہمانوں کے لئے بہتر انتظام کیا گیا تھا۔ شادی میں صرف دو دن باقی تھے......
سجاد آ پہنچا تھا لیکن طاہرہ شاید اپنی ضد پر قائم تھی۔ وہ بیٹے کے زبردست اصرار پر بھی نہ آئی...... سجاد نے بہت سمجھایا لیکن اس عورت کے پلے کوئی بات نہیں پڑی...... چنانچہ سجاد مجبوراً اکیلے ہی آنا پڑا۔
سب مہمان آ چکے تھے...... گھر بھرا پڑا تھا...... لیکن اس کو زلیخا کہیں بھی نظر نہیں آئی......
رہ نہ سکا تو آخر اس نے رقیہ بانو سے پوچھ ہی لیا۔

تائی اماں...... زلیخا نہیں نظر آ رہی...... وہ متلاشی نگاہیں اِدھر اُدھر گھما کر بولا۔

وہ یہاں تو نہیں ہے۔ وہ بولیں۔

تو پھر کہاں ہے۔ وہ ایک دم چونک گیا۔

ہوسٹل میں چلی گئی ہے۔ وہ بولیں

ہوسٹل میں...... What...... بہن کی شادی...... وہ ایک دم اچھلا۔

لوگوں کے خوف سے...... لوگ نہیں جینے دیتے...... اگر وہ رہتی تو شادی عذاب بن جاتی۔

تم بیٹھو...... میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کرامت علی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گئے۔

بتایئے...... سجاد نے کہا۔

لوگوں نے اس کی بیوگی کو طعنہ بنا لیا ہے۔ عورتیں نفرت کرتی ہیں اس سے۔ ہر شوہر والی عورت یعنی کہ سہاگن عورت اس سے دور بھاگتی ہے...... ان چیزوں سے خوفزدہ ہو کر وہ چلی گئی ہے۔ جہاں ملازم پیشہ عورتیں رہتی ہیں۔ کرامت علی نے پیشانی صاف کی۔

اور ویری سیڈ...... Very Sad...... ہماری سوسائٹی میں ایسے بھی لوگ ہیں۔ سجاد نے کہا۔

ہاں...... ہماری سوسائٹی میں اس سے بھی برے لوگ ہیں...... جنہوں نے زلیخا جیسی بہت سی بے گناہ لڑکیوں کا دائرہ حیات تنگ کر دیا ہے۔ کرامت علی نے بڑے دکھ سے کہا۔

اتنا پڑھ لکھ کر ہمارے اندر سے جہالت نہیں گئی...... میں تو کہتا ہوں یہ لوگ ہندو بنیے کی گود میں پرورش پانے والے ہیں...... اس لئے وہی عقیدے اپنائے ہوتے ہیں۔ سجاد نے کہا۔

اگر ان لوگوں کے اختیار میں ہوتا تو زلیخا کو نذیر کے ساتھ ہی دفن کر دیتے...... معاشرے سے زبردست نفرت کا اظہار کرامت علی کے الفاظ میں جھلک رہا تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا نذیر کے انتقال کو۔

عرصہ...... تقریباً چار سال گزر چکے ہیں...... وہ سوچ کر بولے۔

شام کے دھندلکے پھیل چکے تھے...... آکاش کی جوانی بادلوں کے گھونگھٹ میں شرما رہی تھی۔ ٹھنڈی مست ہوا چل رہی تھی...... خنکی میں بھی اضافہ ہو چکا تھا۔ میرا خیال ہے بارش آ جائے گی...... وہ کھڑا ہو گیا۔

کہیں جا رہے ہو۔ رقیہ بانو نے ایک دم پلٹ کر پوچھا۔

باہر جا رہا ہوں...... وہ مسکرا دیا۔

موسم کا لطف لینے جا رہے ہو۔ رحیمہ نے کہا۔

کوشش تو یہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ باہر کی جانب چل دیا۔

کرامت علی ڈرائنگ روم میں چل دیئے۔

سجاد اپنی گاڑی میں سوار اپنی ذہانت کے بل بوتے پر ورکنگ ہاسٹل ویمن لاہور کی جانب چل دیا۔ اسے یہ علم ضرور تھا کہ اور کسی ہاسٹل میں زلیخا کا رہنا ممکن نہیں...... لاہور اور دیگر بڑے شہروں میں ایسے ہوسٹل تعمیر ہو چکے ہیں جس میں دور دراز سے آئی ہوئی یا ایسی خواتین جن کے پاس رہنے کو کوئی ٹھکانہ نہ ہو وہ اس ہاسٹل میں مقیم رہ کر سکون سے ملازمت کر سکتی ہیں...... اس وقت شام چھ کا وقت ہو گا...... گاڑی کو ایک دم بریک لگا کر وہ باہر نکل آیا...... دروازے پر کھڑے چوکیدار نے بغور دیکھا۔

کیوں بھی جوان مس زلیخا سے ملوا دو گے...... سجاد سوکھے سڑے چوکیدار کو دیکھ کر بذلہ سنج ہو گیا۔

اپنا کارڈ دے دیجئے صاحب...... معلوم کئے دیتا ہوں...... چوکیدار نے کہا۔

ٹھیک ہے...... دو تین جیبوں میں ہاتھ ڈال کر سجاد نے چھوٹی جیب سے کارڈ نکال کر چوکیدار کو دیا...... اور خود گاڑی کے پاس کھڑا ہو گیا......

ارے...... سجاد تم......

چند لمحے نہ گزرے تھے کہ زلیخا سفید اور سیاہ پرنٹ سوٹ میں ملبوس سیاہ آنچل اوڑھے گیٹ سے باہر آئی۔

Thank God...... پہچانا تو...... سجاد نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

تم بھولنے والی شخصیت نہیں ہو...... وہ بھی ہنس دی۔

چلو کسی ریسٹوران میں چل کر کھانا کھاتے ہیں۔ سجاد نے کہا۔

کھانا یہیں کھا لیں گے۔ زلیخا بولی۔

فیس آپ نے محترمہ اپنا دیا ہو گا...... مہمان کا نہیں۔ وہ ہنس دیا۔

لیکن سجاد اس وقت...... رات ہو گئی...... وہ تکلف سے کام لینے لگی۔

یہی وقت ہے ڈنر کا...... پلیز بتا آؤ اپنی روم میٹ کو...... سجاد نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے وارڈن کو کہنا پڑے گا...... ابھی آئی...... وہ گئی اور چند منٹ کی تاخیر کئے بغیر لوٹ آئی۔

تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں ہاسٹل چلی آئی ہوں...... جب تم نظر نہ آئیں تو جان لیا

دونوں اتر کر ہوٹل کے خوبصورت ہال میں داخل ہوئے ......اور ایک موزوں پرسکون تنہا جگہ دیکھ کر بیٹھ گئے۔

تمہیں معلوم تو ہے کہ میرا وجود عورتوں کے لئے آسیب بن چکا ہے۔ وہ دکھ سے پہلو بدل کر بولی۔

دیکھو ...... اس وقت کوئی ایسی بات مت کرنا جو ماحول میں افسردگی پیدا کرے ......وہ معذرت خواہی کے انداز میں بولا۔

ٹھیک ہے ......وہ ہنس دیا اور بیرے کے ہاتھ سے کارڈ پکڑ لیا۔

زلیخا......میرا سب سے بڑا مقصد تم سے ملنا تھا......شادی نہیں تھا......سجاد نے کہا۔

مجھ سے ملنا کیا بہت ضروری تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی آج سجاد کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔

بہت ضروری تھا......وہ بغور اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

بیرے نے کھانا میز پر چن دیا تھا۔

مجھ سے ملنا بہت ضروری تھا۔ زلیخا نے کہا۔

ہاں......بہت ضروری۔ سجاد نے کہا......وہ زلیخا سے کوئی آخری فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

ایسی ہی کوئی اہم بات ہے۔ زلیخا ہنس دی۔

لو نا...... یہ سب کچھ تمہاری خاطر منگوایا ہے...... تمہیں کھانا پڑے گا...... سجاد نے گوشت کی ڈش کی طرف اشارہ کیا۔

بھئی میرا پیٹ میدان نہیں ہے۔ زلیخا ہنس دی اور اپنی پلیٹ میں سالن ڈالنے لگی۔

وہ دیکھتا رہ گیا۔

کیا دیکھ رہے ہو۔ وہ سنجیدہ ہوگئی۔

تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ سجاد مسکرا دیا۔

مجھ میں کوئی خاص بات ہے جو دوسروں میں نہیں...... زلیخا نے کہا۔

میں دیکھ رہا ہوں تم ہنستی ہوئی کس قدر اچھی لگتی ہو...... سجاد کا انداز والہانہ تھا۔

ہاں کبھی کبھی ہنس لیتی ہوں......وہ عجیب انداز میں بولی۔

کبھی کبھی ...... یوں ہی ہنستی رہا کرو...... ہنسی سے دل تازہ دم رہتا ہے۔ سجاد نے پانی کا

اں ہونٹوں کو لگایا۔

کیسے ہنسوں ......لوگ نہیں ہنسنے دیتے ...... ہنسنا بھی منع ہے......وہ بے بس سی بولی۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔ سجاد کے لہجے میں حیرت کا عنصر غالب تھا۔

نذیر کی موت کو ایک طعنہ بنا لیا ہے لوگوں نے ......لوگ نفرت کرتے ہیں مجھ سے۔ حد درجہ

رب اس کے چہرے پر عیاں تھا۔

نفرت ......تم نفرت کے قابل تو نہیں ہو...... دنیا کی باتوں کا اثر مت لو......سجاد کو زلیخا پر

بے انتہا رحم آ گیا......

ہم کتنے بھی آگے چلے جائیں...... پھر بھی ہمارے اندر ہزاروں سال پرانی تہذیب گھر کئے

ئے ہے...... دو ذ سال ہندوؤں کے ساتھ رہنے سے ہم لوگوں نے یہی تو سیکھا ہے۔

ہوت سمجھنے لگے ہیں ......زلیخا کے الفاظ میں طنز غمازی کر رہا تھا۔

تم اِن سب کو بھول جاؤ......سجاد نے مشورہ دیا۔

کیسے بھول جاؤں ......اگر ایسا کر سکتی تو ہاسٹل میں کیوں آتی ......چھوٹی بہن کی شادی ہے

....اور میں یہاں ہوں ......اس کے اندر کا کرب دکھ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے پوری

رح عیاں تھا ......اگر وہ اپنے آنسو پلکوں کی دہلیز پر روک نہ لیتی تو سجاد کو اس کی کمزوری

ہنچنے میں دیر نہ لگتی۔

سجاد نے اک نظر دیکھا اور نگاہیں جھکا لیں۔ وہ زلیخا کی حالت کا اندازہ لگا چکا تھا۔ وہ چند

لمحے خاموش ہی رہا......کہ زلیخا نے اس سکوت کو توڑا۔

یوں لگ رہا ہے جیسے میں پتھروں کے دیس میں رہ رہی ہوں ......کوئی مجھے سمجھتا ہی

نہیں......وہ سجاد کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

میں سمجھتا ہوں تمہیں ......اسی لئے تو آیا ہوں ......سجاد مسکرا دیا۔

کیا؟......وہ ہنس کر بولی......جیسے سجاد مذاق کر رہا ہو۔

ہاں زلیخا...... میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ میری بھی سنو اور اپنی سناؤ۔ سجاد نے

بیرے کے ہاتھ سے بل......

بل میں دوں گی......زلیخا نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور اسے روک دیا......

نہیں......آج میری طرف سے ...... آئندہ دیکھیں گے۔ وہ معنی خیز انداز میں ہنس دیا

......اور بل ٹپ کے ساتھ بیرے کے کارڈ پر رکھ دیا۔

سر کافی ......بیرا بولا۔

ضرور......دو کپ بہترین کافی ......سجاد نے کہا۔

اور بیرا مودب انداز میں سر جھکا کر لوٹ گیا۔

تمہارے تبسم میں کچھ پوشیدہ نظر آ رہا ہے......کچھ کہنا چاہتے ہو......زلیخا نے کہا۔

زلیخا! میں بہت کچھ کہنے کے لئے تمہارے پاس آیا ہوں......لیکن اب میں ناکام نہیں لوٹوں گا۔ وہ بڑے وثوق سے بولا۔

تم ناکام ہو کب...... میرے محتاط اندازے کے مطابق کامیاب زندگی گزار رہے ہو۔ زلیخا نے کہا۔

کامیاب زندگی کے لئے مضبوط سہارے کی ضرورت ہے......سجاد نے تمہید باندھی۔

سہارا تلاش کیوں نہیں کرتے......تم میں کوئی کمی ہے......

تلاش کیا ہوا ہے ایک مضبوط سہارا......وہ روشن آنکھیں زلیخا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا...... یہ تصادم دونوں کے لئے ہی جان لیوا ثابت ہوا......زلیخا مضبوط اعصاب رکھتی تھی......فوراً سنبھل گئی......لیکن وہ زلیخا کی نشیلی آنکھوں کی تاب نہ لا سکا۔

تم شاید سمجھ گئی ہو......سجاد نے جیسے پہیلی بجھوائی۔

سجاد ......عورت کا سہارا مضبوط سہارا نہیں ہوتا ، عورت تو خس و خاشاک کا ایک کمزور پیکر ہے ...... جسے خزاں کا کوئی بھی تیز و تند جھونکا اڑا کر گزر سکتا ہے۔ زلیخا نے عورت کی اوقات ظاہر کر دی۔

تم ہر پہلو کو تاریک نظر سے کیوں دیکھتی ہو۔ سجاد نے کہا۔

تمہیں معلوم تو ہے...... میری زندگی کا ہر پہلو تاریک ہے......اور ماضی میں یہی سزا بھگت چکی ہوں۔ وہ افسردہ ہو گئی۔ بھیانک ماضی کی سیاہ پرچھائیاں اس کے دلکش چہرے سے عیاں ہو رہی تھیں۔

پلیز زلیخا...... ماضی کریدنے کی ضرورت نہیں ......میری بات مان لو......وہ التجا آمیز لہجے میں بولا۔

دیکھو سجاد ...... میں حالات کی ستائی ہوئی عورت ہوں ...... میرے وجود پر معاشرے کی بدنامی کا انمٹ داغ پیوست ہو چکا ہے......وہ پژمردہ سی لگنے لگی......

زلیخا......میں تمہارے دکھ کو سمجھتا ہوں ...... یہ داغ جو تم کہہ رہی ہو مٹ جائے گا......لوگ کبھی نام بھی نہ لیں گے......سمجھ گئی نا......سجاد نے سمجھایا۔

میں پورے ہوش و حواس کے ساتھ تمہاری بات سمجھ رہی ہوں......اگر تمہارے گھر سے کسی طوفان نے جنم لیا تو۔ زلیخا کا اشارہ سجاد کی والدہ کی طرف تھا۔

تم امی کی بات کر رہی ہو......کیا وہ اس کرب سے نہیں گزریں...... بات اتنی ضرور بدل گئی کہ وہ ایک بیٹے کی ماں تھیں ......سجاد نے کہا۔

ہوں......وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

اگر تمہارے ساتھ بھی کسی بچے کا سہارا ہوتا تو میں تمہیں مجبور نہ کرتا......زلیخا خاموش بیٹھی میز پر پڑی نمک دان سے یونہی ٹیبل کور کریدتی رہی۔

زلیخا......وہ بولا۔

زلیخا جواب دو...... میرا خیال ہے کہ تم پھر بھی میری جان نہ چھوڑتے......زلیخا نے ہنس کر ماحول کو خوشگوار بنا دیا۔ اور سجاد قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

شاید تم ٹھیک ہی کہتی ہو۔ میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ ہال کے سامنے قد آدم کلاک کو دیکھ کر وہ چونک سی گئی۔

ارے نو بج گئے......سجاد بھی کھڑا ہو گیا۔

دونوں اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف رواں ہو گئے۔

☆

اماں اماں ...... کچھ نہیں ہوگا آپ کو ...... زلیخا نے بڑی محبت سے رقیہ بانو کو ساتھ لپٹا لیا ......

بیٹی! میں بیمار رہنے لگی ہوں ...... میرا دل اب قابو میں نہیں رہتا۔ رقیہ بانو نے زلیخا کے رخساروں پر اپنا کمزور بوڑھا ہاتھ رکھا۔

اچھا ...... ابا کو دیکھ کر دھڑکنے لگتا ہے ...... بے قابو ہو جاتا ہے۔ زلیخا ہنس دی۔

چل ہٹ شریر کہیں کی ...... ماں سے مسخری کرتی ہے۔ رقیہ بانو نے بڑی محبت سے زلیخا کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

دیکھو بیٹی ...... صائمہ اور رحیمہ اپنے گھروں کی ہو گئیں ...... جمیل بھی ماشاء اللہ ٹھیک ٹھاک ہے ...... اب میری جان تم میں اٹکی ہوئی ہے ...... رقیہ بانو نے آخری گھونٹ حلق سے اتار کر کپ واپس رکھ دیا۔

کیا مطلب؟ ...... وہ چونک گئی۔

تو بھی آباد ہو جا ...... ایسے حادثات تو ہوتے ہی رہتے ہیں ...... رقیہ بانو نے کہا۔

اماں ...... میں ٹھیک تو ہوں ...... خوش ہوں اس حالات میں ...... زلیخا بیٹھتے ہوئے مطمئن انداز میں بولی۔

ہمارے ہوتے ہوئے تو ٹھکانے لگ جا بیٹی ...... عورت کا گھر ہو ...... بڑی اچھی چیز ہے ...... ٹھکانہ تو پرندوں جانوروں کو بھی پیارا ہوتا ہے۔ رقیہ بانو نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

یہ ٹھکانہ ٹھیک ہے نا ...... آپ کے ساتھ اچھی گزر رہی ہے نا ...... وہ جھلا کر بولی۔

ہمارا کیا بھروسہ ...... کتنی دیر زندہ رہیں گے ...... تیرا باپ ہمہ وقت تیرے غم میں گھلتا رہتا ہے ...... اور میں ...... دل کی مریض ...... رقیہ بانو نے اپنا سرد ہاتھ زلیخا کے ہاتھ پر رکھا ......

پھر رقیہ بانو نے ٹھہر کر ایک لمبا سانس لیا ......

آپ لیٹ جائیں ...... زلیخا نے کہا۔

نہیں ...... تم میری بات کا جواب دو ...... رقیہ بانو نے کہا۔

کس بات کا جواب اماں ...... زلیخا حسب عادت مسکرا دی۔

شادی کر لو بیٹی ...... مرد کے بغیر عورت کی زندگی ناکام ہے میری بیٹی ...... کوڑیوں کے بھاؤ قیمت نہیں عورت کی ...... رقیہ بانو نے زلیخا کو رام کرنا چاہا۔

یہی تو ہمارے معاشرے کا المیہ ہے اماں ...... کہ مرد کو اتنا پاور فل بنا دیا ہے کہ عورت اس کے بغیر کسی کام کی نہیں ...... زلیخا نے کہا۔

یہ دستور قدرت ہے بیٹی ...... جب ہمارے مذہب میں عورت کے لئے دوسری شادی کی کوئی ممانعت نہیں تو تجھے کیوں انکار ہے۔ رقیہ بانو نے زلیخا کی آنکھوں میں جھانکا ...... جہاں صرف مایوسیاں ہی مایوسیاں تھیں۔

اماں ...... کون مجھ سے شادی کرے گا ...... اور پھر میری عمر ...... وہ آگے چپ سی ہو گئی۔

کچھ نہیں ہوا تیری عمر کو ...... ماشاء اللہ جوان جہان ہے ...... ایک مرتبہ ہاں تو کر ...... میری بچی ...... گھر بسا لے میری جان ...... رقیہ بانو نے بڑی عاجزی سے زلیخا کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں دبایا ...... اور ان کی آنکھوں میں روشنی سی پیدا ہو گئی ......

ضرور آپ کی نظر میں کوئی ہوگا ...... زلیخا ہنس دی۔

نظر میں کیوں ...... اپنا سجاد منتیں کرتا ہے ...... جان دیتا ہے تم پر ......

سجاد ...... وہ جیسے چلا کر بولی ......

ہاں ...... وہ ہر قیمت پر تم سے شادی کرنا چاہتا ہے ...... رقیہ بانو نے کہا۔

اور اس کی ماں کو جانتی ہیں آپ ...... زلیخا نے فوراً جواب دیا۔

جانتی ہوں ...... وہ اب ماں کے کنٹرول میں نہیں ہے ...... اپنا اچھا برا سمجھتا ہے ...... رقیہ بانو نے پھر زور دے کر کہا۔

اماں ...... چچی تو ہماری ہے نا ...... میں اس کی عادت سے بڑی خائف ہوں ...... زلیخا نے زہرہ بیگم کی عادت کو رقیہ بانو کے سامنے عیاں کر دیا۔

اس کی عادت کو گولی مارو ...... سجاد سمجھدار باہوش تو جوان ہے ...... پھر ٹر کا بچہ تو نہیں جو ماں کے اشاروں پر ناچے گا ...... تیرا ہم عمر ہے ...... رقیہ بانو نے چاروں طرف سے زلیخا کو اطمینان دلایا۔

اچھا اماں......سوچنے کا موقعہ تو دیجئے......زلیخا نے کہا۔

سوچو ضرور......لیکن جلدی......وہ خوشخبری سننے کے لئے پھر آئے گا۔رقیہ بانو نے کہا۔

کون سجاد......زلیخا نے کہا۔

ہاں بیٹی......تیرے باپ سے کہہ کر گیا ہے کہ چند دنوں میں پھر ایک چکر لگائے گا......تیرے باپ کا بھی یہی خیال ہے۔رقیہ بانو نے کہا۔

اماں......سجاد کا دماغ خراب تو نہیں۔کراچی سے لاہور کا طویل فاصلہ طے کرے گا......بہتر نہیں فون کر دے۔

ٹیلی فون پر ایسی باتیں نہیں ہوتیں......بہتر ہے کہ وہ خود آ جائے۔رقیہ بانو کھڑی ہوگئیں۔

اماں بیٹھ جائیں نا......زلیخا ان کے ساتھ ہی کھڑی ہوگئی۔

اب جاؤں گی......ایک گھنٹہ سانس درست کرنے میں لگے گا۔وہ آہستہ آہستہ زلیخا کے ساتھ چلنے لگیں۔

اماں......آپ اوپر نہ آیا کریں......میں آپ کے پاس آ جایا کروں گی......زلیخا نے رقیہ بانو کا دوپٹہ درست کیا۔

تو کہاں آتی ہے......کئی کئی دن میں تیری صورت دیکھنے کو ترس جاتی ہوں......وہ زلیخا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

نہیں اماں......میں آفس سے سیدھی آپ کے پاس آیا کروں گی۔وہ ماں کے ساتھ اترتے ہوئے بولی۔

وعدہ کرو......زلیخا کے ہاتھوں کو تھام کر بولیں۔

وعدہ......وہ ہنس کر رقیہ بانو کے ساتھ ہی ان کے کمرے کی طرف چل دی۔

سجاد لاہور سے سیدھا کراچی پہنچا......یہ اس کے لئے بڑی خوش آئین بات تھی کہ کرامت علی نے زلیخا کی شادی کی حامی بھرلی تھی اور سجاد نے اپنی والدہ طاہرہ سے بات کی۔

امی جان......تایا کرامت راضی ہوگئے ہیں شادی کے لئے......وہ سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

تم خوش تو یوں ہو رہے ہو جیسے زلیخا کوئی اٹھارہ سالہ دوشیزہ ہو......طاہرہ کے لہجے میں نفرت کا عنصر پایا جاتا تھا۔

کیا کہہ رہی ہیں آپ......سجاد کو حیرت ہوئی۔

میں غلط نہیں کہہ رہی......انہیں اور کیا چاہئے......ان کی بیوہ لڑکی کو اچھا بھلا لڑکا مل رہا ہے جسے اپنی ماں کی پرواہ ہی نہیں۔آخر میں طاہرہ بیگم نے طنزاً کہا۔

پرواہ کیوں نہیں امی جان......آپ سے پوچھا تھا میں نے......سجاد حیران رہ گیا۔

تم نے یہ کہا تھا کہ میں صائمہ کی شادی پر جا رہا ہوں......یہ نہیں کہا تھا کہ اپنی شادی کی بات بھی پکی کر کے آؤں گا۔وہ جان بوجھ کے بات کو بدل کر بولیں۔

بات کہاں پکی ہوئی ہے امی......ابھی تو صرف تایا ابا سے بات کی ہے......اور وہ مان گئے ہیں......اب زلیخا کی رضامندی لینا باقی ہے۔وہ کھڑا ہو گیا۔

مجھے حیرت ہے اس بات کی کہ اتنے اچھے اچھے رشتے آئے......تجھے کوئی لڑکی پسند نہیں آئی......افضال صاحب کی بیٹی لاکھوں میں ایک تھی۔حسن میں بھی اور دولت میں بھی......نہیں وہ پسند نہیں آئی۔نہ جانے زلیخا کو کونسے چاند تارے جڑے ہوئے ہیں......وہ غصّے میں بولیں۔

نہ جانے کیوں زلیخا کے بغیر دل کہیں ٹھہرتا ہی نہیں۔وہ جیسے مجبور نظر آ رہا تھا۔

تمہارا دماغ چل گیا ہے......تمہیں اچھے برے کی پہچان ختم ہوگئی ہے۔ویسے بھی وہ بہت تنخواہ لے رہی ہے۔طاہرہ بیگم نے کہا۔بیٹے کو دیکھ کر ان کی نگاہیں بھی چمک اٹھیں۔

امی جان......دیکھیں نا......زلیخا ایک بہت بڑی فرم میں ملازمت کرتی ہے۔وہ ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے......ایسی بیوی کی حلقے میں بڑی عزت ہوتی ہے......بلکہ اس کے شوہر کو بھی رشک سے دیکھتے ہیں۔سجاد نے ماں کو مرعوب کرنا چاہا۔

اچھا......تو اس کے عہدے کا بھوکا ہے......اگر اس نے تجھے جوتی کے نیچے رکھا تو......طاہرہ بیگم نے آئندہ کی بات گوش گزار کی۔

ارے نہیں اماں......ایسی بات نہیں ہے......وہ بڑی مودب اور بااخلاق ہے اور زلیخا......سب کے لئے اچھی بہو ثابت ہوگی......سجاد نے طاہرہ بیگم کے قریب جا کر کہا۔

خیر......تم نے ابھی پھولوں کے منظر دیکھے ہیں......وہ آہستہ سے کہہ کر باہر نکل گئیں۔

My dear Mama......کیا معلوم......میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہوں......سجاد نے بھرپور مسرت کے ساتھ دونوں ہاتھوں کے مکوں کو ہوا میں گھمایا اور خود

کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسے پورا یقین تھا کہ زلیخا مان جائیگی۔ ان حالات میں زلیخا اس کی اہم ضرورت تھی۔ عزت اور شہرت اور پھر اعلیٰ ملازمت......وہ دیکھ چکا تھا کہ کمپنی اس سے کس قدر خوش تھی......عنقریب اس کی ترقی ہونے والی تھی......وہ زلیخا کو ہر لحاظ سے مکمل اور ایک اچھی بیوی تصور کر رہا تھا......اسے یہ علم نہیں تھا کہ آج کل زلیخا کس اذیت سے گزری رہی تھی......گزرے لمحات کی یاد اس کے ذہن کی سلیٹ پر کھد چکی تھی......نذیر جس قسم کا بھی نوجوان تھا......لیکن اس میں گوناگوں بے شمار خوبیاں پائی جاتی تھیں......اس قدر برے ماحول میں پرورش پانے کے باوجود اس کی عادات کسی شاہی خاندان کے پرداخت شدہ نوجوان سے مشابہ تھیں......وہ جتنا عرصہ بھی اس کے ساتھ رہی......نذیر نے اس کے احترام میں کمی نہیں آنے دی......وہ اپنے آپ کو زلیخا سے کمتر سمجھتا تھا......یا اسے یہ احساس کمتری تھا کہ زلیخا تعلیم یافتہ ہے......اور وہ جس نے سکول کی صورت بھی نہ دیکھی تھی......ماں کی معمولی آمدنی میں تعفن شدہ ماحول میں پلنے والا نوجوان زلیخا کا شوہر ہوگا......زلیخا نے تڑپ کر پہلو بدلا۔

جب ڈاکٹر وارثی نے نذیر کی رپورٹ دیکھنے کے بعد کہا۔

مجھے افسوس ہے مس زلیخا......نذیر صاحب کبھی باپ نہیں بن سکیں گے......نذیر نے یوں تڑپ کر زلیخا کی طرف دیکھا......جیسے آسمان نے اس کو زمین پر پٹخ دیا ہو......اور اس کے ٹکڑے ساری کائنات پر ریزہ ریزہ بکھر گئے ہوں......زلیخا......

نذیر نے زلیخا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا......اب کیا ہوگا......وہ جیسے ڈوبتی سانس کو قابو میں لاتے بولا۔

کیا ہوگا......کچھ بھی نہیں......اولاد کے بغیر لوگ زندہ نہیں رہتے کیا......خودکشی کر لیتے ہیں......

Good......مس زلیخا انسان کو اتنا ہی مضبوط ہونا چاہئے......ڈاکٹر وارثی نے بھرپور مسرت کا اظہار کیا۔

چلو کسی ہوٹل میں لنچ کرتے ہیں......پھر چلیں گے گھر......زلیخا نے کھڑے ہوتے اپنے بیگ کو کندھے پر رکھا۔

نذیر اٹھو نا......زلیخا نے نذیر کا شانہ ہلایا۔

ہاں......اچھا......نذیر ایک دم افسردہ سا کھڑا ہوگیا۔

نذیر صاحب آپ کا ساتھی اچھا ہے......زندگی اچھی گزر جائیگی۔ ڈاکٹر وارثی نے کھڑے ر نذیر کے شانے پر تھپکی دی۔

انشاء اللہ......زلیخا نے پوری چاہت و محبت سے مسکرا کر کہا۔

اور......دونوں ہسپتال سے باہر نکل گئے۔

زلیخا......نذیر نے ٹیکسی سے اتر کر زلیخا سے کہا۔

ہوں! کیا ہے......زلیخا نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور چلتے چلتے بولی۔

تم مجھے چھوڑ تو نہ دو گی۔

دونوں خوبصورت میز کے گرد بیٹھ گئے۔

کیا کہا......ذرا پھر سے کہو۔ زلیخا جھک کر شریر انداز میں بولی۔

یہی غم میری جان لیلے گا کہ تم چھوڑ تو نہ دو گی۔ نذیر نے میز پر خوامخواہ انگلی چلاتے ئے کہا۔

تم تو پاگل ہو......صرف اولاد کیلئے میں تمہیں چھوڑ دوں گی......جس کا اختیار صرف خدا کے ں ہے......تمہارا کیا دوش ہے......وہ ہنس دی۔

تمہیں تو اولاد کی ضرورت ہے نا......وہ کسی گہری کھائی سے بولا......یا اس کی آواز حلق ے چپک گئی ہو۔

مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے......اور تم میرے لئے اتنے اہم ہو جس طرح سینے میں چلتی ئی سانس......تم میری زندگی ہو نذیر......زلیخا نے بڑی محبت سے نذیر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دیا۔

سچ......نذیر کے کانوں میں شہنائیاں سی بجنے لگیں......اس کا اختیار ہوتا تو وہ زلیخا کو اپنے سانسوں میں تحلیل کر لیتا۔ وہ اسے اپنے جسم میں گردش کرتے خون کی طرح محسوس ہوئی۔

بالکل سچ......اور میرا گواہ خدا ہے......میں تمہیں تنہا کبھی نہیں چھوڑ سکتی......بیرے نے میز پر رکھا۔

کیا پسند کرو گے۔ زلیخا نے نذیر سے کہا۔

نہیں معلوم تو ہے مجھے کیا پسند ہے۔ نذیر نے مسکرا کر کہا۔

ہاں اچھا......زلیخا نے ہنستے ہوئے چکن روسٹ پر نشان لگایا......

بیرے نے کارڈ اٹھایا اور واپس پلٹا......

سنو......زلیخا نے دوبارہ آواز دی۔

کھانے کے بعد کافی دو کپ......

Ok Madom......بیرا کہتے ہوئے چلا گیا۔

بڑے ہی سکون اور آرام سے دونوں نے کھانا کھایا......وہ کھانا بھی کھاتے رہے اور باتیں بھی کرتے رہے......بیرا برتن اٹھا کر لے گیا اور کافی کے دو کپ چھوڑ گیا۔

Yes Madom......وہ پلٹا......

ایک پلیٹ بھنا ہوا گوشت اور دو چپاتی پیک کروا دینا۔ زلیخا نے کہا۔

ابھی لایا سرکار......بیرا چلا گیا۔

اماں کے لئے......نذیر نے احسان مند نگاہوں سے زلیخا کی طرف دیکھا۔

ہاں......بھنا ہوا اماں آسانی سے کھا لیتی ہے......کافی جا کے بنا دیں گے۔ زلیخا نے بل نکال کر میز پر رکھا۔

تمہیں اماں یاد تھی۔ نذیر نے کہا۔

مجھے کسی وقت کسی لمحے تم لوگ کبھی نہیں بھولے......بلکہ اماں تو زیادہ یاد رہتی ہے......وہ ماں ہے میری......

وہ کیوں......کیوں یاد رہتی ہے تمہیں......نذیر چونک گیا۔

اس کے بیٹے سے میری شادی جو ہوئی ہے......اس کا بیٹا جیون ساتھی ہے میرا۔ وہ ہنس دی۔

اور نذیر بھی ہنس دیا۔

نذیر نے شاپنگ بیگ پکڑا اور دونوں کھڑے ہو گئے۔

شام ہوتے ہوتے ابھی کچھ ہی لمحے باقی تھے......ٹیکسی رکی......

دولاں نے بھاگ کر دروازے کو ایک دم کھولا۔

بچی اتنی دیر......ماں صدقے......تم ٹھیک ہو نا دونوں......دولاں محبت سے زلیخا کے بازوؤں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

اماں ہم ٹھیک ہیں......بس ڈاکٹر کے ہاں دیر ہو گئی......زلیخا نے دولاں کو ساتھ لپٹا لیا۔

اس نے کیا کہا۔ دولاں نے نذیر کے چہرے کی طرف دیکھا جو زبردستی مسکرا رہا تھا۔

ب ٹھیک ہے اماں......اللہ کرم کرے گا۔ زلیخا نے دولاں کو تسلی دی۔

لو اماں روٹی کھاؤ......نذیر نے پیکٹ دولاں کے ہاتھ پر رکھا۔

یہ کیا ہے؟ دولاں ہنس بھی دی اور حیران بھی۔

اماں ہم ہوٹل سے کھانا کھا آئے ہیں......یہ تمہارے لئے ہے۔ زلیخا نے جھک کر محبت سے کہا۔

تینوں سامنے کمرے میں آ گئے۔

لو اماں پلیٹ میں رکھو......اور یہ پانی کا گلاس......آرام سے کھاؤ......میں کھانے کے بعد کافی بنا دوں گی......زلیخا تھکے تھکے انداز میں پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

نہ دلہن......مجھے نہیں اچھی لگتی یہ کالی کالی کافی......چائے بنا دینا زیادہ دودھ ڈال کے......

اچھا......دولاں نے زبردست نفرت کا اظہار کیا۔

اچھا اماں......نذیر اور زلیخا دونوں ہنس دیئے۔

زلیخا......نذیر نے اٹھتے ہوئے جاتی زلیخا کو پکارا۔

تم لباس تبدیل کر کے لیٹ جاؤ......اماں کے لئے میں چائے بنا لوں گا۔ نذیر نے کہا۔

کیوں؟......زلیخا واپس ہوئی۔

تھک گئی ہو گی۔ نذیر نے کہا۔

تم بھی تو میرے ساتھ تھے......تم لیٹ جاؤ......اور پھر تم خانساماں بنتے اچھے لگو گے۔ زلیخا ہنس کر بولی۔

تمہاری خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ نذیر نے کہا۔

اف اللہ......اماں......نذیر پاگل تو نہیں ہو گیا......اس کی خدمت کرنا میرا فرض ہے یا اس کا......زلیخا حیرت سے ہنستی ہوئی واپس آئی۔

کوئی بات نہیں میری بچی......اس کا بھی فرض بنے......تو کما کے لاتی ہے......یہ تھوڑا بہت کام کرے گا تو کچھ نہیں ہو گا......

اماں تم نے ہمیشہ اپنی بہو کی حمایت کی ہے۔ نذیر پلنگ پر بیٹھتے گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بولا۔

سب اسی کے دم سے ہے لڑکے......یہ آج اس بستر پر بیٹھ کر بھنا ہوا گوشت کھا رہی ہوں اسی کی وجہ سے ہے......ورنہ روکھی سوکھی روٹی تو اب چبائی بھی نہ جاتی۔ حسبِ عادت دولاں

نے آنکھیں صاف کیں......اور تشکر آمیز نگاہوں سے اوپر دیکھا......

اماں ...... یہ میرا کمال نہیں ہے...... میرے وسیلے سے خدا نے تمہیں سب کچھ دینا تھا......

یہ خدا کی طرف سے ہے......خدا نے تمہیں اس قابل سمجھا...... پاس بیٹھ کر زلیخا نے کسی معصوم بچے کی طرح دولاں کو ساتھ لپٹا لیا۔

جگ جگ جیو میری بچی......سدا سہاگن رہو......میں تو کہتی ہوں......تو مقدر والا ہے جسے اس جیسی بیوی ملی......ورنہ اتنا پڑھی لکھی بیویاں تو ان پڑھ شوہروں کے کھنے اکھیڑ دیتی ہیں

......دولاں نے پانی کا گلاس ہونٹوں کو لگایا......اور ہاتھ سیدھا نذیر کی طرف نچایا۔

نذیر اور زلیخا فلک شگاف قہقہہ لگا کر ہنس دیئے......کچھ دولاں کا انداز بھی اس قدر مضحکہ خیز تھا......بعد میں دولاں خود بھی ہنس دی......

دیکھ لے زلیخا......اماں کیا کہہ رہی ہے......نذیر ہنستے ہوئے بولا۔

کوئی بات نہیں ماں ہے......سارے جہانوں سے افضل۔ زلیخا نے خالی برتن دولاں کے سامنے سے اٹھا لئے۔

چائے بناؤں اماں......وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

ہاں میری بچی......میں ہاتھ دھو آؤں......دولاں اٹھتے ہوئے بولی۔

زلیخا......اپنے لئے بھی بنا لینا......اماں کی باتوں میں چائے کی طلب ہونے لگی۔ نذیر نے کہا۔

ٹھیک ہے......اب چائے پیتے ہیں......وہ چائے بنانے کچن میں چل دی۔

وہ پوری طرح دائرہ خیالات میں آ چکی تھی۔ ایک دن وہ آفس جانے لگی۔

اماں......خیال رکھنا......نذیر باہر نہ جائے۔ وہ جاتے جاتے بولی۔

بے فکر ہو کر جاؤ زلیخا......مجھے کوئی شوق نہیں ہے باہر جانے کا......اندر وی سی آر پر اپنی سند کی فلم لگاتے ہوئے بلند آواز سے بولا۔

Thank You Nazir......شکریہ نذیر۔ وہ باہر نکل گئی۔

ایک دن ابا اس کے گھر آئے......وہ آفس سے تھکی ہاری گھر میں داخل ہوئی ہی تھی کہ نذیر اس کے لئے ٹھنڈے پانی کا گلاس لے آیا۔

میں لے آتی......کیوں شرمندہ کرتے ہو......زلیخا نے گلاس پکڑتے ہوئے کہا۔

کیا ہوا......تم تھکی ہوئی آئی ہو......میں تو فارغ گھر میں رہتا ہوں۔ نذیر کرامت علی کے ...ہنستے ہوئے بولا۔

...کوئی بات نہیں بیٹی......میاں بیوی میں محبت پیار چاہت کا رشتہ ہونا چاہئے۔ تم نذیر کا خیال ...نذیر تمہارا رکھے......کرامت علی مسرت محسوس کر رہے تھے۔

ابا......زلیخا مجھے کچھ نہیں کرنے دیتی......نذیر نے کہا۔

بھائی جی......کماؤ بیٹی ہے......اس کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ دولاں نے کہا۔

اور سن لو ابا......زلیخا ہنس دی......اس کے ساتھ کرامت علی بھی دولاں کی سادگی پر مسکرا دیئے۔

میرا خیال ہے بیٹی نذیر کو ہلکا پھلکا سٹور کھول دو......کام بھی کرے گا اور اس کا دل بھی بہل جائے گا۔ کرامت علی نے کہا۔

دل بہل گیا ہے ابا......اتنی اچھی لڑکی میرے نام کر دی......البتہ کام کروں گا۔ نذیر نے بڑی محبت سے زلیخا کے متبسم چہرے کو دیکھا۔

بڑی مشکل سے ظالموں کے چکر سے نکلا ہے......میں چاہتی ہوں کچھ اور وقت گزر جائے ......ویسے نذیر سمجھ دار ہے ابا......زلیخا نے نذیر کی طرف دیکھا۔

ہاں ابا......جیسے زلیخا چاہے......ویسا ہی کروں گا......میں تو اس کی مرضی کا طالع ہوں۔ نذیر ہنستے ہوئے بولا۔

خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔ کرامت علی نے بیٹی کو خوش دیکھ کر کہا۔

ایک مرتبہ وہ رقیہ بانو کے پاس بیٹھی تھی۔ رقیہ بانو نے کہا۔

زلیخا......تو نذیر کو کوئی کام کیوں نہیں کرنے دیتی......ہٹا کٹا مفت کی روٹیاں توڑ رہا ہے بیٹھ ......

اور کیا باجی......دونوں ماں بیٹا تمہاری کمائی پر عیش کر رہے ہیں۔ صائمہ نے ناک چڑھا کر کہا۔

اماں تو بیچاری بوڑھی اور کمزور ہے......اس کی خدمت کرنا تو میرا فرض ہے نا۔ زلیخا نے کہا۔

رقیہ بانو جھلا سی گئیں......

نام پر تو آج لگا دوں......لیکن میں ابھی چاہتی نہیں۔

کیوں نہیں چاہتی......بڑا شوق ہے تمہیں درباری کبوتر کی طرح چوگا ڈالنے کا۔ رقیہ بانو

نے حسب عادت ہاتھ ہوا میں لہرایا۔

اماں آپ کو معلوم ہے نا نذیر کے پیچھے لوگ لگے ہوئے ہیں......انہوں نے ہی نذیر کو نشے کا عادی بنا دیا تھا......زلیخا سنجیدہ سی ہوگئی۔

آپا......اب تو بھائی نذیر نشہ نہیں کرتے......صائمہ ایک دم سے بولی۔

نہیں اللہ کا شکر ہے......علاج ہو رہا ہے......عادت ختم ہوگئی ہے......باہر تو اب بالکل نہیں جاتا......زلیخا نے اطمینان کا سانس لیا۔

اچھا بیٹی......تم خوش رہو......آخر ایک دن کام کرے گا ہی نا......تمہارے سر پر سلامت رہے۔رقیہ بانو نے زلیخا کے پرسکون چہرے کو دیکھ کر کہا۔

آپا......تمہارا صبر بے مثال ہے۔صائمہ نے کہا۔

خدا اس صبر کا اجر دے میری بیٹی کو۔رقیہ بانو نے دعا۔

لق و دق صحرا......ریت کا ایک طوفان......دور تک غبار ہی غبار......وہ پکارتی رہی۔نذر رک جاؤ......نذیر.کو......نذیر اس سے ہاتھ چھڑا کر غبار میں گم ہوگیا۔وہ اس غبار میں بھاگتے بھاگتے تھک گئی......جب سانسوں کا تسلسل بے قابو ہوگیا تو وہ بری طرح سے گری اور پاش پاش ہوگئی......نذیر......وہ چلائی......اور اسے شاہدہ نے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

زلیخا......زلیخا......ہوش کرو......لو پانی پیو......شاہدہ نے گلاس جگ سے بھرا اور زلیخا کو پکڑا دیا۔

وہ ایک ہی سانس میں گلاس یوں اپنے اندر انڈیل گئی جیسے اندر کے الاؤ کو بجھانا چاہتی ہو......لیکن یہ الاؤ اب بھی اس کا سینہ جلا رہا تھا۔

کیا ہوگیا ہے تمہیں......ڈر گئی ہو......خواب دیکھا ہے۔شاہدہ نے اس کو ساتھ لگا لیا۔

بھابی......نذیر صحرا کے گرد و غبار میں کھو گیا ہے......بہت کوشش کرتی ہوں وہ میرے ہاتھ آ جائے......وہ دور چلا گیا ہے......تجسس آمیز نظروں سے شاہدہ کو دیکھتی رہی......اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

پگلی......نذیر کیسے تمہارے ہاتھ آ سکتا ہے......وہ ایسی جگہ چلا گیا ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آ سکتا......شاہدہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

کہاں چلے جاتے ہیں یہ جانے والے......واپس کیوں نہیں آتے......پسینے سے شرابور چہرہ

نے اپنے قریب رکھے تولیے سے صاف کیا۔

بیٹی اتنی دیر لگا دی تم نے......دن کے نو بج گئے......کرامت علی ہانپتے ہوئے اندر ہوئے۔

......زلیخا خواب میں ڈر گئی ہے۔شاہدہ نے کہا۔

......ڈر گئی ہے......میری بچی......کیا ہوا......کرامت علی نے ساتھ لگا لیا۔

ابا......بس یونہی......ابھی تک اس کا پسینہ خشک نہیں ہو رہا تھا......

بچے......تمہاری ماں بلا رہی ہے......ناشتہ کرو......میں تو سوچ رہا تھا کہ اتوار ہے ذرا آرام کر لے......کرامت علی نے اس کے سر پر آنچل اڑا دیا۔

......وہ پریشان سی کرامت علی کو دیکھنے لگی......

شاہدہ بیٹی......اسے لے چلو......میں آ رہا ہوں......

ہوا میری بچی کو۔رقیہ بانو پریشان بستر سے اٹھیں۔

تے میں ڈر گئی ہے......زلیخا کو دم کر دو......کرامت علی نے کہا۔

ادھر بیٹھو......کوئی دشمن ہو گیا ہوگا......رقیہ بانو آنکھیں بند کرتے پڑھنے لگیں۔

ناشتہ لگاؤ۔کرامت علی نے شاہدہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

......شاہدہ کچن میں چلی گئی۔

ہوش زلیخا کو ساتھ لگا کر بیٹھے رہے

نو نے پھونک ماری اور بڑی محبت سے زلیخا کو آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ لپٹا لیا۔

زلیخا کی ماں......بات سوچ سمجھ کر کیا کرو۔کرامت علی نے کہا۔

میں نے کیا کہہ دیا۔رقیہ بانو نے انگلی ہونٹوں پر رکھتے ہوئے لاعلمی کا اظہار کیا۔

کے سامنے کوئی بات نہ کرو......جس سے اس کا دِل برا ہوا۔کرامت نے مسکرا کر کہا۔

ب بھی خاموش بیٹھی تھی۔

کچھ نہیں کہا۔رقیہ بانو حیرت سے بولیں۔

جادو ٹونہ......کوئی بات گھر میں مت کرو......اس طرح وہ خیال کرے گی کہ شاید ہو رہا ہے۔وہ سمجھانے لگے۔

......آپ بھی بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں......میرا کوئی یہ مطلب تھا رقیہ بانو نے

زلیخا کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

خیر چھوڑو......وہ شاہدہ کو اندر آتے دیکھ کر بولے۔

ابا ناشتہ لگا دیا ہے۔شاہدہ نے کہا۔

آؤ زلیخا......وہ زلیخا کو اٹھاتے ہوئے بولے

دل نہیں چاہ رہا ابا......

کیوں نہیں چاہ رہا......وہ محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا کر پچکارنے لگے۔

دلہن نے تمہارے لئے دہی پھلکیاں بنائی ہیں۔رقیہ بانو کھڑے ہو کر ہنس دیں۔

ہاں زلیخا......بڑے مزے کی بنی ہیں......ذرا کھا کر دیکھنا......شاہدہ نے میز پر ڈونگا رکھتے خوش دلی سے زلیخا سے کہا۔

زلیخا مسکرا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

بڑے ہی اچھے ماحول میں ناشتہ ختم ہوا......رقیہ بانو نے محسوس کیا تھا کہ صائمہ کے بعد شاہدہ کو گھر کا سارا کام کرنا پڑتا ہے۔لیکن اب وہ ناگواری کا اظہار نہیں کرتی تھی......

دلہن......رقیہ بانو نے کچھ سوچ کر کہا۔

جی اماں......شاہدہ برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔

صائمہ کی شادی پر وہ کون عورت تھی کام کرنے والی......نام ہی بھول گیا......رقیہ بانو سوچنے کے انداز میں ذہن پر زور دیا۔

گلزاراں......شاہدہ نے ایک دم ہنس کر کہا۔

ہاں ہاں گلزاراں کی بیٹی ہے نا شکیلہ۔رقیہ بانو ایک دم سے بولیں۔

اسے کیا ہوا......شاہدہ حیرت سے بولی۔

اس موئے ہاشو نے طلاق دیدی ہے اُس کو......اب وہ بچی کے ساتھ ماں کے پاس آگئی ہے۔رقیہ بانو کو بڑا افسوس ہوا۔

اف اللہ......اماں......وہ لڑکی تو بڑی اچھی ہے۔زلیخا کو ایک عرصہ پہلے کی شکیلہ نظر آنے لگی......جب بھی وہ قائدہ لے کر زلیخا کے پاس پڑھنے آتی تھی۔

مقدر اچھے نہیں تھے بیچاری کے......آفیم کھاتا تھا......نشے کے لئے شکیلا کا بندا جا کر اونے پونے بیچ آیا......رقیہ بانو کہتے کہتے چپ ہو گئیں۔

جھگڑا ہو گیا ہوگا۔شاہدہ نے کہا۔

بس جھگڑا بھی کیا......مارا پیٹا بھی......اور طلاق دے کر ماں کے گھر بھیج دیا۔

زلیخا خاموش دیکھتی رہی......شاہدہ نے بھی افسوس ناک صورت بنا کر میز کو صاف کیا۔

اماں بندے کا کیا تھا......نہ کرتی جھگڑا۔زلیخا نے کہا۔

تمہارے جیسا حوصلہ کہاں سے لاتی......پھر وہ غریب بھی بہت تھی نا......شاہدہ نے ذرا کہا۔

یہ غریبی امیری کی بات نہیں بھابی......اگر مصالحت کرنا ہو تو حوصلہ کرنا پڑتا ہے......پاکستانی عورت کا یہی تو المیہ ہے......زلیخا کے چہرے پر حد درجہ افسردگی مترشح تھی۔

تم نے تو دو تولے لاکٹ پر صبر کر لیا تھا......میں تو کہتی ہوں میری زلیخا جیسی کوئی لڑکی ہو ہی نہیں سکتی۔صابر اور شاکر......رقیہ بانو نے زلیخا کو ساتھ لگا لیا۔

واقعی اماں! زلیخا بڑی حوصلے والی ہے۔شاہدہ نے باہر والے دروازے کی طرف دیکھا۔

نذیر بھی بہت اچھا تھا......مار پیٹ تو کیا......وہ تو مجھ سے اونچی آواز میں نہیں بولتا تھا......بڑے ادب سے بات کرتا تھا......زلیخا کو نذیر شدت سے یاد آنے لگا۔

ہاں......یہ تو ہے۔عادت کا بڑا اچھا تھا......رقیہ بانو نے کہا۔

شکیلہ کو کیا کہنا تھا اماں......شاہدہ نے کہا۔

اسے میں نے کام کے لئے کہنا تھا کہ ہمارے ہاں کام کر جایا کرے......رقیہ بانو نے کہا۔

رہنے دیجئے اماں......کام تو ہو جاتا ہے......شاہدہ نے کہا۔

نہیں بیٹی......تیرے بچے ہیں......تو نے اپنا بچوں کا بھی کام کرنا......سارے گھر کا ٹھیکہ نہیں لیا تم نے......رقیہ بانو نے سانس درست کیا۔

زلیخا بھی نہیں ہے......پہلے تو مل کے صائمہ اور بھابی کر لیتی تھیں......زلیخا نے مسکرا کر کہا۔

پیسے بہت مانگے گی۔شاہدہ نے کہا۔

پیسوں کا فکر نہ کرو بھابی......میں دے دیا کروں گی......میرا بھی تو اس گھر پر حق ہے۔زلیخا نے محبت سے شاہدہ کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

جگ جگ جیو میری بہن......تم تو پہلے ہی بچوں پر اتنا زیادہ خرچ کر دیتی ہو۔شاہدہ نے زلیخا کو ساتھ لگا لیا۔

بھابی ...... بچے میرے اپنے بچے ہیں ...... بھائی کے بچے غیر تو نہیں ہوتے۔ زلیخا نے اپنائیت سے کہا۔

کوئی سمجھے تو......شاہدہ نے ہنس کر کہا۔

دلہن ......شکیلہ کی تنخواہ کی تم فکر نہ کرو......تمہارا باپ کہتا تھا میں ایک دکان کے کرایہ میں سے اس کو دے دیا کروں گا...... چھ سات سو نکل ہی آئیگا......تین ہزار کرایہ ہے ایک دکان کا ......رقیہ بانو نے کا۔

اماں......اتنے پیسے......رہنے دیجئے...... میں کرلوں گی......شاہدہ کی جیسے جان ہی نکل گئی اتنے پیسے سن کر......

اماں ......دکانوں کی رقم کو رہنے دیجئے......ابا کے اور بھی بڑے خرچ ہیں ...... دوائیوں کا اس قدر خرچ ہو جاتا ہے......شکیلہ کو کہئے گا صبح سے شام تک رہے ...... میں آٹھ سو دے دیا کروں۔ زلیخا اٹھتے ہوئے بولی۔

زلیخا......تمہارا فرض تو نہیں بنتا......شاہدہ نے کہا۔

کیوں نہیں بھابی......تم سب لوگ میرے ہو......میرا فرض کیوں نہیں بنتا۔ زلیخا نے کہا۔

بیٹی کل کلاں کو تم نے اپنے گھر بھی جانا ہے......رقیہ بانو نے اسے یاد دلایا۔

اماں......اب کونسا گھر...... میں جیسی ہوں ویسی ہی رہنے دو۔ زلیخا بولی۔

نہیں نہیں بیٹی......میرے دم کا اب کوئی بھروسا نہیں...... مجھے تمہارا اب گھر ضرور آباد کرنا ہے......رقیہ بانو بڑے جوش سے اونچی آواز میں ایک ہی سانس میں بولیں۔

اچھا اچھا......آپ ریلیکس......دیکھا پھر سانس تیز آنے لگا۔ زلیخا نے کہا۔

یہ لو زلیخا......ہیلر لگا دو اماں کو......شاہدہ بھاگ کر رقیہ بانو کے کمرے سے ہیلر لے آئی۔

دوسرے دن آفس میں زلیخا نے نثار صاحب کو بلایا۔

حاضر ہوسکتا ہوں۔ نثار صاحب کیبن کے دروازے پر آ کر خوش دلی سے بولے۔

آیئے آیئے نثار صاحب ...... بیٹھیے......وہ خوش آمدانہ انداز میں سامنے کرسی کی طرف اشارہ کرتے بولی۔

Thank You......مسکراتے ہوئے بولے۔

آپ کو ایک بہت ضروری مشورے کے لئے بلایا ہے۔ زلیخا نے پیپر ویٹ کو گھما کر کہا۔

آپ خود بہت زیرک اور فہم و ادراک کی مالک ہیں۔ نثار صاحب نے کہا۔

نہیں نثار صاحب ...... میں آپ کی قائل ہو چکی ہوں ......آپ نے جس سمجھ داری سے میرے چند ایک مسائل کو حل کیا ہے......اس کی مثال نہیں ملتی۔ زلیخا نے بھرپور تعریف کی۔

یہ تو آپ کی ذرہ نوازی ہے......ورنہ میں ایک......نثار صاحب بولے۔

ارے نہیں نثار صاحب ...... آپ کسر نفسی سے کام لے رہے ہیں۔ زلیخا نے بات کاٹ دی۔

یہ آپ کی محبت اور نیک نیتی ہے مس زلیخا......نثار صاحب نے کہا۔

زلیخا نے نثار صاحب کی طرف بڑی اپنائیت سے دیکھا۔

فرمایئے......نثار صاحب نے ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھی۔

نثار صاحب! دنیا اب جینے نہیں دیتی۔ وہ مجبوری لگنے لگی۔

اب دنیا کو کیا تکلیف ہے۔ نثار صاحب نے کہا۔

گھر والے اور باہر والے......سب اس بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ میں شادی کرلوں ......میں زندگی کا تنہا سفر نہیں کاٹ سکتی......زلیخا نے نثار صاحب کو اچھی طرح گوش گزار کیا۔

بات تو ٹھیک ہے مس زلیخا...... ہمارے معاشرے میں ایک نوجوان لڑکی کا تنہا رہنا اچھا نہیں سمجھا جاتا......نثار صاحب نے کہا۔

مگر کیوں......سوچئے ذرا......ایسا کیوں ہے......وہ آگے کی طرف منہ کر کے بولی۔

اس لئے کہ عورت کا بغیر سہارے کے رہنا ناممکن ہے...... پھر والدین تا عمر ساتھ نہیں دے سکتے......

سہارا......مرد کا یا دولت کا......وہ سوالیہ انداز میں بولی۔

ان سہاروں کی عورت کو ضرورت ہے مس زلیخا......یہ تو خدا کا لاکھ شکر ہے کہ آپ اپنے پیروں پر کھڑی ہیں......مسئلہ روزگار کی پریشانی نہیں آپ کو......

سب سے بڑی بات ہے......نثار صاحب......لیکن اماں ابا کو کون سمجھائے......

نثار صاحب ایک مرتبہ میرے پاس اسی سلسلے میں آئے تھے......وہ آپ کے لئے پریشان ہیں......

ابا نے ضرور آپ سے بات کی ہوگی۔ زلیخا چونک گئی۔

کی تھی......اور مجھے یہ بھی کہا کہ آپ کو مجبور کروں شادی کے لئے......اتنا کہنے کے بعد نثار صاحب خاموش ہو گئے۔

پھر......زلیخا بولی۔

نہ جانے کیوں میں آپ سے بات ہی نہیں کر سکا......میں خود دو جوان بیٹیوں کا باپ ہوں......کس طرح اپنے منہ سے یہ بات کرتا......

نثار صاحب نے ملازم سے دو کپ کافی کے پکڑے......

کیا کروں......مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتا......وہ سٹپٹا سی گئی۔

میری تو باپ کی حیثیت سے یہی مرضی ہے کہ آپ کرامت صاحب کی بات مان لیں۔ نثار صاحب نے مشورہ دیا۔

جی......زلیخا نے صرف جی پر اکتفا کیا۔

ہاں جی......تاکہ وہ اپنے دل پر جو بوجھ لے کر پھر رہے ہیں۔ اس سے نجات حاصل کر سکیں۔

میڈم......آپ کو ایم ڈی صاحب بلا رہے ہیں۔ ملازم نے آ کر کہا۔

آ رہی ہوں......

غور کیجئے گا......اللہ کرے آپ خوش رہیں......نثار صاحب بھی کھڑے ہو گئے۔

اچھا آپ دعا کیا کریں......

وہ چند ضرور کاغذات لے کر بڑے صاحب کے کمرے میں چل دی۔

آپ بات مان لیجئے۔ وہ کہتے ہوئے واپس اپنی جگہ پر چل دیئے۔

حالات کا پانسہ پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ رقیہ بانو کی بیماری بڑھتی گئی اور وہ مسلسل چارپائی کی ہو سے لگ گئیں......اور ایک دن وہ سب کو روتا تڑپتا چھوڑ کر دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرما گئیں......رقیہ بانو کی موت کا صرف اہل خانہ کو ہی نہیں برادری اور اہل محلہ کو بھی بہت دکھ ہوا......یہ ایک ایسا نقصان تھا جس کی تلافی کسی قیمت پر بھی نہیں کی جا سکتی تھی......رقیہ بانو کے انتقال کی خبر تمام رشتہ داروں میں پہنچا دی گئی تھی......جن کو نہیں ملی وہ سن سنا کے پہنچ گیا تھا۔ صائمہ اس کے سسرال والے......رحیمہ اس کے سسرال والے یعنی کہ زبیدہ بانو کے شوہر کے عزیز رشتہ دار اور کراچی سے سجاد بھی فوراً پہنچ گیا لیکن موسمی بخار میں مبتلا والدہ کو نہ لا سکا......ویسے بھی وہ اپنی نفرت کے پیش نظر آنا پسند ہی نہ کرتی تھیں۔ البتہ ان کو بانو کی موت کا بہت افسوس ہوا......اور کئی بار رقیہ بانو کی اچھی ملنسار عادت کا ذکر کرتی تھیں......سب سے عجیب بات یہ کہ رقیہ بانو کے چہلم پر طفیل احمد اور کرم الٰہی کا بیٹا فیروز بھی آئے ہوئے تھے......رسم چہلم بھی گزر گیا......برادری جا چکی تھی......صرف چند ایک لوگ شامل تھے جن میں طفیل احمد اور کرم الٰہی موجود تھے اور فیروز بھی جو اپنا آخری تیر نشانے پر بٹھانا چاہتا تھا۔ وہ اس ماحول میں اپنی بات منوانا چاہتا تھا تاکہ زلیخا کے غرور کی تنابیں توڑ سکیں۔ بھلا اس وقت زلیخا کو کیا ہوش ہو سکتا تھا......جس کی ماں اس کے دکھ سکھ کی ساتھی......دکھوں کے دوپہر میں جب تپتی سلگتی وہ ماں کی گود میں سر رکھتی تو سارے غموں سے نجات حاصل کر لیتی......یوں جیسا اس کا جھلسا ہوا جسم کسی شبنم سے بھرے پھولوں کی نرم و نازک پھنکڑیوں پر پڑا ہو اور وہ تمام غموں سے آزاد ہو جاتی۔

آپا بھی آ جایا کرو میری طرف بھی......قسم کھائی ہوئی ہے۔ رحیمہ نے زلیخا کو ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔

نہیں قسم تو نہیں......آؤں گی۔ زلیخا نے بڑی محبت سے رحیمہ کے بچوں کو پیار کیا۔

زلیخا آپا......ہمیں آپ کا انتظار رہے گا۔ شرجیل نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

رحیمہ مسکرا دی۔ اور زلیخا نے بڑی کرب ناک سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کو الوداع کیا۔

اچھا بیٹی اب ہمیں اجازت دو......زاہدہ بیگم نے زلیخا کی طرف دیکھ کر کہا۔

آپ چند دن اور رک جاتیں......اماں تو آپ سے بڑی محبت کرتی تھیں زلیخا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ارے صائمہ تم......جا رہی ہو......شاہدہ نے حیرت سے کہا۔

ہاں بھابی......اب مجھے بھی چلنا چاہئے......طارق کی اب چھٹی ختم ہو گئی ہے۔ صائمہ نے اپنے شوہر طارق کی طرف دیکھا۔

آپا......رونا نہیں ہے......صائمہ نے زلیخا کو لپٹا لیا......زلیخا بہن کے شانے سے لگ کر سسک سسک کر رو دی۔

آپا......چپ ہو جاؤ نا......آپ کو روتے دیکھ کر اماں کس قدر پریشان ہو جاتی تھیں۔

صائمہ نے بڑے پیار سے زلیخا کے چہرے کو صاف کیا۔

بس بس ......میری بچی۔ کرامت علی نے زلیخا کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

صائمہ آنسو پونچھتی ہوئی چلی گئی۔

دھیرے دھیرے سارا گھر خالی ہو گیا ......لیکن کرم الٰہی اور فیروز موجود رہے ......سجاد بھی چند دنوں کے بعد آنے کا کہہ کر چلا گیا تھا ...... چند دن اور گزر گئے ...... یوں لگتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں ......لیکن کہہ نہیں پا رہے......آج چہلم کو گزرے بھی ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔

شکیلہ ......فریج سے گوشت زیادہ نکال لینا۔ برآمدے میں بیٹھے شاہدہ نے ملازمہ شکیلہ سے کہا۔

بھابی ...... دونوں باپ بیٹا چلے گئے شاید۔ زلیخا اپنی ماں کی چوکی پر بیٹھی آفس کی فائلیں دیکھتے ہوئے بولی۔

کہاں گئے ہیں ......آج تو لاہور کی سیر کرنے گئے ہیں۔ شاہدہ نے جھلا کر غصے میں کہا۔

یہ کرم الٰہی فیروز کو لے کر جاتا کیوں نہیں۔ زلیخا نے زور سے کاغذات فائل پر رکھے۔

معلوم نہیں ...... یوں لگتا ہے ...... جیسے ابا سے اب بھی کوئی بات کرنا چاہتے ہیں ......شاہدہ نے قیاس آرائی کی۔

ہو سکتا ہے ......لیکن فائدہ کیا ......ایک مرتبہ جو ابا اماں نے انکار کر دیا تھا ...... بلکہ آفس سے بھی بے آبرو ہوا تھا ......زلیخا نے کہا۔

اگر غیرت ہوتی تو اسے آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ شاہدہ نے کہا۔

شام ہو گئی بھابی ......اس وقت اماں بڑی یاد آتی ہے ...... ہاتھ میں تسبیح پکڑے اس چوکی پر بیٹھی ......زلیخا نے محبت سے اپنے اردگرد دیکھا۔

شاہدہ بھی بہت غمگین سی لگنے لگی۔

اب کون انتظار کرے گا ...... بات بات پر قربان ہونے والی ماں کہاں سے لائیں۔

زلیخا کے رواں رواں سے رقیہ بانو کی یاد سسکیاں لے کر ابھرنے لگی۔

اماں کو سب کا انتظار رہتا تھا ......بچوں کے لئے تو وہ بہت پریشان ہوا کرتی تھیں۔

ابا آ گئے۔ شاہدہ نے برآمدے کے دروازے سے دیکھا۔

بیٹی ......اپنی ماں کا کھانا بھیج دیا۔ وہ اندر آتے ہی بولے۔

ہاں ابا ......شکیلہ کی ماں کو دے دیا۔ شاہدہ نے کہا۔

دیکھو دلہن ......رات کو جس طرح تمہاری ماں کھایا کرتی تھی ......اسی طرح کھانا دیا کرو۔ وہ شاہدہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

ابا آپ فکر نہ کریں ......اماں کی پسند کا مجھے اچھی طرح علم ہے ......شاہدہ نے کہا۔

تم اس گھر کی بڑی ہو ...... بلکہ مالک و مختار ......ان بن ماں کی بچیوں کا خیال رکھنا بھی تمہارا فرض ہے ......کرامت علی کی آواز حلق میں اٹک گئی۔

ابا ......آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں ...... یہ سب میرے فرض میں شامل ہے ......انشاء اللہ آپ کو کبھی شکایت کا موقعہ نہیں ملے گا۔ شاہدہ نے کرامت علی کے ہاتھ کو تھام کر اپنی محبت کا یقین دلایا۔

ابا کیلئے چائے رکھوں آپا ......شکیلہ سب کی دیکھا دیکھی کرامت علی کو ابا اور زلیخا کو آپا ہی کہنے لگی تھی۔

ہاں رکھو ......میرا اور بھابی کا بھی ایک ایک کپ پانی ڈال لینا۔

جی بہتر۔ شکیلہ تو کچن میں چل دی۔

بھابی ......کھانے میں دیر ہے نا ...... تھکے تھکے انداز میں زلیخا نے فائلیں ایک طرف رکھ دیں۔

کافی دیر ہے ......شاہدہ کچن کی طرف چل دی۔

ابا ......کرم الٰہی تو تنگی ہو گیا ہے۔ زلیخا نے کہا۔

معلوم نہیں ......وہ کیا کرنا چاہتا ہے ......اب تو چہلم کو بہت دن گزر گئے۔ کرامت علی ایک طرف بچھی چارپائی پر لیٹ گئے۔

ابا ......میرا خیال ہے وہ کسی موقعہ کی تلاش میں ہے ......کہ کب وہ زلیخا کے بارے میں بات کرے۔ شاہدہ نے دو کپ درمیانی میز پر رکھے۔

اب بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ......ہم انکار کر چکے ہیں ...... بلکہ تمہاری ماں نے دوٹوک فیصلہ دے دیا تھا کہ فیروز اچھا لڑکا نہیں ہے۔ ہم یہ رشتہ نہیں کریں گے۔ کرامت علی بیٹھتے ہوئے بولے۔

زلیخا خاموش تھی۔

چنانچہ دوسرے دن سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ٹھکانوں پر جا چکے تھے ......

صرف گھر میں شکیلہ اور شاہدہ موجود تھیں ...... آج خلاف توقع کرامت علی بھی موجود تھے ...... وہ اپنے کمرے میں بیٹھے پرانے کاغذات کو تلاش کر رہے تھے کہ شکیلا نے آ کر کہا۔
ابا...... ڈرائینگ روم میں بھابی شاہدہ بلا رہی ہیں۔
اسے کہو یہاں آ جائے ...... میں کام کر رہا ہوں۔ وہ الجھے الجھے بولے۔
نہیں ابا...... وہ میاں جی اوران کا بیٹا بیٹھے ہیں۔ شکیلہ نے سمجھایا۔
اچھا اچھا...... آ رہا ہوں۔ وہ الماری بند کرتے ہوئے بولے۔
شکیلہ واپس پلٹ گئی۔
ہاں جی ...... سیر ہوگئی لاہور کی کہ ابھی کچھ جگہیں رہ گئی ہیں۔ کرامت علی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے چھپی چھپی چوٹ کی۔
بس دیکھ لیا سب کچھ ...... صرف آپ سے بات کرنا باقی ہے۔ شاہدہ کمرے سے باہر نکل آئی۔
بات ...... کونسی بات ...... کرامت علی کی چھٹی حس پھر بیدار ہوگئی۔
سامنے بیٹھے فیروز نے بھی پہلو بدلا۔
ہمارا جہلم کے بعد اتنے دن بیٹھنے کا مقصد ہی اور تھا۔ ورنہ لاہور تو دیکھا بھالا شہر ہے۔ فیروز نے کہا۔
کیا مقصد ہے آپ کا۔ کرامت علی نے کرم الٰہی کی طرف دیکھا۔
کرم الٰہی نے فیروز کو ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا اور خود بات شروع کی۔
ہم ایک مرتبہ پھر درخواست کرتے ہیں کہ زلیخا کا رشتہ فیروز کو دے دو۔ کرم الٰہی نے عاجزانہ انداز میں کہا۔
او ہو ...... کرم الٰہی ...... تمہیں معلوم ہے نا کہ زلیخا کی ماں اس رشتے سے انکار کر چکی تھی۔ کرامت علی بولے۔
وہ اشتام پر لکھ کر دے گئی ہے کیا ...... سمجھوتہ نہیں ہو سکتا ...... فیروز اچھل کر بولا۔
کرامت علی کو غصہ آ گیا۔ فیروز کا انداز گستاخانہ تھا۔
یہی سمجھو ...... کرامت علی پھر بولے ...... اور بات ختم کرنا چاہی۔
کیسے سمجھ لیں ...... آخر ہمیں نہ کہیں تو رشتہ کرنا ہے نا تم نے۔ کرم الٰہی نے کہا۔

دیکھو بھائی جہاں مقدر ہوں گے ...... ہو جائے گا ...... جوان بیٹی ہے بٹھا تو نہیں سکتا گھر میں کرامت علی بولے۔
جی تو میں کہہ رہا ہوں کہ زلیخا کا ہاتھ میرے فیروز کو دے دے ...... لڑکی سکھی رہے گی۔ کرم الٰہی بولا۔
میں فیروز کو رشتہ نہیں دے سکتا ...... یہ رشتہ ہمارے گھر میں کسی کو بھی منظور نہیں ...... تم بیٹے کا کہیں اور کر لو ...... دنیا بھری پڑی ہے ...... کرامت علی نے صاف الفاظ میں حتمی فیصلہ سنا دیا۔
چاچا ...... سیدھی طرح سے زلیخا کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے ...... ورنہ ......
عین موقع پر جمیل داخل ہوا۔
ورنہ ...... کیا کرے گا تو ...... بول ...... میرے باپ سے کس طرح بول رہا ہے۔ جمیل کو غصہ آ گیا اور وہ فیروز کی طرف اس کا گریبان پکڑنے کے لئے بڑھا۔
اوئے ...... شرم کر ...... تمہیں منع کیا تھا نا ...... دخل نہ دینا ...... کرم الٰہی نے ایک دم سے اٹھ کر فیروز کو شانوں سے تھام لیا۔
آرام سے جمیل بیٹا ...... آج ...... غصہ کیوں آ گیا ...... کرامت علی نے جمیل کو اپنے پاس بٹھا لیا۔
اس کی گستاخی پر غصہ آ گیا ابا ...... آپ کے ساتھ کوئی اس طرح بولے ...... میں برداشت نہیں کر سکتا۔ جمیل ابھی تک غصے سے لرز رہا تھا۔
شکیلہ ...... کرامت علی نے آواز دی۔
جی ابا ...... شکیلہ نے آتے ہی سہمے سہمے سب کو دیکھا۔
ٹھنڈا جگ پانی لاؤ اور دو گلاس ...... ان جوانوں کا غصہ ٹھنڈا ہو۔ کرامت علی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی بڑا ہنگامہ ہو۔
شکیلہ پلٹی اور چند لمحوں میں ٹھنڈے پانی کا جگ اور گلاس لے آئی۔
تم جاؤ ...... شکیلہ سے کہا۔
وہ واپس پلٹ گئی۔
لو بیٹا پی لو ...... کرامت علی نے فیروز سے کہا۔
مجھے نہیں ضرورت۔ وہ پھر بڑے اکھڑ لہجے میں بولا۔

کرم الٰہی تم پلاؤ اسے پانی ......اس کا غصہ ٹھنڈا ہو۔ دوسرا گلاس بھر کر کرامت علی نے جمیل کو دیا۔

جمیل نے باپ کے ہاتھ سے گلاس لیا اور غٹا غٹ پی گیا

دیکھو بیٹا...... یہ مہمان ہیں......مہمانوں سے ہمیشہ محبت پیار سے پیش آتے ہیں۔ کرامت علی نے جمیل کی پیٹھ تھپکی۔

چلو ابا......اب یہاں ایک منٹ نہیں رکوں گا۔ فیروز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

بیٹھو بیٹا......کھانا کھا کے جانا......کرامت علی نے کہا۔

شکریہ......بڑی عزت کروالی......

☆

ات کے سامنے اسے سرتسلیم خم کرنا پڑا۔ اسے اپنے مجبور و بے بس باپ کی حالت کا انداز
وہ کتنے اکیلے ہو چکے تھے۔ اس لئے اس نے ان سب مجبوریوں کے پیش نظر کرامت علی
ات چپکے سے مان لی اور خاموش سجاد کی دلہن بن کر اس کے گھر روانہ ہو گئی......سجاد بہت
تھا لیکن زلیخا کے اندر یا باہر خوشی کا کوئی شمہ نہیں پھوٹ رہا تھا۔ اس نے تو صرف باپ کی
ہی دیکھ کر ان کو ایک ختم نہ ہونے والی اذیت سے چھٹکارا دلایا تھا۔ اسے اس بات کا علم تھا
اے دیکھ کر اس کا باپ کس کرب سے گزرتا تھا......

لیخا......

اں......سجاد کی آواز پر وہ چونک گئی۔

یا سوچ رہی ہو......ہماری منزل آ چکی ہے۔ سجاد نے کہا۔

راچی آ گیا۔

......ابھی ہم ایئر پورٹ پر اترنے والے ہیں......

یخا......

نا پیٹی باندھ کر اداس سی نگاہ چاروں جانب ڈالی......وہ کس قدر پژمردہ تھی اور سجاد کس
ش......

ی دیر کے بعد جہاز نے کراچی کے ایئر پورٹ پر لینڈ کیا اور دونوں سیڑھی سے اتر کر باہر
میں سوار گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

......بولو نا......لاہور سے اب تک تم نے کوئی بات نہیں کی۔ سجاد نے کہا۔

بات ہے ہی نہیں......کیا بات کروں۔ وہ آہستہ سے بولی۔

سا نہیں......ہزاروں باتیں ہیں......میری بات کرو......اپنی بات کرو......ادھر دیکھو

......سجاد نے آہستہ سے کہا۔

سجاد ......میرے ساتھ تو ایک طویل داستان منسلک ہے۔ زلیخا نے سجاد کی طرف چہرا کرتے معمولی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

مجھے اس داستان سے کوئی سروکار نہیں ......انسان کی زندگی میں نشیب وفراز تو آتے ہی رہتے ہیں......سجاد بڑا فراخ دل نظر آرہا تھا۔

مجھے ایک بات کا اندیشہ ہے۔ زلیخا نے چند لمحے سوچا۔

اندیشہ......کس بات کا......وہ ایک دم بولا۔

نہ جانے چچی کا رویہ اب میرے ساتھ کیسا ہو۔ وہ اُداس سی ہوگئی۔

کیسا ہو......اچھا ہوگا......بھئی وہ ماں ہے......اگر کوئی ایسی ویسی بات کہہ بھی دیں تو ہمیں برداشت کرنا ہے......ٹھیک ہے......اور ٹیکسی ایک جھٹکے سے رکی۔

دونوں اپنا مختصر سا سامان لے کر اترے۔

گیٹ سے گزر کر وہ ابھی برآمدے کا زینہ چڑھے ہی تھے کہ ایک کرخت آواز نے ان کا تعاقب کیا۔

آ گئے تم......طاہرہ خانم نے تیوریاں چڑھا کر بڑی ناگواری سے زلیخا کو دیکھا۔

اداب چچی جان......زلیخا نے مودب کہا۔

جیتی رہو......طاہرہ خانم نے ایک رسمً جملہ ادا کیا۔

کافی فاصلے پر انہوں نے کہا اور سجاد کی طرف متوجہ ہوئیں۔

کرم......جی صاحب

بیگم صاحبہ کو میرے کمرے میں لے جاؤ۔

بہتر جی۔ کریم نے زلیخا کے ہاتھ سے بیگ پکڑا۔

آئیے بیگم صاحبہ۔ زلیخا کرم کے ساتھ سجاد کے کمرے میں چل دی۔

آپ کے لئے چائے بناؤں......کریم نے کہا۔

نہیں......سجاد آلیں تو پھر بنالینا۔ زلیخا نے ٹیک لگا کر کہا۔

صاحب نہ ابھی آئے......ابھی تو گھنٹہ بڑی بی بی کی تقریر سننی ہے۔ کریم جاتے جاتے بولا۔

وہ مسکرادی......ملازم بھی چچی کی عادت سے واقف ہے۔

آخر تم اپنی ضد سے باز نہیں آئے۔ طاہرہ خانم نے کہا۔

اماں یہ کونسی ضد ہے۔ زلیخا بری لڑکی تو نہیں ہے۔ سجاد نے کہا۔

میں اس خاندان میں گھسنا نہیں چاہتی تھی......لیکن تم نے وہی کام کیا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔

میرا ہی خاندان ہے......سجاد نے جانے کے لئے قدم اٹھائے۔

سجاد......ٹھہرو......وہ چلا کر بولیں

جی......وہ پلٹ کر بولا۔

تمہیں معلوم ہے......زلیخا مجھے بہو کی حیثیت سے قبول نہیں ہے۔ وہ اپنی بات میں جابرانہ انداز لا کر بولیں۔

اب کیا ہوسکتا ہے امی......زلیخا میری ایک مدت کی خواہش تھی۔ وہ بولا۔

لیکن میری خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی......طاہرہ خانم نے کہا۔

ٹرن ٹرن ٹرن......وہ فون کی طرف بڑھا......

تم......او مائی گاڈ......سجاد نے سراسیمگی کے عالم میں ریسور دوبارہ پٹخ دیا۔

تمہارے بعد ایسے کئی فون آچکے ہیں......یہ کون ہے کوئی مشکوک آدمی ہے......وہ بڑی تیزی سے دوسری جانب اپنے کمرے کی جانب روانہ ہوگئیں۔

آ گئے......سجاد اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ زلیخا نے سجاد سے کہا۔

ارے تم چینج کرچکی ہو......وہ زلیخا کو سفید شلوار قمیض میں تر و تازہ لیٹی دیکھ کر بولا

مجھے معلوم تھا کہ تمہاری جان جلدی نہیں چھوٹے گی۔ زلیخا مسکرادی۔

Good......وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا

زلیخا نے مسکرا کر کروٹ بدل لی۔

لیجئے بیگم صاحبہ......چائے......اور ساتھ پکوڑے......بسکٹ......کریم نے ٹرالی گھسیٹ کر زلیخا کے قریب کردی۔

کریم......زلیخا بولی۔

جی بیگم صاحبہ......

تمہیں کتنا عرصہ ہوا یہاں کام کرتے......زلیخا نے پوچھا۔

بہت عرصہ ہوگیا جی......اس سے پہلے میرا ابا کام کرتا تھا۔ اب تو یہیں کا ہو کر رہ گیا ہوں۔

نہ ابا نہ ماں......کریم دوزانو قالین پر بیٹھ گیا۔

چائے بناؤں......وہ بولا۔

ٹھہرو سجاد آلیں......وہ واش روم میں ہیں......زلیخا نے پلٹ کر دیکھا۔

سجاد بالوں کو تولیے سے خشک کرتا باہر آ گیا تھا۔

باتیں کم کیا کرو......اور کام زیادہ......سجاد نے مسکرا کر کریم سے کہا۔

میں نے تو کوئی بات نہیں کی جناب......بس بیگم صاحبہ کو بتا رہا تھا۔کریم نے ہنس کر کپ علیحدہ علیحدہ کئے۔

امی کو بھی دے آؤ ایک کپ......

بہتر جناب......کریم نے دو کپ دونوں کے سامنے رکھے اور ایک کپ بنا کر طاہرہ خانم کے پاس لے گیا۔

سجاد......زلیخا نے ایک چسکی لی اور کپ رکھ دیا۔

کہو......سجاد بولا۔

یوں لگتا ہے......جیسے چچی نے مجھے قبول نہیں کیا۔

زلیخا نے طاہرہ خانم کی پیشانی پر ناگوار سلوٹوں سے اندازہ لگا لیا تھا۔

تمہارا وہم ہے......سجاد نے کہا۔

میرا وہم نہیں ہے......یہ حقیقت ہے۔زلیخا نے اپنی بات پر زور دیا۔

اگر یہ حقیقت بھی ہو تو تم کیا کرلو گی۔جیسے سجاد اسے آنے والے دور سے باخبر رکھنا چاہتا ہو۔

ہوگا تو کچھ بھی نہیں......بس ذرا ماحول پر اثر پڑے گا۔زلیخا نے تلملا کر جواب دیا۔

کیا مطلب ہے تمہارا......تم امی جان سے مقابلہ کرو گی۔سجاد زچ ہو کر بولا۔

نہیں......وہ بڑی ہیں......مقابلہ تو نہیں کرسکتی......بڑوں کا احترام میرا خاصہ ہے......ذرا دھیمے لہجے میں بولی۔

بس پھر خاموش رہنا......امی دل کی بری نہیں ہیں......

خاموش تو رہ لوں گی......لیکن جب بار بار نشتر چبھے گا تو سسکی نکلے گی۔زلیخا نے لیٹتے ہوئے سجاد کے گوش گزار کیا۔

ہاں......یہ بات تو ہے......خیر......میں امی کو سمجھا دوں گا۔وہ پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا

بولا۔

لمبے ماحول پر سکوت رہا۔کسی نے بھی کچھ نہ کہا......زلیخا تو پہلے ہی بہت تھک چکی تھی لیٹنے کے انداز میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

آفس سے کتنی چھٹی ہے تمہاری۔سجاد کو ایک دم یاد آیا۔

پندرہ یوم۔وہ بولی۔

پندرہ یوم......اتنی کم چھٹی......پھر واپس چلی جاؤ گی......سجاد بری طرح اچھلا......

کیا ضرورت ہے......اتنی چھٹی کی......آفس کو آج کل میری ضرورت ہے۔

زلیخا کو معلوم تھا کہ پندرہ یوم بھی اس نے مجبوراً سائن کئے تھے

کم از کم تین ماہ کی چھٹی اور لے لو۔سجاد نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

نہیں ہوسکتا۔ویسے ضرورت بھی نہیں ہے۔وہ صاف الفاظ میں بولی۔

کیوں نہیں ہوسکتا......تمہیں چھٹی لینا پڑے گی......میرا حکم ہے......وہ سیخ پا ہو گیا۔

سجاد......تم......وہ ورطہ حیرت میں اتر گئی......تمہارے دو چہرے......

ہاں......میں......تمہیں چھٹی لینا پڑے گی......وہ پھر اپنی بات پر اڑا رہا۔

دیکھو سجاد......مجھ پر حکم صادر کرنے سے گریز کرنا......میں تمہاری باندی نہیں ہوں......

......وہ دوسری طرف کروٹ لئے لیٹ گئی۔

کیا یہ سجاد کا دوسرا روپ ہے......خیالات کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتی چلی گئی......یہ اس کا ...را روپ ہے......

......سوری......بھئی......دراصل میں تمہارے ساتھ دور دراز سیر کے لئے جانا چاہتا ... سجاد نے اس کے بکھرے بالوں کو دیکھ کر کہا۔

کہاں جانا چاہتے ہو تم۔زلیخا نے دوبارہ اس کی طرف کروٹ لی۔

...، گلگت، چترال وغیرہ......یہ جگہیں میں تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتا ہوں۔

...پندرہ دنوں میں دیکھ سکتے ہیں۔وہ بولی۔

......وہ منہ غصیلہ بنائے چائے کا آخری گھونٹ کو حلق سے اتار کر لیٹ گیا۔

......ادھر دیکھو......زلیخا نے مسکرا کر سجاد کو اپنی طرف دیکھنے کے لئے کہا۔

......بیگم صاحبہ......سجاد نے یکسر دل سے سب کچھ محو کرتے اس کی طرف دیکھا۔

کیا اسی طرح بار بار تلخیاں پیدا کرو گے ...... کیونکہ میں عادی نہیں ہوں ...... زلیخا نے پوچھا

نہیں ...... وہ آنکھوں میں مسکراہٹ لاتے بولا۔

پھر ایسا کیوں ہے۔ وہ بولی۔

میں اپنی بات منوانا چاہتا ہوں ...... مجھے انکار پسند نہیں ...... یہ وجہ تھی (وکی کیوں آتا ہے ...... نفرت ہے اس سے مجھے ...... اس سے تمہارا میل جول بھی پسند نہیں کرتا۔ وہ کہیں اور کھو گیا)

وہ میرا کزن ہے ...... جب سے شادی ہوئی ہے تم نے میرے ذاتی اخراجات کے لئے ایک روپیہ نہیں دیا ...... میں وکی سے لیتی ہوں ...... وہ ایک بہت بڑی فرم میں جنرل منیجر ہے ...... میں تمہیں کہاں سے رقم دوں ...... جو رقم امی سے لے کر آیا تھا وہ سب ڈوب گئی ...... اب ایک پیسہ نہیں ہے میرے پاس ......

کوئی کام کرو ...... رینا چلا کر بولی ...... اور وہ چونک گیا)

سجاد ...... زلیخا نے پکارا ......

ہاں ...... کیا بات؟ وہ بری طرح چونکا۔

کہاں کھو گئے تھے ...... کوئی حسین ماضی یاد آ گیا ...... زلیخا نے مذاق کا موڈ بنا لیا۔

نہیں ...... ماضی حسین نہیں ہے ...... کوشش کر رہا ہوں ...... حال حسین ہو جائے۔ وہ بڑی چاہت سے زلیخا کی جانب کروٹ بدل کر بولا۔

خدا کرے ایسا ہو ...... میں ہر ممکن کوشش کروں گی کہ ماحول بہتر ہو۔

چند دن اور گزر گئے ...... آفس میں جاتے جاتے وہ ایک دم رک سا گیا ......

سجاد ...... جی امی جان

آفس جا رہے ہو ...... طاہرہ خانم نے کہا۔

نہیں ...... تنخواہ کا پتہ کرنے جا رہا ہوں ...... آج پہلی ہے نا ...... ویسے ٹرانسفر کا چکر بھی چل رہا ہے ...... معلوم ہوا تھا سب سینئر کلرک تبدیل کر دیئے ہیں۔ وہ خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔

تمہارا کیا بنا ...... طاہرہ خانم نے کہا۔

ابھی تک تو بات بنی ہوئی ہے ...... وہ جاتے جاتے بولا۔

سنو ...... طاہرہ خانم نے بلایا۔

وہ پلٹا۔

زلیخا کو معلوم ہے کہ تم کلرک کی آسامی پر تعینات ہو۔

نہیں ...... اسے کچھ علم نہیں ہے ...... اور میں چاہتا بھی نہیں کہ اسے کسی بات کا علم ہو۔

وہ باہر کی طرف چل دیا ...... گراج سے موٹر سائیکل نکالی اور آفس چل دیا ......

چونک کر طاہرہ خانم نے دیکھا۔

زلیخا نے پردا گرایا تھا اور واپس لوٹ گئی تھی۔

کیا زلیخا نے سن تو نہیں لیا۔ وہ یہی وسوسہ لے کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئیں ......

اوہو ...... سجاد تم نے بہت روپیہ آسائش میں ضائع کیا ہے۔ ان کے ایک ایک لفظ سے پچھتاوا ٹپک رہا تھا۔

نہ جانے کیا کیا باتیں تم نے بیوی سے چھپا کر رکھی ہیں ...... خیر وہ ایک آہ کے ساتھ اپنے سر کو صوفے کی پشت پر ٹکا کر آنکھیں بند کرتے بولیں۔

زلیخا پر آہستہ آہستہ سجاد کے کئی راز آشکار ہو رہے تھے لیکن وہ خاموش ہی تھی ...... اسے یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ سجاد بجلی کے آفس میں کلرک ہے اور اعلیٰ بزنس مین کا اس نے صرف جھوٹ بولا تھا ...... سجاد دوہری شخصیت کا مالک تھا۔ شادی سے پہلے اس کا روپ اور بعد کا روپ کس قدر متضاد تھا ...... اسے یہ بھی علم تھا کہ سجاد روپیہ پیسے سے عاری ہے ...... اور اپنی ماں کی خاصی جائیداد دھوکے بازی سے فروخت کر کے بیرون ملک ضائع کر چکا ہے ...... تا حال وہ خاموش تھی ...... ان حالات کا علم اسے پندرہ دن میں ہو چکا تھا۔ پھر بھی وہ ان کو جتانا نہیں چاہتی تھی۔ دن خاموشی کے ساتھ گزر چکے تھے۔ سجاد کے پر زور اصرار پر اس نے ایک ماہ کی رخصت اور لے لی تھی ...... لیکن ابھی تک کہیں جانے کا کوئی پروگرام نہیں بنا تھا۔

جھٹپٹے کا وقت تھا۔ سورج مغرب کی گود میں سسک رہا تھا ...... کائنات پر ایک سیاہ چادر سی تن گئی تھی ...... چائے سے فارغ ہو کر وہ اٹھی۔

کہاں جا رہی ہو ...... سجاد نے پیالی میز پر رکھی۔

رات کے کھانے کا بندوبست کرنے جا رہی ہوں ...... وہ بولی۔

تم بیٹھو ...... کریم کس لئے ہے۔ سجاد نے لپک کر زلیخا کا بازو پکڑ لیا۔

کریم تو ہے ...... میں فارغ ہی ہوتی ہوں ...... سوچا اس کا ہاتھ ہی بٹا دیا کروں ......

اور جب تم چلی جاؤ گی ...... اس وقت ...... سجاد نے طنزاً سوال کیا۔

وہ اور بات ہے۔ وہ اپنے پلنگ پر بیٹھ گئی......سائیڈ سے دراز کھولا......اور ایک سبز کاغذ سجاد
کو پکڑا دیا۔
یہ کیا ہے سجاد نے پکڑا۔
تمہارے لئے۔ وہ مسکرا دی۔
یہ تو پچیس ہزار کا چیک ہے۔ سجاد نے حیرت و استعجاب کے عالم میں چیک کو پھر زلیخا کی بڑی
بڑی روشن آنکھوں کو دیکھا۔
سیر کے لئے......ضرورت ہوگی تو اور بھی لئے جا سکتے ہیں۔ وہ ہنس دی۔
(اس کا مطلب کہ زلیخا کو میری کم مائیگی کا علم ہو چکا ہے)
اسے ایک دم خیال آ گیا۔
تم رکھ لو زلیخا......ویسے بھی یہ میرا فرض ہے۔ تمہارا نہیں۔ وہ اوپرا اوپر سے بولا۔
نہیں نہیں......ایسی کوئی بات نہیں......تم رکھو......وہ سجاد کا انداز جانتی تھی۔
بات ٹل گئی اور سجاد نے چیک جیب میں ڈال لیا۔
ایک ماہ بھی خاموشی کے ساتھ گزر گیا......سجاد نے بیس پچیس ہزار اڑانے تھے سو اڑا لئے
......وہ شادی ہی ایسی عورت سے کرنا چاہتا تھا جو گاہے بگاہے ایسی رقوم کا چیک اسے دیتی
رہے......سو اس کی خواہش کو تکمیل کے مراحل تک پہنچنا تھا سو پہنچ گئی......زلیخا اس سے باز
پرس کر کے اپنی زندگی میں زہر نہیں گھولنا چاہتی تھی......نہ جانے سجاد کے ہر بار اصرار پر اسے
نذیر کی معصومیت اور اس کے سو پچاس روپے مانگنے پر خوشی کے بھرپور اظہار پر اس کو زبردست
حیرت ہو رہی تھی......وہ بھی شوہر تھا اور سجاد بھی شوہر ہے......جس کا دولت سے پیٹ نہیں
بھرتا......وہ تنگ آ چکی تھی......خدا خدا کر کے اس کی رخصت ختم ہوئی اس نے جانے کی
تیاری شروع کر دی۔ یہاں قدم قدم پر اسے پرانی یادیں آنے لگی تھیں......نذیر کا گھر غربت
و افلاس کا پیکر تھا......لیکن وہ کتنی مطمئن تھا۔ وہ کبھی بوریت یا بے سکونی محسوس نہ کرتی تھی
......شاید اس میں نذیر کے اپنے کردار کا اثر تھا......وہ ایک بے ضرر انسان تھا جسے ہمہ وقت
اسے میری ہی ضرورت رہتی تھی......اسے تو دوسرے کپ کی ضرورت ہوتی تو کہتا......زلیخا
ایک کپ اور لے لوں......تم نے چائے جو اچھی بنائی ہے......اور وہ کہتی......یہ بھی پوچھنے
والی بات ہے......تم تو مالک ہو اس گھر کے۔ وہ کہتا......مالک تم ہو زلیخا......بلکہ تم میری اور

ماں کی بھی وارث ہو......وہ بڑی چاہت سے چائے کے کپ کو ہونٹوں سے لگاتا۔
ہاں بیٹی......تم سب کچھ ہو ہماری......تمہارے بغیر تو گلی کے لکھ ہیں......اماں اس کا
ماتھا چوم لیتی......
یہ دردناک ماضی اس کی جان نہیں چھوڑتا تھا......سجاد سے شادی کے بعد تو نذیر کی یاد پوری
طرح اس کے احساس کو گھر لگائے ہوئے تھیں۔ اس کے احساس کی قندیل ہر وقت نذیر کی یاد
سے جگمگاتی رہتی۔
تم تیار ہو رہی ہو......ابھی چند دن باقی ہیں......وہ آتے ہی بولا۔
چند دن کہاں باقی ہیں......بس کل کا دن ہے......پرسوں سنڈے ہے۔ وہ اپنے بڑے
بیگ کو ایک طرف رکھتے بولی۔
صبح چلی جانا......بلکہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ سجاد نے کہا۔
سجاد......مجھے یاد آ گیا......تمہاری گاڑی کہاں ہے......زلیخا کو ایک دم یاد آ گیا۔
میری گاڑی......کونسی......وہ چونک سا گیا۔
وہی جو شادی سے پہلے لاہور میں لایا کرتے تھے۔
جھوٹ بولنے کا اب کوئی چارا نہ تھا۔
وہ گاڑی میری کب تھی......امی کے کسی ملنے والے کی تھی جو میں لے آیا کرتا تھا......
خیر......دو سیٹ رزرو کروا لی ہیں......پرسوں سنڈے کو چلیں گے۔ زلیخا بڑے
اطمینان سے بولی۔
وہ کیسے......سجاد حیران رہ گیا۔
نثار صاحب نے سارا کام کروا لیا ہے......میں نے پہلے سے ان کو باخبر کر دیا تھا۔ وہ ہنس دی۔
Good......واہ......بہت ہی ادراک کی مالک ہو......سجاد کو کچھ کچھ ندامت ہوئی......
صاحب جی......بڑی بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔ کریم نے اندر آتے ہی کہا۔
چلو آ رہا ہوں۔ سجاد کھڑا ہو گیا۔
پہلے امی جان کی بات سن آئیں......وہ دوسری طرف اپنی کپڑوں والی الماری کی طرف
بڑھ گئی۔
وہ باہر کی جانب چل دیا۔

کہئے......کیا بات ہے امی......سجاد جاتے ہی بولا۔

زلیخا کی چھٹی ختم ہو چکی ہے......طاہرہ خانم نے کہا۔

جی ہاں......وہ پرسوں جا رہی ہے......وہ بولا۔

دیکھو سجاد......مجھے ایسی بہو ہرگز نہیں چاہئے......جس کے سر پر ہمہ وقت ملازمت کا بھوت سوار رہے......اور اس گھر کو سرائے سمجھے......طاہرہ خانم کے چہرے پر کرخت قسم کی لکیریں کھنچ سی گئیں۔

امی جان......ابھی نئی نئی بات ہے......ٹرانسفر کروا لے گی......سجاد نے ماں کو تسلی دلانا چاہی۔

وہ ٹرانسفر نہیں کروائے گی......وہ مجھ سے دور بھاگتی ہے......کبھی ایک سیکنڈ کے لئے بھی وہ میرے پاس نہیں آئی......طاہرہ خانم نے سجاد کو زلیخا کی بے اعتنائی کا احساس دلایا۔

امی......سب ٹھیک ہو جائے گا......زلیخا اچھی لڑکی ہے......دل کی بری نہیں ہے۔سجاد نے کہا۔

تم اس کو کراچی لانے کی کوشش کرو......اس آنگن کو بھی پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہوں......مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔وہ بڑی آرزو رکھتی تھیں کہ سجاد کے بچے اس گھر میں دوڑتے بھاگتے پھریں۔

اچھا امی......وہ لاپرواہی سے واپس زلیخا کے پاس چلا گیا۔

تمہارا وہاں اکیلے رہنا......وہ بولا۔

تم کیوں گھبرا رہے ہو......میں چند دن ابا کو اپنے پاس رکھ لوں گی......اور پھر نوکرانی ہے میرے پاس۔وہ اسے اطمینان دلانا چاہتی تھی۔

سب ٹھیک ہے......تم کوشش کرو......یہاں آ جاؤ......تمہارا اکیلے رہنا......اماں کو یا مجھے گوارہ نہیں ہے۔

سجاد آہستہ آہستہ تمام معاملات درست ہو جائیں گے......ٹرانسفر ہونے میں بھی کچھ عرصہ لگے گا......ویسے ابھی تو ہمیں اِدھر ہی رہنا پڑے گا۔وہ بولی۔

اُدھر کیوں؟

تم نہیں جانتے......ایک عرصے سے وہ گھر بند پڑا ہے۔ہر چیز پر منوں کے حساب سے گرد پڑی ہوگی......بلکہ میں ان چیزوں کو کام میں لانا چاہتی ہوں۔وہ اداس سی ہو گئی۔

تم اس گھر کی تمام چیزیں فروخت کر دو......وہ خود غرضی کا لبادہ اوڑھ چکا تھا۔

وہ کیوں؟ زلیخا کو حیرت ہوئی۔

میں نہیں چاہتا......جس چیز کے ساتھ نذیر کی یاد وابستہ ہو......وہ دوبارہ ہمارے ساتھ ......وہ سفاک ہو گیا۔

میں کون ہوں......مجھ سے کیوں شادی کی تم نے......وہ اس کے پاس جا کر دھیمے لہجے میں بولی۔

تم اپنی بات چھوڑو......میں چیزوں کی بات کر رہا ہوں......وہ دوسری طرف چہرا کرتے بولا۔

اس گھر کی ایک ایک چیز نذیر کے زمانے کی خریدی ہوئی ہے......کس کس کی نیلامی بولو گے تم......وہ کرخت لہجے میں بولی۔

بس مجھے اچھا نہیں لگتا......اس گھر کی کوئی چیز یہاں نہ آئے۔وہ پھر ترش ہو گیا۔

ٹھیک ہے......تم ہر چیز خود خرید لو......میں اس گھر کو صاف کرنے کے بعد پھر بند کر دوں گی۔وہ صاف گوئی سے بولی۔

ان کو کیا کرو گی......یہاں ہر چیز موجود ہے......کیا نہیں ہے اس گھر میں وہ جھلا کر بولا۔

سب کچھ ہے......لیکن اس گھر پر میری خون پسینے کی کمائی صرف ہوئی ہے......اونے پونے کیسے فروخت کر دوں......تم سمجھتے کیوں نہیں وہ احتجاجاً بولی۔

مطلب یہ ہوا کہ تم نذیر کی یادوں سے باہر نکلنا نہیں چاہتی......وہ چلایا۔

سجاد......بار بار نذیر کا ذکر مت کرو......

کیوں......وہ غرایا۔

اس لئے کہ اب میرا واسطہ تم سے ہے۔وہ سب تیاری مکمل کرنے کے بعد صوفے پر بیٹھ گئی۔

جلدی کرو فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔

دونوں طاہرہ خانم کو ملنے کے بعد باہر کی جانب چل دیئے۔

☆

ابا......سجاد وہ نہیں ہے۔ جس کو آپ نے یا میں نے پسند کیا تھا۔ زلیخا کرامت علی کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

بیٹا......وہ خود غرض ماں کا پیدا کردہ ہے......آخر کچھ نہ کچھ تو اثر ہوگا۔ کرامت علی کو زلیخا کی بات عجیب نہ لگی۔

وہ خاموش رہی......اس کے چہرے پر اداسیوں کی پرچھائیاں دیکھ کر کرامت علی نے زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

جھگڑا تو نہیں کرتا......مجھے سجاد دوہری شخصیت کا مالک نظر آتا ہے۔ وہ کچھ سوچنے کے بعد بولے۔

جھگڑا کیا کرنا ہے......اگر میں اس کی کسی بات میں اختلاف پیدا کروں تو امید ہے کہ جھگڑا بھی کرے......زلیخا نے کہا۔

وہ کیا چاہتا ہے......کرامت علی نے کہا۔

ابا......سب سے پہلا جھوٹ تو یہ ہے کہ وہ کسی فرم میں بزنس پارٹنر نہیں ہے۔ واپڈا میں معمولی کلرک کی اسامی پر فائز ہے......اور جو جائیداد کے کرائے وصول ہوتے ہیں وہ چچی کے کنٹرول میں ہیں......سجاد کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ حیرت سے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھول کر بولی۔

بیٹی......تم نے اب اسی کے ساتھ گزارا کرنا ہے......کس قدر اذیت میں دن گزارے ہیں تم نے......وہ گزشتہ تکالیف کو زلیخا کے سامنے لاتے ہوئے بولے۔

ٹھیک ہے ابا......مجھے اس کے ہر قدم پر جھوٹ بولنے سے نفرت ہے۔ وہ شفاف ذہن کا آدمی نہیں ہے۔ زلیخا نے ایک اور بری عادت ظاہر کی۔

بس بیٹی......تم نے اس کی ہر بات کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ رہنا ہے۔ میرا یہی مشو......وہ بڑے پرزور الفاظ میں نصیحت کرتے بولے۔

گزارا تو اب کرنا ہے ابا......وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی۔

کیوں میری بچی......پریشان نہ ہو......سب ٹھیک ہو جائے گا......تم میں کس چیز کی کمی ہے......وہ تمہارا دستِ نگر رہے گا......سجاد باہر سے اندر داخل ہوا۔

تایا ابا......زلیخا میری چغلی کھا رہی ہے۔ وہ مسکرا کر طنز کر گیا۔

زلیخا نے ناگواری سے دیکھا۔

تمہاری چغلی کیوں کرے گی......شوہر ہو اس کے......پھر زلیخا وفا شعار بیوی ہے۔ کرامت علی نے بیٹی کی تعریف کی۔

زلیخا بھی مسکرا دی۔

آ ہا......زلیخا بیٹی آئی ہوئی ہے......شاہدہ کے کمرے سے زاہدہ بیگم ہنس کر زلیخا کی طرف بڑھیں۔

آداب......سجاد نے مودب کھڑے ہو کر کہا۔

گلے لگا لو زاہدہ بہن......اب تو میری بیٹی سہاگن ہے......کرامت علی نے کہا۔

اے ہے......بھائی صاحب......بھول جائیے پرانی باتوں کو......زلیخا تو میری بیٹی ہے......جگ جگ جیے......سدا خوش رہے......زاہدہ بیگم نے زلیخا کو گلے لگا لیا۔

کرامت علی اور سجاد ہنس دیئے......

تم ٹھیک ہو......وہ سجاد کے سر پر ہاتھ رکھتے بولیں۔

خدا کا شکر ہے۔ سجاد سب کے ساتھ ہی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

بھابی چائے میں بناتی ہوں......وہ اٹھ کر کچن میں شاہدہ کے پاس چلی گئی۔

ارے نہیں زلیخا......اتنے لمبے سفر کے بعد تو آئی ہو......تم آرام کرو......شاہدہ نے بڑی محبت سے کہا۔

نہیں بھابی......آپ سب کو دیکھ کر ساری تکلیف دور ہو گئی......زلیخا نے شاہدہ کو ساتھ لپٹا لیا۔

بھابی بچوں کا Red کلر کا بیگ ہے......اس میں بس ان کی ہی چیزیں ہیں......رکھ لیجئے گا......وہ بڑی چاہت سے بولی۔

زلیخا......اتنا تکلف نہ کیا کرو......ہم تو پہلے ہی تمہارے بڑے احسان مند ہیں۔ شاہدہ نے

احسانوں کے بوجھ تلے دب کر کہا۔

او ہو...... بھابی جان ...... یہ کیسی بات کی آپ نے ...... بچے میرے ہیں میرے بھائی کے ہیں۔ میرا فرض بنتا ہے...... پھر میں اپنی خوشی سے لاتی ہوں...... وہ خوشی سے بولی۔

اچھا خوش رہو...... سجاد اچھا آدمی ہے نا...... ساس جھگڑا تو نہیں کرتی۔ شاہدہ ہنس دی۔

سب ٹھیک ہیں...... لائیے...... میں ٹرالی لے جاؤں...... زلیخا شاہدہ کے ساتھ ٹرالی گھسیٹ کر برآمدے میں لے گئیں...... جہاں کبھی چوکی پر رقیہ بانو بیٹھا کرتی تھیں۔

شاہدہ بیٹی! تمہاری کُمی نہیں آئی۔ سب ایک دم ہنسے۔

کُمی ...... وہ کُمی ہے ...... پہلے والی کہاں گئی۔ زلیخا ہنس کر بولی۔

اس کی شادی ہوگئی ...... یہ ابا نے اور رکھوا دی ہے ...... اس کا نام کبرا ہے۔ شاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

اچھا...... کام اچھا کرتی ہے نا یعنی کہ کُمی ...... زلیخا نے ایک بسکٹ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

کام تو اچھا کرتی ہے ...... بلکہ چھٹی بھی کم ہی کرتی ہے۔ شاہدہ نے کہا۔

اسی خوشگوار ماحول میں چائے کا دور ختم ہوا۔

تیسرے دن وہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوگئی۔

سفید ساڑھی ...... بالوں کی دراز چوٹی ...... اور ہلکے زیور کے ساتھ وہ کس قدر خوبصورت اور دلکش سادہ پھول کی طرح نظر آ رہی تھی۔ سب آفس والے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے...... ان میں بہت چہرے نئے تھے اور پرانوں کی جگہ دوسرے چہروں نے لے لی تھی۔ عمران کی جگہ کوئی نیا لڑکا بیٹھا تھا۔

اسلام علیکم ......

مس انیلا نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر زلیخا کے کیبن میں داخل ہو کر کہا۔

وعلیکم السلام ...... آیئے آیئے ...... مس انیلا ...... تشریف رکھیے ...... زلیخا نے بڑے پرمسرت انداز میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

Thank You ...... انیلا سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

زلیخا اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

سنائیں کیسی ہیں آپ ...... زلیخا نے مسکرا کر کہا۔

ٹھیک ہوں ...... آپ بتائیں ...... آپ کیسی ہیں ...... ہمارے دلہا بھائی اچھے ہیں نا ......

اس کے ساتھ ہی انیلا ہنس دی۔

آفس ورکر دوسری لڑکی مس روبی بھی آ پہنچی ...... میڈم آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ روبی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

Thank You ...... روبی ...... زلیخا مسکرا دی۔

ایک عرصے کے بعد تو کوئی شوخ رنگ کا انتخاب کرتیں آپ ...... انیلا نے کہا۔

انیلا! آپ جانتی ہیں کہ آفس میں زیادہ سج بن کر آنا مجھے پسند نہیں۔ زلیخا نے سامنے ملازم کو آتے دیکھ کر کہا۔

آپ بجا فرماتیں ہیں میڈم ...... لیکن اب تو آپ کی شادی ہوئی ہے۔ روبی نے کہا۔

آپ کی بات درست ہے ...... لیکن یہ شادی رسم دنیا نبھانے کے لئے ہے۔ زلیخا نے اندر کا کرب چھپا کر مسکرا دیا۔

جی ...... میں سمجھی نہیں۔ روبی نے چونک کر کہا۔

اور انیلا نے تراشیدہ باتوں کو حیرت سے جھٹکا۔

لوگ تو نہ شادی شدہ عورت کو جینے دیتے ہیں اور نہ بیوہ کو ...... بس ایک رسم ہی ہے جو پوری کرنا ہر مظلوم عورت کا فرض بنتا ہے۔

روبی نے دیکھا ...... زلیخا کے صاف وشفاف چہرے پر دکھوں کے لاتعداد سائے رقص کناں تھے۔

آپ ٹھیک کہتی ہیں میڈم ...... انیلا نے ہاں میں ہاں ملائی۔

روبی سنجیدہ سی ہوگئی۔

زلیخا بی بی ...... آپ کو بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔ ملازم نے آ کر کہا۔

آ رہی ہوں ...... زلیخا نے کہا۔

شرافت ...... زلیخا نے جاتے ہوئے شرافت کو پکارا ......

جی ...... وہ پلٹا۔

اچھی سی چائے لاؤ ...... اور ساتھ ...... ہاں انیلا کیا پسند کرو گی ...... کباب یا سموسے ...... زلیخا نے دونوں کی طرف دیکھا۔

آپ صاحب کی بات تو سن لیں۔ روبی نے کہا۔

نہیں جی نہیں میں لے آتا ہوں...... زلیخا بی بی...... دو کیک پیس اور چائے میرے لئے بھی ......شرافت نے حسب عادت کہا۔

تمہارا تو پیٹ کبھی نہیں بھرا...... کل نثار صاحب نے چائے منگوائی۔ اس نے پی لی اور صاحب نے سب کے لئے بوتلیں منگوائیں...... اس نے دو کوک پی لیں...... روبی اور انیلا کھل کھلا کر ہنس دیں۔

اچھا...... خدا تمہیں ہمت دے شرافت...... جاؤ...... سب کچھ لے آؤ...... میں ابھی آئی ......وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

اب جلدی نظر لگ جائے گی...... روبی بی بی کی آنکھیں میری خوراک پر لگی ہیں۔ وہ جاتے جاتے بولا۔

فکر نہ کرو...... میری نظر نہیں لگتی۔ روبی نے کہا۔

انیلا ہنس دی۔

اور زلیخا باوقار انداز میں مسکرا کر بڑے صاحب کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

آئیے۔ آئیے مس زلیخا...... بیٹھئے......(M.D مینجنگ ڈائریکٹر رحمان بابا ایک رعب د جلال اور مہذب شخصیت کے مالک تھے...... ان کا کاروبار پاکستان کے بڑے بڑے تقریباً تمام شہروں میں پھیلا ہوا تھا...... بابا کمپنی کے نام سے مشہور تھے...... واحد بابا کمپنی تھی جہاں کوئی مزدور ہڑتال نہیں کرتا تھا اور تنخواہیں بڑھانے کے لئے جلسے جلوس نہیں نکالتا تھا۔ وہ خود اچھے تھے اور ان کے کارکن بھی محنت و مشقت سے کام کرتے تھے۔ اس لئے کاروبار میں کوئی مسئلے مسائل کا احتمال نہ رہتا تھا۔)

Thank You Sir...... زلیخا ان کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

سنائیے...... ٹھیک ہیں آپ...... سجاد صاحب اچھے آدمی ہیں...... رحمان بابا مسکرا دیئے۔

بہت شکر ہے سر...... آپ سنائیے...... بیٹیاں کیسی ہیں۔

سب ٹھیک ہیں اللہ کے کرم سے...... یہ لیجئے...... آپ کے لئے ایک اور خوش خبری۔''

ایک لیٹر زلیخا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

جی...... اس میں کیا ہے۔ وہ ان کے ہاتھ سے لیٹر پکڑتے ہوئے بولی۔

پڑھ لیجئے...... میں بائے پوسٹ ارسال کرنے کی بجائے آپ کو بدست دینا چاہتا تھا۔''

بڑے خوش نظر آرہے تھے۔

Thank You Sir...... میرے پاس الفاظ نہیں ہیں...... میں کس طرح...... وہ اس بڑی پرموشن پر حیران بھی تھی اور بے پناہ خوش بھی۔

ں بس...... اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے...... جاپان کی کمپنی نے آپ کو خود سلیکٹ کیا ......اور پرموشن کرنے کے بعد کراچی اپنی فرم میں چیف کے عہدے پر فائز کر دیا ہے ویسے بھی ہمارا ان کے ساتھ اشتراک ہے...... وہ پرمسرت انداز میں بولے۔

لن سر...... یہ کیسے ہوا...... کام تو ویسے ہی کیا تھا...... جیسے میں کرتی تھی۔ وہ حیرت سے بولی۔

ں لگن اور محنت ایمانداری سے کام کیا...... ان کو کروڑوں کا فائدہ ہوا...... یہ آپ کی محنت ر تھا۔ رحمان بابا بہت خوش کن انداز میں بولے۔

سب خدا کا کرم ہے سر...... وہ بولی۔

Good Luc...... بنگلہ کار ملازم...... بلکہ تمام سہولتیں میسر ہوں گی آپ کو...... و لے۔

یادہ آسانیاں بھی نہیں سر...... کہ میں مشقت سے گھبرا جاؤں...... وہ مودب ہنس دی۔

ے امید ہے کہ آپ جیسے لوگ آسانیوں سے سہل انگیز نہیں بنتے...... وہ مسکرا دیئے......

ا کرے ایسا ہی ہو...... وہ کھڑی ہو گئی۔

یا ہی ہوگا...... جذبہ صادق ہونا چاہئے...... وہ بولے

ے کب تک جانا ہوگا...... وہ بولی۔

بے شک آج ہی...... لیکن آج ٹریٹ دیجئے تمام آفس کو...... وہ بڑی پرخلوص مسکراہٹ ساتھ بولے......

ہیں نہیں سر...... فرمائیے...... ٹریٹ کہاں لیں گے...... یعنی کہ کس ہوٹل میں پسند کریں ے جیسے کوئی ٹھکانہ نہ مل رہا ہو۔

ں بھی نہیں...... شام کو اپنے ہی آفس کے بڑے ہال میں ہو گی...... وہ بولے۔

یک ہے سر......

ر اور بات...... نثار صاحب بہت محنتی آدمی ہیں...... ان کو میں نے آپ کی جگہ پر متعین ا ہے۔

یہ تو اور بھی اچھی بات ہے سر...... ان کی جفاکشی کی تو میں ایک مدت سے معترف ہوں...... نثار صاحب واقعی ایک اچھے انسان ہیں۔ زلیخا نے کہا۔

میرے تمام کارکن بہت اچھے ہیں...... میں چاہتا ہوں...... سب کو ان کی محنت کا ثمر بروقت ملنا چاہیئے۔

یہ آپ کا حسن نظر ہے۔ وہ مسکرا دیئے۔

آج نثار صاحب آفس نہیں آئے۔ زلیخا نے ان کی خالی سیٹ دیکھ کر کہا۔

ان کو میں نے دوسرے آفس بھیجا تھا۔

مجھے اجازت سر...... وہ اجازت طلب کرتے مودب کھڑی ہوگئی۔

وہ حسب عادت مسکرا دیئے۔

اور زلیخا کمرے سے باہر نکل آئی۔

سجاد زلیخا کو چھوڑ کر کراچی پہنچ چکا تھا...... ڈرائینگ روم میں قدم رکھتے ہی وہ چونک گیا۔

ٹھپ سے ریسور رکھا...... اور طاہرہ خانم اس کی طرف بڑھیں۔

تم نے مستقل مجھے پریشانیوں کے حوالے کر دیا ہے...... کب انسان بنو گے تم...... طاہرہ خانم نے جھنجھلا کر بڑے کرخت لہجے میں اپنے آپ کو صوفے پر گرایا۔

کیا ہوا امی...... وہ بونچکا سا رہ گیا......

آج پھر اس کا فون آیا ہے...... بلکہ تمہاری عدم موجودگی میں کئی مرتبہ آ چکا ہے۔ آخر وہ ہے کون......

سجاد کا ماتھا ٹھنکا۔

کس کا......

جس سے تم نے شادی کی ہوگی۔ غضب خدا کا...... مجھے علم ہی نہیں۔ وہ پیشانی پر تیوری ڈال کر بولیں۔

وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔ (فون نمبر کہاں سے لیا)

بولتے کیوں نہیں ہو...... کون ہے......

یہ جھوٹ ہے امی...... میں نے شادی نہیں کی...... سجاد نے انکار میں سر ہلایا لیکن آنکھیں کچھ کہہ رہی تھیں۔

بکواس کرتے ہو تم...... تمہاری آواز تمہاری زبان کا ساتھ نہیں دے رہی۔ وہ گرج کر بولیں۔

کسی نے الزام لگایا ہے...... میں نے کوئی شادی وادی نہیں کی...... وہ نظریں چرا کر بولا۔

خیر تم مانو یا نہ مانو...... میں ماں ہوں...... تمہیں اچھی طرح سے جانتی ہوں...... طاہرہ خانم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

اور وہ خاموش رہا۔

جو لڑکی تمہیں فون کر سکتی ہے...... کل کلاں کو یہاں آ گئی تو......

میں سمیٹ لوں گا۔ وہ ایک دم بول اٹھا۔

دیکھا...... سچ تمہاری زبان سے اگل پڑا...... تم نے اس لڑکی سے شادی کی ہے۔ جس کا نام زلیخا ہے۔ بعد میں سجاد کو احساس ہوا کہ اب جھوٹ کی کوئی گنجائش نہیں ہے...... وہ خاموش طاہرہ خانم کی باتیں سنتا رہا۔

اب تمہاری شادی ہو چکی ہے...... زلیخا ایک سمجھداری زیرک لڑکی ہے...... وہ تمہیں اچھی طرح سمجھ چکی ہے...... طاہرہ خانم نے کہا۔

کیا مطلب ہے آپ کا۔ اگر وہ یا اس کا کوئی عزیز یہاں پہنچ گیا تو کیا ہوگا...... طاہرہ خانم کا انداز تشویش ناک تھا۔ انہوں نے زلیخا کو قطع نظر کرتے اگلی بات شروع کر دی۔

یہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ وہ سراسیمگی کے عالم میں بولا...... ٹیلی فون سے وہ پریشان ضرور تھا۔

ایک دم دھڑاک کی آواز آئی......

سیلاب آ گیا...... تم آرام سے اندر نہیں آ سکتے...... طاہرہ خانم بری طرح اچھلیں......

باہر کوئی انگریزی صاحب آئے ہیں جی۔ کریم نے حسب عادت گھبرا کر کہا۔

کون ہے سجاد ٹھٹھکا......

معلوم نہیں جی...... وہ سڑک پر ٹیکسی والے کو پیسے دے رہے تھے...... میں بھاگ کر اندر آ گیا۔ وہ عجلت میں بولا۔

اوہ...... ساتھ والوں کا ہوگا...... کوئی مہمان...... سجاد نے سکون لیا۔

نہیں جی نہیں...... اپنے گیٹ کے سامنے سڑک پر رکا ہے جی...... کریم نے زور لگا کر اپنی بات میں وزن پیدا کرنا چاہا۔

لو...... لو...... آ گیا...... کریم نے اچھل کر کہا۔

بکواس بند کر...... جا کے دیکھ...... سجاد گھبراہٹ کے عالم میں چلایا......

طاہرہ خانم نے سارے ماحول کا جائزہ لے لیا تھا کہ کوئی ایسا شخص ہے جس کے لئے سجاد کے چہرے کا رنگ متغیر ہے۔

چند لمحوں میں کریم پھر لوٹ آیا۔

ہاں......طاہرہ خانم نے کہا۔

ڈیوڈ جان ہے جی...... کہہ رہا ہے میں امریکہ سے آیا ہوں......

ہیں......سجاد کے منہ سے ایک دم نکلا......

پہنچ گیا۔طاہرہ خانم نے کہا۔

لیکن کیسے امی جان......وہ چلا اٹھا۔

بڑے ذرائع ہیں......یہ مشینی دور ہے......کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔میں نے ڈرائینگ روم میں بٹھا دیا ہے۔وہ طاہرہ خانم کو جاتے دیکھ کر بولا۔

الو کے پٹھے......تم نے کیوں ڈرائینگ روم میں بٹھایا۔سجاد نے جھنجھلا کر کریم کو گردن سے دبوچ لیا۔

جناب میں کیا کرتا......وہ خود مجھ سے آگے آگے آ رہا تھا۔جیسے اسی گھر کا فرد ہو......جیسے داماد کا گھر ہو......کریم نے گردن چھڑا کر سانس کو درست کیا۔

سجاد سہما سہما سا صوفے پر بیٹھ گیا۔

مجھے تو دال میں کالا لگے......کریم نے عادت سے مجبور پھر کہا۔

دور ہو جا......میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا......سجاد پھر مارنے کے لئے دوڑا......لیکن وہ باہر نکل گیا۔

صورت دیکھے بنا گزارہ کہاں ہوگا......

آداب......مسٹر ڈیوڈ جان نے مودب کھڑے ہو کر کہا۔

آداب......تشریف رکھئے......طاہرہ خانم نے بغور مسٹر ڈیوڈ جان کے سراپا کو دیکھا......وہ دراز قد،نحیف بدن بہترین براؤن گرم سوٹ میں ملبوس سر پر ہیٹ نما ٹوپی......وہ دیکھنے میں بالکل عیسائی نظر آ رہا تھا۔

میں ڈیوڈ جان ہوں......اور ریٹا کا باپ ہوں......اس حوالے سے میں سجاد کا خسر ہوں

...وہ بے تکلف بولا۔

جی......جانتے ہوئے بھی وہ چونک گئیں......

جی ہاں......سجاد کدھر ہے......میں اس سے بہت ضروری ملنا چاہتا ہوں......وہ ڈرائینگ روم کے لرزیدہ پردے کو دیکھ کر بولا۔

سجاد یہاں نہیں ہے......وہ کام کے سلسلے میں باہر گیا ہوا ہے۔وہ بولیں۔

وہ کوئی کام نہیں کر سکتا......سوائے اس کے کہ دوسروں کے پیسے کو فراڈ کے ساتھ ہڑپ کر لے۔

مسٹر ڈیوڈ جان غصے میں کھڑا ہو گیا۔

آپ میرے بیٹے پر کیچڑ مت اچھالئے......مطلب کی بات کریں......طاہرہ خانم کو بھی غصہ آ گیا۔

آپ کو علم ہونا چاہئے......وہ میرا داماد بھی ہے......میری معصوم بیٹی کے ساتھ اس نے پہلے عشق کا ڈھونگ رچایا پھر اس کو دھوکے سے مسلم کیا......اور اب میری ریٹا......مسٹر ڈیوڈ کی آواز حلق میں اٹک گئی۔

کیا سجاد نے ایک کرسچن لڑکی سے شادی کی۔انہونی بات سن کر جیسے طاہرہ خانم کی چیخ نکل گئی۔وہ سوچ بھی نہ سکتی تھیں کہ سجاد کا معیار اس قدر پست ہوگا......

سجاد جب امریکہ آیا تو جوزف کے ساتھ اس کے گھر میں ٹھہرا......جوزف رشتے میں میرا عزیز ہے......لیکن بہت ہی شریف انسان ہے۔میں نے ریٹا کی منگنی بچپن میں اس سے کر دی تھی......لیکن جوزف کا میرے علاوہ دنیا میں اور کوئی قریبی نہیں تھا۔ریٹا کیلیفورنیا کے ایک ہسپتال میں بطور نرس کام کرتی تھی......آپ کے بیٹے نے ذہنی ٹارچر دے دے کر اس کو کینسر کا مریض بنا دیا۔وہ اس مرض کے ساتھ ذہنی مریضہ بھی بن چکی ہے۔وہ بڑے دکھ سے سر سے ٹوپی اتار کر بولا۔

میرا بیٹا اس قدر پست خیالات کا......میں سوچ بھی نہیں سکتی......طاہرہ خانم کو بہت افسوس ہو رہا تھا۔

میں اپنی بیٹی کے دکھ کو اچھی طرح جانتا ہوں......

میں تو اس مخمصے میں پڑی ہوں کہ اس نے ریٹا سے شادی کس طرح کر لی......وہ زبردست حیرت سے بولیں۔

بتاؤں آپ کو......سنیئے......ڈیوڈ گویا ہوا۔

سجاد ایک دن جوزف کے ساتھ ہسپتال گیا اور اس کے بعد جوزف کے بغیر بھی سجاد ہسپتال ریٹا کے پاس جانے لگا...... وہاں اس نے میری بیٹی کو اپنے عشق کے جال میں پھنسالیا۔
اور ایک دن ریٹا ڈیوٹی آف کر کے گھر آنے ہی والی تھی کہ یہ اسے ملا۔
ریٹا......اس کی آواز سن کر ریٹا نے پلٹ کر دیکھا۔
آپ ...... اس وقت ۔ریٹا نے آسمان کی طرف دیکھا ...... شام گہری ہو چلی تھی اور شب کے سیاہ سائے کائنات کو اپنی لپیٹ میں دھیرے دھیرے لے رہے تھے۔
کیا یہ وقت اچھا نہیں ہے۔سجاد اس کے قریب آ گیا۔
اچھا تو ہے ......وہ جھجک رہی تھی ......شاید وہ ایسی لڑکی ہی نہ تھی ......
پھر کیا بات ہے ......کیا میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔وہ چہرے پر حد درجہ انسیت اور چاہت لاتے بولا۔
نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے ...... دراصل میں جوزف کے علاوہ کبھی دوسرے کے ساتھ کہیں جاتی ہی نہیں۔وہ سچ بولنے پر مجبور ہوگئی۔
خیر آپ کو برا تو نہیں کہوں گی ......میرا مطلب کہ اچھا نہیں لگتا......وہ ہنس دی۔
اچھا نہیں ......ارے بھئی یہ کیلیفورنیا ہے ...... یہاں برا نہیں لگتا......آؤ ...... یہاں نزدیک ہی ہے ......آ جاؤ ......پلیز۔سجاد کی عاجزانہ پیشکش کو ریٹا ٹھکرا نہ سکی ......دونوں ہسپتال کے قریب ہی ایک چھوٹے سے خوبصورت ریسٹوران میں چلے گئے ...... باوردی بیرا چائے رکھ گیا......
میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔وہ آہستہ سے بولا۔
مجھ سے ......کوئی خاص باتیں ہیں۔ریٹا کا ماتھا ٹھنکا ......کیونکہ وہ اکثر ملاقاتوں میں حالانکہ جوزف اس کے ساتھ ہوتا تھا سجاد کی نگاہوں سے ٹپکنے والی محبت اور پسندیدگی کو جان چکی تھی۔
تم جانتی ہو ریٹا ...... میں تم سے کس قدر محبت کرتا ہوں ......وہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرنے لگا۔
یہ آپ کا ذاتی فعل ہے ......وہ کپ کو گھما کر بولی۔
تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے ......وہ پھر بولا۔
وہ کھل کھلا کر ہنس دی۔

ہنس کیوں رہی ہو۔وہ سنجیدگی سے بولا۔
اس لئے کہ میں اس قدر حسین ترین بھی نہیں ...... بلکہ انگریز بھی نہیں ......عیسائی ہوں...... وہ بولی۔
میری چاہت میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ...... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔وہ بڑی بیباکی سے کہہ گیا۔
کیا......آپ کو معلوم ہے......تم کیا کہنا چاہ رہے ہو......وہ ایک دم جیسے سکتے میں آ گئی۔
مجھے معلوم ہے ......اور میں پوری طرح ہوش وحواس میں تم سے کہہ رہا ہوں ......وہ والہانہ انداز میں بولا۔
اُف......سجاد ......آپ نے کیا کہہ دیا ...... یہ نہیں ہو سکتا ......ریٹا کا دل بری طرح اُچھلا......اس کے رُخساروں پر شفق سی پھیل گئی۔سجاد نے دیکھا لوہا گرم ہے۔چوٹ کارگر ثابت ہوگی۔
میں تم سے شادی کر کے تمہیں اپنانا چاہتا ہوں ......یقین کرو ریٹا۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔
سجاد ......تمہیں واقعی مجھ سے اس قدر محبت ہے۔وہ دل کے درد کو دباتے ہوئے بولی۔
یقین کرو ......ریٹا ......تم میری زندگی کا حاصل بن چکی ہو...... میں تمہیں اپنا کر رہوں گا ......چاہے فلک بوس چٹان بھی میرا راستہ روک لے ......
او مائی گاڈ ......تم اس قدر سنجیدہ ہو ......وہ بغور سجاد کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولی۔
میرے لئے یہ زندگی کا اہم مسئلہ ہے۔وہ بولا۔
تم جانتے ہو نا کہ میں کرسچین ہوں ......شاید ریٹا کو یقین نہ آ رہا تھا۔
بھئی میں جانتا ہوں ......اور میں تمہیں اپنے رنگ میں رنگ لوں گا۔وہ بڑے جذبہ صادق سے بولا۔
اچھا......وہ مسکرا کر کھڑی ہوگئی۔
وہ بھی کھڑا ہو گیا۔
چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا ......دونوں گاڑی میں سوار چل دیئے ......ریٹا کے گھر کے سامنے گاڑی روک کر سجاد نے ریٹا کو اُتارا اور خود گاڑی واپس موڑ لی۔

بہت دیر کر دی ...... کہاں تھیں۔ ڈیوڈ جان اپنی سیٹ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔
میں ...... ہسپتال سے ہی لیٹ نکلی تھی۔ وہ جھوٹ کا سہارا لے کر بولی۔
جھوٹ مت بولو ...... تم آج سجاد کے ساتھ باہر تھیں ...... وہ اپنی گھڑی دیکھ کر بولا۔
ہاں! فادر ...... سجاد اچھا آدمی ہے ...... وہ بولی۔
وہ مجھے اچھا نظر نہیں آتا ...... تمہیں اس کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ جوزف تمہارا منگیتر ہے ...... اس کے ساتھ باہر جاؤ ...... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ڈیوڈ جان کافی ناگواری سے بولا۔
دروازہ کھٹاک سے بند ہوا ...... گاڑی رکنے کی آواز آتے ہی دونوں نے سانس روک لئے۔ جوزف آ گیا۔
فادر ...... آپ کے لئے ایسی میڈیسن لایا ہوں ...... جو بدن میں طاقت بھر دے گی۔ جوزف نے بند پیکٹ میں شیشی اچھال کر کہا۔
مائی سن ...... کیا ہے یہ ...... وہ جوزف کے ہاتھ سے پیکٹ لیتے بولا۔
فادر آپ کے لئے لایا ہوں ...... تم ...... کہاں تھی ...... سجاد کے ساتھ باہر گئی تھی ...... جوزف اس کی طرف پلٹ کر بولا۔
تمہیں کس نے بتایا ...... ریٹا بولی۔
مجھے ماریہ نے بتایا تھا وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔
آئندہ خیال رکھنا میری بچی ...... جوزف بہت اچھا آدمی ہے۔ ڈیوڈ اٹھتے ہوئے بولا۔
جانتی ہوں فادر ...... وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے میں لوٹ گئی۔
ریٹا ...... وہ دروازے میں پکارا۔
Come In ...... وہ اٹھتے ہوئے بولی۔
دیکھو ریٹا ...... میں اپنا حق تم پر مسلط کرنا نہیں چاہتا ...... لیکن اتنا خیال ضرور رکھنا کہ سجاد مجھے اچھا انسان نظر نہیں آتا ...... وہ جیسے اس کو خبردار کرنا چاہتا تھا۔
تمہارا کہنے کا مطلب کیا ہے۔ وہ مسکرا دی۔
مطلب یہ ہے کہ اس کے اور بھی کئی لڑکیوں سے تعلقات ہیں ...... اس کی اس عادت سے میں خائف ہوں۔ جوزف نفرت سے بولا۔

تمہیں تو ویسے بھی عورتوں سے الرجی ہے۔ وہ جوزف کی خامی ظاہر کرنے لگی۔
جو مرضی جان لو ...... میں تمہیں سے محبت کرتا ہوں اور تمہیں کو چاہتا ہوں ...... وہ بڑی چاہت سے ہنس دیا۔
Ok ...... وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔
لیکن بات اس پر ہی ختم نہیں ہوئی ...... سجاد اکثر ریٹا کے پاس جانے لگا ...... اور اپنی محبت کے دام میں اس قدر پھنسا لیا کہ وہ پوری طرح اس کے فریب میں آ چکی تھی ...... وہ یکسر فراموش ہی کر چکی تھی کہ جوزف اس کا منگیتر ہے اور اس سے بے پناہ محبت بھی کرتا ہے ......
ایک مرتبہ خوبصورت ہوٹل کے باہر گراسی لان میں پھولوں کے کنج میں بیٹھتے ہوئے وہ بولا۔
ریٹا ......
ہوں ...... وہ بولی۔
میری بات کا جواب کب دو گی۔ وہ بڑے عاجزانہ انداز میں بولا۔
سجاد ...... تم سمجھتے کیوں نہیں ہو ...... مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔ وہ سجاد پر اپنی مجبوری ظاہر کرنے لگی۔
کیا فرق ہے۔ وہ بولا۔
دیکھو ...... ہمارے مذہب کا سب سے بڑا فرق ہے ...... ہم کس طرح ایک ہو سکتے ہیں۔ وہ خود پریشان دکھائی دینے لگی۔
کیوں نہیں ایک ہو سکتے ...... تم اسلام قبول کر لو ...... وہ بولا۔
کیا ...... میں اپنا مذہب چھوڑ دوں ...... اس طرح تو برادری سے نکل جاؤں گی ...... وہ سٹپٹا کر اس کی طرف پلٹ کر بولی۔
تو کیا فرق پڑتا ہے ...... محبت میں لوگ تخت ٹھکرا دیتے ہیں ...... تم مذہب نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ بڑے جذبے سے بولا۔
مجھے ابھی اور وقت چاہئے ...... اس کے لئے مجھے فادر سے بات کرنا ہو گی ......
تمہیں کتنا وقت چاہئے ...... میں تمہارے بغیر بڑا بے چین رہتا ہوں ...... اور ......
جب ریٹا نے بات کی تو ڈیوڈ جان بری طرح اُچھلا ......
بس ...... بس اسی وقت کے لئے میں پریشان تھا۔ اس کا ماتھا جتنا خطرے کی گھنٹی بجا چکا تھا

......

فادر وہ اچھا انسان ہے ......شریف ہے ...... باعزت ہے ...... وہ بولی۔

وہ باعزت ہے ...... میں عزت نہیں رکھتا ...... اور اب کیا عزت رہے گی کہ کرسچین بیٹی ایک مسلمان سے شادی کرے گی ...... کاش کاش ...... اے باپ ...... مجھے اٹھا لے ...... یسوع مسیح مجھے کس گناہ کی سزا دی ہے۔

ڈیوڈ جان بے کس مجبور ولاچار سجدے میں جھک گیا اور بلک بلک کر رو دیا۔

فادر ...... کیا بات ہے ...... تم نے کچھ کہا ...... جوزف دیوانہ وار اندر آیا اور ڈیوڈ جان کو ٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ روتا رہا ......اس کے جسم کے خفیف جھٹکوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت رو رہا ہے۔

فادر ...... آخر ایسی کونسی بات ہو گئی ہے ...... جو آپ اس قدر پریشان ہیں ......

اس سے پوچھو ...... یہ کیا کر رہی ہے ...... یہ ...... یہ ...... وہ جذباتی انداز میں ریٹا کا گلا بانے کے لئے اس کی طرف بڑھا ......

فادر ...... جوزف نے ڈیوڈ جان کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

ہنہ ...... ریٹا اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

آج پھر سجاد کے ساتھ گئی ہو گی۔ وہ تلخ انداز میں بولا۔

آج نہیں ...... وہ ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ جانا چاہتی ہے ...... فادر نے سسکتے ہوئے کہا۔

کیا ...... ہمیشہ کے لئے ...... کیا مطلب؟ ...... جوزف کی گرفت ڈیوڈ کے بدن پر ڈھیلی ہو ئی ...... اندر جیسے کسی غیر مرئی طاقت نے اس کی ساری توانائی چھین لی ہو ...... وہ نیم ردہ سا ہو گیا۔

ریٹا ...... سجاد سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ ڈیوڈ جان چہرے پر سے آنسو صاف کرتے بولا۔

یہ کس نے کہا۔ اور کیسے ہو سکتا ہے ...... دو مختلف مذاہب ...... شاید اب بھی جوزف کو یقین نہ ہا تھا۔

میرے بچے ...... وہ مسلمان ہو جائے گی ...... تب ہی شادی ہو گی۔ ڈیوڈ جان نے جیسے زف کو سمجھایا۔

وہ ریٹا کو مسلم بنائے گا ...... ریٹا اپنا مذہب ترک کر دے گی۔ جوف بولا۔ اس کے لہجے میں ہراس پایا گیا تھا۔

ہاں ...... یہ اپنا مذہب چھوڑ دے گی ...... اور مسلمان ہو جائے گی۔ ڈیوڈ جان بولا۔

اگر اس کو اس قدر محبت ہے ریٹا سے تو وہ عیسائی ہو جائے۔ جوزف کے اندر نفرت و حقارت کا لاوا پکنے لگا۔

مسلمان کبھی اپنا مذہب نہیں چھوڑتا ...... کبھی تو نے دیکھا کہ کوئی مسلم عیسائی مذہب اختیار کر رکا ہو ...... یا کسی نے کیا ہو ...... ڈیوڈ جان نے اپنا سر پیٹ لیا۔

فادر ...... اپنے آپ کو درست کریں ...... اس طرح رونے پیٹنے سے کیا حاصل ...... وہ ڈیوڈ جان کو اطمینان دلانا چاہتا تھا۔

تو بھی رو ...... تو کیوں نہیں رو رہا ...... کیا تو برباد نہیں ہوا ...... سجاد قزاق نے تیری محبت پر ڈاکہ نہیں ڈالا ...... تو کس قدر محبت کرتا تھا ریٹا سے ...... تیری محبت کو کیا ہوا ...... تو کیوں چپ ہے ...... ڈیوڈ جان نے جیسے جوزف کی غیرت کو ابھارنا چاہا۔

میں چپ نہیں ہوں ...... میرے اندر آہوں، سسکیوں کا ایک طلاطم موجزن ہے ...... ایک سیماب ہے جو ہر آن میرا جگر پارہ پارہ کر رہا ہے ...... لیکن فادر ...... آپ کا بلکنا نہیں دیکھ سکتا۔ میری وفا کا یہی ناطہ ہے ...... یہ ہاتھ ...... جنہوں نے مجھے پروان چڑھایا ان کو کس طرح ماتم کرتے دیکھ سکتا ہوں ...... میں ضبط کر رہا ہوں ...... جوزف نے جھک کر ڈیوڈ جان کے بوڑھے ہاتھوں کو چوم لیا۔

تو ہی اس کو سمجھا ...... شاید تیری بات مان جائے۔

آپ کا تڑپنا اسے برا نہیں لگا ...... اس کا دل نہیں پسیجا ...... تو میرے اندر کے زخم کب دیکھ سکے گا ...... جوزف نے روتے ہوئے ڈیوڈ جان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ڈیوڈ جان بولا۔

اچھا ...... میں اس سے بات کروں گا ...... آپ لیٹ جائیں ...... چائے لاؤں ...... ابھی لایا ...... جوزف نے چٹکی بجائی اور کچن کی طرف بھاگ گیا۔

اتنا پیار کرنے والا جوان تم نے کیوں چھوڑ دیا ...... ڈیوڈ جان سوچتا ہوا لیٹ گیا۔

چند لمحوں میں جوزف چائے کا کپ لئے ڈیوڈ جان کے پاس آیا۔

فادر ...... لیجئے ...... چائے ...... جوزف نے ڈیوڈ جان کو ذرا سا ہلایا ......

لے آیا......تو تو سچ مچ جلدی آ گیا......ڈیوڈ جان نے کپ کو پکڑا۔

ادھر آ ......کہاں جا رہا ہے ...... یہاں لے آ چائے ......ڈیوڈ جان نے جاتے ہوئے جوزف کو پکارا۔

آ رہا ہوں......وہ کہتا ہوا واپس لوٹ گیا۔

بیٹا......چائے پی لے ......وہ چائے لے کر ریٹا کے کمرے میں چلا گیا...... جہاں وہ تکیے پر سر رکھے رو رہی تھی......

لے چائے پی لے ......وہ قریبی میز پر چائے رکھ کر ریٹا کے پاس بیٹھ گیا۔

لیکن وہ روتی رہی......

تو کیوں رو رہی ہے...... برباد تو میں ہوا ہوں نا......رونا تو مجھے چاہیے......کس نیا کا کون نا خدا تھا......کیا معلوم......وہ اپنے کرب کو چھپا کر بولا۔

جوزف...... میں کیا کروں......وہ آنکھیں صاف کرتی بولی۔

وہی جو تیرا دل چاہے۔ جوزف نے اسے تپائی سے کپ پکڑایا۔

تمہیں برا نہیں لگا۔ وہ حیران سی رہ گئی۔

کیا برا لگے گا...... تمہیں اپنے ڈھب سے زندگی گزارنے کا حق ہے۔

تمہیں تو مجھ سے محبت تھی۔ وہ بولی۔

محبت تو اب بھی ہے۔ وہ بغور ریٹا کا چہرہ دیکھ کر بولا۔

تو پھر۔ وہ حیرت سے گویا ہوئی۔

پھر کیا...... میرا کام صرف محبت کرنا ہے...... یہ ضروری تو نہیں کہ شادی ہو......محبت کی کامیابی یوں بھی ہو جاتی ہے...... بے شک یہ ایک طرفہ محبت ہے۔ وہ چائے کا کپ اسے تھما کر باہر آ گیا۔

اور وہ سوچتی رہ گئی۔

اور سجاد کے ڈھب میں زندگی گزارنے کا ارادہ کر لیا"......ایک دن سجاد کے زبردست اصرار پر ایک عالم کے ہاں ریٹا مسلمان ہوئی اور سجاد کے دوستوں کے سامنے ان کی گواہی کے ساتھ ریٹا نے اسلام قبول کر لیا......شادی کے بعد چند دن تو سجاد ایک دوست کے ہاں قیام پذیر رہا......لیکن چند دنوں کے بعد اس کی بیوی نے صاف جواب دے دیا کہ...... ریٹا ڈیئر......

پلیز ناراض مت ہونا......ہمارا گھر چھوٹا ہے...... سمجھتی ہو نا میری بات ......فائزہ نے ریٹا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے خلوص سے کہا۔

ہاں......فائزہ میں سمجھتی ہوں ......تم ٹھیک کہہ رہی ہو ......واقعی تمہارا گھر چھوٹا ہے......اور تمہارے پانچ بچے بھی ہیں ......ریٹا نے کہا۔

فائزہ خاموش ہو گئی۔

شام کو سجاد واپس آیا تو ریٹا نے ساری بات گوش گزار کر دی۔

مجھے انور سے یہ امید نہ تھی۔ سجاد کو اچھا نہ لگا۔

اس میں انور کا قصور نہیں ہے ......ان کی مجبوری ہے۔ ریٹا نے کہا۔

کیا مجبوری ہے...... پہلے بھی میں رہ رہا تھا...... بھابی فائزہ نے کبھی ایسا نہ سوچا تھا......سجاد نے کہا۔

اب ہماری شادی ہو چکی ہے......ہمیں علیحدہ گھر کی ضرورت ہے......اس چھوٹے سے گھر میں دو خاندان کیسے رہ سکتے ہیں......ریٹا نے بہت سمجھانے کی کوشش کی۔

کیا کروں......کہاں سے گھر لاؤں ......تمہیں معلوم ہے کہ کس قدر رقم دینا پڑتی ہے...... اول تو کوئی لینڈ لیڈی پانچ سال کا پیشگی کرایہ لئے بغیر گھسنے نہیں دے گی۔ انجانے میں سجاد نے ساری مجبوری بیان کر دی۔

تم نے تو کہا تھا کہ یہ گھر تمہارا اور انور کا ہے......ریٹا کو یاد آ گیا۔

ہاں ...... ہاں ...... میں نے کہا تھا...... میں جھوٹ بولتا تھا۔ وہ اونچی آواز میں زچ ہو کر چلایا......

آہستہ بولو......ریٹا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

چند لمحے یوں ہی گزر گئے ......آخر ریٹا نے اس سکوت کو توڑا......سجاد ایک بات ہے......

اگر تم مانو تو......وہ سجاد کے قریب بیٹھ کر بولی۔

کیا......ایک دم سجاد نے کسی سوچ سے ابھر کر سر اٹھایا......

فادر کے ہاں چلے جائیں۔ وہ بولی۔

فادر کے......تمہارا باپ تو مجھے پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے...... مجھے قبول کیسے کرے گا......اور تمہارا عاشق......سجاد طیش میں بول اٹھا......

سجاد ......اپنی زبان پر قابو رکھو ...... میں کسی بھی جگہ جوزف کا ذکر پسند نہیں کرتی ......ریٹا بڑے ناگوار انداز میں بولی۔

جب تم وہاں رہو گی تو جوزف بھی وہیں مقیم ہے......سجاد نے کہا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔ وہ بولی۔

مطلب یہ کہ میں نہیں چاہتا کہ جہاں تم رہو......وہ وہاں رہے ...... سجاد نے نہایت سفاکی کا مظاہرہ کیا۔

وہ فادر کا بھتیجا ہے ...... فادر نے اس کی پرورش کی ہے ......اور اب جوزف کا وہ ہی گھر ہے۔ ریٹا بولی۔

تم بھی حصے دار ہو اس گھر کی ......سجاد کو خیال آ گیا۔

نہیں ......میں اب حصے دار نہیں ہوں ......ریٹا نے کہا۔

اچھا......اچھا......کچھ دن فادر کے ہاں رہ لو...... بعد میں کوئی بندوبست کرلوں گا۔

کسی دلفریب خیال کے تحت فوراً سجاد کے خیالات بدل گئے ......

دوسرے دن ڈیوٹی آف کرتے وہ سیدھی ڈیوڈ جان کے ہاں پہنچی ......

فادر......فادر......دیکھو کون آیا ہے۔ جوزف نے جھک کر کہا۔

کیا ہوا فادر کو......بہت دنوں سے ٹمپریچر ہے...... جوزف نے کہا۔

کوئی میڈیسن نہیں لی۔ وہ فادر کے پاس بیٹھ گئی۔

اتنی دیر میں ڈیوڈ جان اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔

فادر پلیز ساری ...... مجھے معاف کر دیں ...... ادھر دیکھیں میری طرف ......ریٹا نے بڑی منت سماجت کرتے ڈیوڈ جان کے چہرے کو اپنی طرف کرنا چاہا لیکن ڈیوڈ جان نے ریٹا کا ہاتھ جھٹک دیا۔

فادر......چھوڑیئے پرانی باتوں کو......ریٹا آپ سے ملنے آئی ہے ......جوزف نے کہا۔

تو بکواس بند کر ...... تیری نرمی کی وجہ سے سب کچھ ہوا ہے...... فادر نے بڑے غصے سے جوزف کو ڈانٹا......

فادر......جوزف کی کوئی خطا نہیں......سب میرا ہی کیا دھرا ہے۔ وہ ڈیوڈ جان کے شانے پر سر رکھے بری طرح رو دی۔

...ڈ جان نے جوزف کی طرف دیکھا۔

...ٹی نے ہاتھ جوڑ دیئے ......جس کا مطلب کہ معاف کر دو......

...با......اچھا......اب روتی کس لئے ہے ...... سجاد تمہیں خوش تو رکھتا ہے نا۔ ڈیوڈ جان نے ...ے سر پر محبت بھرا ہاتھ رکھا۔

......ٹھیک ہے۔ ریٹا نے آنسو صاف کرتے بات کو مختصر کرنا چاہا۔ میں تمہارے لئے ...ے بناؤں۔

...زف اٹھا۔

...بیٹھو ...... میں بناتی ہوں ...... وہ بڑے کرب سے مسکرائی ...... اور جوزف کی ...ف دیکھا۔

ڈیوڈ جان سے ادھر اُدھر کی بہت سی باتیں کرتی رہی ...... جوزف بھی چائے لے کر آ ...تینوں نے مل کر چائے پی ......شام کے دھندلکے پھیلنے لگے۔ لیکن اس کے دل نے ...ہنہ کیا کہ وہ رہنے کے لئے بات کرے ......وہ ہر بات میں کہتے کہتے رک سی جاتی ....اس کی رگ رگ سے واقف تھا......وہ سمجھ چکا تھا کہ ریٹا کچھ کہنا چاہتی ہے ......لیکن ...ں پا رہی۔ رات ہوتے ہی وہ جانے کے لئے تیار ہو گئی......

......میں چلتی ہوں......وہ بیگ کو شانے پر رکھتے ہوئے بولی۔

...میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔ جوزف نے موٹر سائیکل کی چابی گھمائی۔

...ت ہو رہی ہے ......تمہیں جوزف پہنچا دے گا......ڈیوڈ جان نے کہا۔

...نہیں ...... میں خود چلی جاؤں گی ......ٹیکسی لے لوں گی۔ وہ دروازے کی طرف جاتے ...بولی۔

...ب......جاؤ......God Help You......خدا تمہاری مدد کرے۔

...ٹ......وہ باہر نکل گئی۔

...نے بڑی اداس نگاہ سے جوزف کی طرف دیکھا۔

...تا ہے جیسے ریٹا خوش نہیں ہے۔ جوزف نے ڈیوڈ جان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

...خوش ہونا چاہئے ......اپنی مرضی سے شادی کی ہے ......خوش کیوں نہیں۔ ڈیوڈ جان ...ظر میں کرب و درد نمایاں تھا۔

یہ ضروری تو نہیں فادر۔ جوزف بولا۔

تم کہنا کیا چاہتے ہو...... کھل کر بات کرو۔ ڈیوڈ جان جوزف کے ساتھ چلتا چلتا صوفے کے پاس آ گیا۔

مجھے اس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ سجاد سے خوش نہیں ہے...... یوں لگتا ہے ...... اس کے اندر ایک طوفان ہے جو باہر نکلنے کی کوشش بھی کرتا ہے...... لیکن ساحل سے ٹکرا کر لوٹ جاتا ہے...... جوزف نے جیسے ڈیوڈ جان کو باور کروانا چاہا۔

میرا خیال ہے تم چہرہ شناس ہو۔ ڈیوڈ جان نے سارے دکھ کو ہٹا کر جوزف کے شانے پر ہاتھ مارا۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں...... کم از کم میں ریٹا اور آپ کو تو سمجھ سکتا ہوں۔ جوزف ہنس دیا۔

Good...... ڈیوڈ جان صوفے پر ہی لیٹ گیا۔

چند لمحے کمرے میں مکمل سکوت رہا...... ڈیوڈ جان اپنی سوچوں میں مگن رہا...... یوں لگتا ہے...... جیسے سجاد اچھا انسان نہیں ہے۔ ڈیوڈ جان نے سکوت توڑا......

شادی سے پہلے وہ جب بھی ریٹا سے ملا...... ایک منظم انسان کی حیثیت سے ملا۔ جوزف نے کہا۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔ ڈیوڈ جان چونکا۔

یعنی کہ ریٹا کو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آئی۔ جوزف نے کہا۔

اور اب...... جوزف کی بات پر ڈیوڈ جان نے پھر سوال کیا۔

اب وہ مکمل فراڈیا ہے...... کئی کمپنیاں شراکت میں اس کے ساتھ پھنس گئی...... اور اب رقم خرد برد کرنے کے بعد چھپ رہا ہے۔ جوزف کو باہر سے جو علم ہوا بعین ہی بتا دیا۔

اچھا...... تمہیں کس نے بتایا۔ ڈیوڈ جان حیران رہ گیا۔

بتایا کس نے ہے...... ویسے بھی میں سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں رکھتا...... خود اس کے بارے میں جانتا رہتا ہوں...... ان باتوں کا انکشاف بھی بعد میں ہوا۔ جوزف کو افسوس ہونے لگا۔

تھوڑا بہت تو مجھے بھی علم ہو چکا تھا کہ یہ شخص غیر معیاری ہے...... لیکن...... مرتا کیا نہ ...... ریٹا نے میری ایک نہیں مانی...... ڈیوڈ جان نے ایک کرب ناک سسکی لی اور خاموش ہو ...... اور جوزف کی طرف دیکھا۔

سجاد اپنے دیرینہ دوست انور کے ساتھ رہ رہا ہے۔ جوزف نے کہا۔

لیکن وہ گھر انور کا ہے...... اس کا نہیں...... ڈیوڈ جان نے شدید نفرت کا اظہار کیا۔

وہ تو کہہ رہا تھا کہ وہ گھر اس کا ہے...... انور اس کا کرایہ دار ہے۔ جوزف کو یاد آ گیا۔

اس کرتا ہے وہ...... وہ دوہری شخصیت کا مالک ہے...... ریٹا برباد ہو گئی ہے...... اس کے ہاتھوں لٹ گئی ہے...... تہی دست ہے وہ...... ڈیوڈ جان نے بے دلی کے ساتھ سر کو کی جانب گرا لیا۔

ہ حیات تنگ ہو گیا...... انور کی بیوی اب اور مداخلت پسند نہ کر سکی...... ایک دن اس اف صاف ریٹا کو مکان خالی کرنے کو کہا۔

ا کوشش کر رہا ہے...... امید ہے جلد ہی کسی فلیٹ کا بندوبست ہو جائے گا۔

ا سے کچھ نہیں ہوگا...... تم اپنے فادر کے ہاں چلی جاؤ...... وہ بولی۔

ٹا خاموش رہی۔

ت کو واپسی پر سجاد سے اس نے مکان کی بات کی۔

یا کروں...... گھر، گھر، گھر...... کہاں سے گھر لاؤں...... وہ بری طرح بوکھلا گیا......

یہاں نہیں رہ سکتی...... وہ اونچی آواز میں سٹپٹا کر بولی۔

رہ سکتی تو اپنے باپ کے پاس چلی جاؤ...... وہ چلایا۔

ہوگا...... وہ پاؤں پٹختے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

دوسرے دن سجاد کی عدم موجودگی میں وہ اپنا مختصر سا سامان لے کر ڈیوڈ جان کے ہاں چلی گئی۔

تم...... اکیلی...... سجاد کہاں ہے...... وہ جوزف کے شانے پر سر رکھے سسک اٹھی۔

بات ہے...... سجاد نے کچھ کہا...... جھگڑ پڑے ہو...... وہ پھر بولا...... اور اس کے ے بیگ لے لیا۔

ئی دنوں سے غائب ہے۔ وہ چہرہ صاف کرتے اپنے سانس کو قابو کرتے بولی۔

ہ ہے...... کیا مطلب...... وہ گھر...... یعنی کہ تمہارے پاس نہیں آیا۔ جوزف کے لہجے ت اور پریشانی تھی۔

...... وہ گھر نہیں آیا...... وہ جوزف کی طرف دیکھ کر گہرا سانس لیتے بولی۔

تمہارا اپنا گھر نہیں...... یعنی کہ وہ کس کا گھر ہے...... جوزف نے کہا۔

وہ میرا گھر نہیں ہے...... وہ انور کا گھر ہے...... سجاد اس کے گھر میں رہ رہا ہے۔ وہ آخری
تھا پر زور دے کر بولی۔

اس کا مطلب کہ سجاد جھوٹا ہے۔ جوزف کو گزشتہ ایام کی باتیں یاد آ گئیں۔

ہاں...... وہ ہمیشہ سے جھوٹا ہے...... نہ جانے کتنے جھوٹ بول چکا ہے...... وہ مجھ سے پہلے
بھی کھترین نامی لڑکی کو طلاق دے چکا ہے۔ وہ جوش سے سب کچھ اُگل گئی۔

وہ اتنا نیچ ہے...... اس نے دھوکہ دے کر تم سے شادی کی...... تمہیں دھوکہ دیا اس نے
...... جوزف کو بہت افسوس ہوا...... بے کلی اضطرابیت سے جوزف نے اپنے بالوں کو
پیشانی سے ہٹایا۔

سجاد نے مجھ سے نہیں...... میری جاب سے شادی کی ہے...... ہر ماہ وہ مجھ سے Pay چھین
لیتا ہے...... اب میں نے ایسا نہیں کیا تو اس نے راستہ بدل لیا۔ ریٹا نے کہا۔

حالات بگڑتے چلے گئے...... ریٹا مسلسل بیمار رہنے لگی...... ریٹا کی کوکھ میں پلنے والا بچہ
سجاد نے اپنے گلے کا پھندہ سمجھا تھا۔ اسے الزام لگا کے جوزف کا قرار دے دیا...... ریٹا اس
تہمت پر تڑپ اٹھی۔ سجاد بہت برا سہی...... لیکن وہ یہ نہ سوچ سکتی تھی کہ وہ ایسا گھناؤنا کھیل
بھی کھیل سکتا ہے...... ذہنی ٹینشن شین، ذہنی دباؤ...... تفکرات اور گھریلو نا مساعت حالات
نے اسے جسمانی مریض بنا دیا۔ چار ماہ کے بعد بچہ اس کی کوکھ میں ہی موت کا شکار ہو گیا
...... وہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی چل بسا لیکن ریٹا اس قابل نہ رہی تھی کہ حالات کا مقابلہ کر
سکتی...... ریٹا کو اسی ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا جس میں وہ کام کرتی تھی...... جوزف ہر
وقت اس کی تیمارداری کیلئے موجود رہتا...... لیکن ریٹا کو کوئی نہ بچا سکا...... وہ خون کے کینسر میں
مبتلا رہ کر جوزف کی گود میں دم توڑ گئی......

اور یہ فرعون اسے چھوڑ کر پاکستان آ گیا...... جسے انسانی رشتوں کا بھی پاس نہ رہا......

اس کے ساتھ ہی ڈیوڈ جان چیخ چیخ کر رونے لگا...... اس کی سسکی بندھ گئی۔ ماحول بہت دیر
تک پرفسوں رہا...... نہ ہی طاہرہ خانم نے کوئی بات کی اور نہ ہی ڈیوڈ جان بولا...... وہ
صرف چہرہ رومال میں چھپا کر روتا رہا...... اس کی حالت غیر کو دیکھ کر طاہرہ خانم میں اتنی ہمت
بھی نہ تھی کہ وہ ڈیوڈ جان کو دلاسا دے سکے...... صرف ایک خوف غالب آ رہا تھا کہ کہیں

برادری اور خاندان والا آ نہ جائے...... نہیں سجاد کی شرافت کا بھید ظاہر نہ ہو جائے......

چند لمحے اور گزر گئے...... آپ نے ریٹا کی شادی جوزف سے کیوں نہیں کی۔ طاہرہ خانم
نے کہا۔

کیسے کرتا...... سجاد نے اپنی چاہت کا اس قدر جادو چلا دیا تھا کہ وہ سجاد کے علاوہ کسی اور سے
شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی...... سجاد کے لئے اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ ڈیوڈ جان نے
طاہرہ خانم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔

طاہرہ خانم جواب میں خاموش رہیں...... جواب کے لئے کچھ تھا ہی نہیں...... سجاد نے پھر
بھی میری بیٹی کا بھرم قائم نہ رکھا...... اس کو بے یار و مددگار چھوڑ کر پاکستان آ گیا۔

ڈیوڈ جان نے اپنے رومال سے چہرہ صاف کیا...... اور دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

دیکھیں مسٹر ڈیوڈ جان...... آپ کی بیٹی دنیا سے رخصت ہو گئی...... اب سجاد کا تعلق تو ٹوٹ
گیا نا...... طاہرہ خانم نے چاہا کہ یہ شخص کسی طریقہ سے جان چھوڑ دے۔

کیا؟...... تعلق ٹوٹ گیا...... ابھی نہیں ٹوٹا تعلق...... ریٹا اس کے نکاح میں تھی...... میں وہ
رقم وصول کروں گا جو میں نے ہسپتال میں اس پر لگائی ہے...... اتنی آسانی سے اس کی جان
نہیں چھوڑوں گا۔ ڈیوڈ جان سامنے آویزاں سجاد کی تصویر سے مخاطب ہو رہا تھا۔

جی...... طاہرہ خانم کی روح ایک دم قفس عنصری سے پرواز کر گئی...... نہ جانے کتنی رقم کا
ہرجانہ بھرنا پڑے...... ان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا......

چند لمحے سوچنے کے بعد وہ پھر گویا ہوئیں۔

میں سجاد سے بات کروں گی۔

آپ کیا بات کریں گی...... میں خود اس سے ملاقات کروں گا۔ وہ بولا۔

لیکن وہ تو یہاں نہیں ہے۔ وہ جھوٹ بول گئیں۔

وہ یہیں ہے...... کہیں نہیں جا سکتا...... ڈیوڈ جان اٹھ کر ڈرائنگ روم میں گھومنے لگا۔

ادھر کریم نے جا کر سجاد کو سب کچھ بتا دیا۔

مکار...... وہ جان نہیں چھوڑے گا...... جا ہی نہیں رہا۔ کریم نے زور زور سے سر ہلایا۔

صاحب جی...... ایک بات پوچھوں...... کریم بولا......

پوچھو...... سجاد نے سرگوشی کی۔

ڈرائینگ روم بہت دور ہے......بے شک کھل کے بات کریں......کریم زور سے ہنس دیا۔

بکواس بند کرو......میری جان پر بنی ہے......

جناب......ایک شادی کے بعد آدمی کا دل بھر جاتا ہے......اور آپ......شادی پہ شادی......شادی پہ شادی......آخر میں سجاد نے کریم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

تو زبان بند نہیں رکھ سکتا خبیث......چپ ہو جا۔

صاحب جی......چھوڑیئے......دم گھٹ گیا میرا......کریم نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو آزاد کروایا۔

جا کے دیکھ......وہ مصیبت گئی کہ نہیں۔سجاد فکر مند ہو گیا۔

میں نہیں جاتا......میرے منہ سے کوئی بات نکل گئی......تو آپ ناراض ہوں گے......آپ کو پتہ ہے ناکہ......میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔

کریم نے اپنی تعریف خود کرتے خود ہی اپنا شانہ سجاد کے قریب کیا۔

ہاں ہاں تو تو سچ کی پوٹ ہے......دفع ہو جا......دیکھ جا کر لیکن باہر سے......سجاد نے ایک تھپڑ کریم کے شانے پر مارا......اور کریم بچتا بچاتا باہر کی طرف بھاگا۔

کریم کے جاتے ہی سجاد کی سوچوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا......وہ نہیں چاہتا تھا کہ زلیخا کو کسی بات کا علم ہو۔اسے یہ بھی اطمینان تھا کہ اس کی ماں معاملے کو سمیٹ لے گی۔

طاہرہ خانم کو ہرگز یہ علم نہ تھا کہ ان کا اکلوتا بیٹا بیرونِ ملک اس قسم کی گھٹیا حرکت کرے گا......

اب آپ ہرجانہ وصول کرنے آئے ہیں......طاہرہ خانم نے کہا۔

میں نے کسمپرسی حالات کو دیکھ لیا ہے......آپ اس قدر بڑے جرم و گناہ کا ہرجانہ ادا نہیں کر سکتیں۔میں اب ایک اور مقصد پورا کروں گا......وہ خاموش نگاہیں گھما کر دیکھنے لگا۔

کونسا مقصد؟......طاہرہ خانم کی سٹی گم ہو گئی۔

وہ کھتری نامی عیسائی اور لڑکی کا بھی مجرم ہے......وہ سجاد کا پیچھا کر رہی ہے......جس کی بہت کثیر رقم پر سجاد ہاتھ صاف کر چکا ہے......ایک کام میں اور کروں گا......ڈیوڈ جان نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔

وہ کونسا ڈیوڈ جان......جلدی بولو......طاہرہ خانم نے لجاجت سے کہا......

مجھے یہ بھی علم ہو چکا ہے کہ سجاد نے چکر چلا کر ایک اور معصوم لڑکی زلیخا نامی سے شادی رچالی

ہے۔میں سب کچھ اس کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ڈیوڈ جان جیسے بے رحم ہو گیا ہو۔

تم اس طرح سجاد کی زندگی تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔طاہرہ خانم قریب آ گئیں۔

اس نے اتنی زندگی دوسروں کو تباہ کرنے میں گزاری ہے......آخر سجاد کو بھی تباہ ہونا چاہئے

تم......تم......گویا موجود ہو......ڈیوڈ جان بری طرح ٹھٹھکا......جب سجاد ڈرائینگ روم میں داخل ہوا......

بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے نکل جاؤ......ورنہ دھکے دے کر نکلوا دوں گا۔سجاد ڈیوڈ جان کی طرف غراتا ہوا بڑھا۔

سجاد......ہوش کے ناخن لو......طاہرہ خانم نے اسے وہیں روک دیا۔

اسے معلوم ہونا چاہئے کہ تمہاری بیٹی جو میری بیوی تھی اور جوزف کے بچے کی ماں......

اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا......ڈیوڈ جان کا بوڑھا ہاتھ ہوا میں لہرایا اور پوری طاقت سے زناٹے دار تھپڑ سجاد کے رخسار پر نشان چھوڑ گیا......

خبیث......دھوکہ باز، فریبی......قزاق......سب کچھ لوٹ کر اس الزام پر اتر آیا ہے......

ڈیوڈ جان بری طرح ہانپ رہا تھا۔

تو نے مجھے تھپڑ مارا......بڈھے......میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا......سجاد وحشیانہ انداز میں غراتا ہوا ڈیوڈ جان پر جھپٹا......لیکن فضا وہیں جیسے تھم سی گئی......

جب زلیخا نے بڑی تیزی کے ساتھ سجاد کے ہاتھوں کو تھام لیا......جو ڈیوڈ جان کے گریبان تک پہنچنے والے تھے۔

یہ حرکت کیسی ہے تمہاری......تم ایسے بھی ہو سکتے ہو سجاد......وہ بولی۔

تم......تم......کب آئیں۔طاہرہ خانم سراسیمگی کے عالم میں دیکھتی رہیں......

دو گھنٹے قبل بلکہ ڈرامہ شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے......زلیخا نے ڈیوڈ جان کی طرف دیکھ کر طنز کیا۔

میرا خیال ہے تم زلیخا ہو۔ڈیوڈ جان نے کہا۔

سجاد ابھی تک ساکن کھڑا تھا۔

جی ہاں میں زلیخا......اور پوری داستان بھی اول تا آخر سن چکی ہوں۔صبر اور بردباری زلیخا کا یازی نشان تھا۔

زلیخا...... یہ شخص جھوٹا ہے...... مجھے بدنام کرنا چاہتا ہے...... رہا معاملہ ریٹا کا تو وہ خود اچھی نہ تھی اس کے کئی......

ایسا مت کہو سجاد...... جب کوئی مرد کسی عورت کو چھوڑتا ہے تو اسی قسم کے الزامات لگا کر اس کی تشہیر کرتا ہے۔ سجاد نے شرمندہ سا زلیخا کی طرف دیکھا۔

زلیخا بیٹی...... میں جا رہا ہوں...... کل میری فلائٹ ہے۔ ڈیوڈ جان نے کہا اور پلٹا......

رکئیے...... ہرجانہ کی رقم بتا دیجئے تا کہ بندوبست ہو سکے۔ زلیخا نے کہا۔

اس شخص سے بچ کے رہنا...... اور میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے...... رہی بات ہرجانے کی تو وہ میں نے تمہارے صدقے معاف کیا۔ جب بیٹی نہیں رہی تو ہرجانہ کیسا...... میں جا رہا ہوں...... اس کے ساتھ ہی وہ باہر نکل گیا......

بیٹھیں امی جان...... سجاد نے دیکھا طاہرہ خانم غصیلے انداز میں کھڑی ہو گئی تھیں۔

ہنہ......

امی......

لیکن وہ پاؤں زمین پر مارتیں کمرے سے نکل گئیں۔ اب ان میں اور نبٹنے اور برداشت کی طاقت نہ رہی ہو......

سجاد...... یہ سب کچھ کیا ہے...... وہ جھلاتے ہوئے سجاد کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

کیا؟...... سجاد کے پاس اب کچھ نہیں تھا کہ کچھ کہہ سکے......

یہی...... ڈیوڈ جان تمہاری ہسٹری کھول کر گیا ہے۔ زلیخا کے چہرے پر زبردست نفرت اور ناگواری کے اثرات تھے۔

وہ بکواس کرتا ہے...... ٹھیک ہے نادانی میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے...... جیسا وہ...... وہ اپنی سچائی کا ثبوت دینا چاہتا تھا۔

خیر...... اب اس قصے کو تو چھوڑ ہی دو...... کوئی اور بات کرو...... وہ جھنجھلا کر ناگواری سے بولی......

چلو...... مٹی ڈالو...... تم نے اپنے آنے کی اطلاع ہی نہیں دی۔ سجاد خود چاہتا تھا کہ ڈیوڈ جان کے قصے کو ختم کیا جائے۔

کیا ضرورت تھی...... وہ مسکرا دی۔

تنی چھٹی لی ہے۔ سجاد نے کہا...... شاید اس کی محبت میں زلیخا پاگل نہ ہو گئی ہو۔

میری پوسٹنگ ہی کراچی ہو گئی ہے۔ وہ گہری نظروں سے دیکھتے بولی۔

واقعی...... سجاد نے بظاہر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

میں سچ کہہ رہی ہوں سجاد...... بلکہ بڑے زبردست اعزاز کے ساتھ...... وہ فخریہ نداز میں بولی۔

اچھا...... زلیخا نے دیکھا...... اس کے چہرے پر کچھ ناپسندیدگی کے رنگ نمایاں ہو ئے تھے۔

تمہیں خوشی نہیں ہوئی......

خوشی...... تمہارے آنے کی خوشی کیوں نا ہو گی...... تم بیوی ہو میری...... سجاد نے اب ظاہری کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔

کریم...... کریم...... مجبوراً زلیخا نے آواز دی...... وہ بھوک سے بے چین ہو چکی تھی۔

آ گیا جناب...... وہ قریب آ گیا۔

تمہیں معلوم نہیں تھا کہ زلیخا بی بی آئی ہیں...... کوئی چائے کا بندوبست کرو...... سجاد نے ی اپنائیت جتائی۔

سرکار انہوں نے منع کر دیا تھا...... پھر میں کیا کرتا۔ وہ گھگھیانے لگا۔

کیوں...... کس لئے منع کیا...... سجاد نے چونک کر زلیخا کی طرف دیکھا۔

دراصل میں تمہاری پوری کارگزاری ماضی کے حوالے سے جاننا چاہتی تھی...... کہ تم کیسے ان ہو...... زلیخا کے انداز میں نفرت کا شائبہ بھی ابھر رہا تھا۔

فع ہو جا یہاں سے...... کوئی کھانے کا بندوبست کر۔ ندامت اور شرمندگی کے ملے جلے ات کے ساتھ سجاد نے قالین پر ٹھوکر ماری...... اور کریم باہر نکل گیا۔

برا خیال ہے تم نے اس ڈیوڈ جان کی باتوں کا یقین کر لیا ہے...... جھوٹا شخص ہے...... سجاد نپٹاتے ہوئے سر اٹھایا۔

وہ جھوٹا نہیں ہے...... ورنہ ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے یہاں ہرگز نہ آتا۔ وہ اب طرح اندیشوں میں الجھ چکی تھی۔

اب کیا چاہتی ہو...... سجاد نے کہا۔

مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے ...... کیونکہ میں تمہاری شخصیت کے فریب میں بری طرح پھنس چکی ہوں ......اور میرا بوڑھا باپ یہی چاہتا ہے کہ میں خوش رہوں ...... وہ افسردہ سی ہو گئی۔

زلیخا آئندہ کی بات کرو ...... ماضی فراموش کر دو...... موقع کی مناسبت سے سجاد نے اپنے آپ کو التجا آمیز لہجہ اختیار کرنے کی سعی کی ......

لیکن ...... زلیخا کے اندر جو چور جنم لے چکا تھا ...... اس نے سجاد سے نفرت دلا دی تھی ......

زلیخا کو سجاد کی مسخ شدہ صورت سے گھن آنے لگی تھی ۔ اسے احساس بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ایسی روشن شخصیت کا مالک ایسا گھناؤنا روپ بھی رکھتا ہو گا ...... کرامت علی سے ہر بات کر لیتی تھی

......لیکن اب رقیہ بانو کی عدم موجودگی نے ان کو بھی کمزور اور بیمار بنا دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو تنہا سا محسوس کرنے لگے تھے۔

دن ہفتے اور مہینے گزرتے چلے گئے ...... زلیخا کو ایسے ناپختہ ذہن کے مالک انسان سے واسطہ تو رکھنا تھا ...... بے شک اس کو نفرت ہو چکی تھی۔ وہ فرم میں بہت بڑی تنخواہ وصول کر رہی تھی۔ اسے فرم کی طرف سے گاڑی بنگلے کی سہولت بھی میسر ہوئی تھی۔ اس نے گاڑی کے علاوہ بنگلے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اس پر بھی مالکان نے اس کے جذبات کو سراہا کہ وہ لالچی نہیں ہے۔ اس سے کسی اور کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ زلیخا کے اس رویے سے سجاد احساس کمتری کا شکار ہو چکا تھا لیکن اب وہ حسب خواہش زلیخا کی پوری تنخواہ پر قابض نہیں ہو سکتا تھا۔ سارے بھید کھل کر حسب خواہش زلیخا کی پوری تنخواہ پر قابض نہیں ہو سکتا تھا۔ سارے بھید کھل چکے تھے ...... وہ واپڈا میں کلرک کی اسامی پر تعینات تھا۔ اس کی چند ہزار تنخواہ تھی اور نہ ہی وہ اپنی آمدنی کو بڑھا سکتا تھا ...... وہ دن بدن اپنے آپ کو زلیخا کے سامنے کمتر سمجھنے لگا ...... وہ پستیوں میں اترتا چلا گیا ......اور زلیخا کی معنی خیز خاموشی اس کو بڑی شاق گزری ......اور جب یہ احساس ہوتا کہ کوئی فرمائش کرنے کی بجائے زلیخا خود شاپنگ کرتی ہے تو وہ احساس کمتری کے انگاروں میں بھسم ہو جاتا ...... وہ اپنے آپ کو بڑا چھوٹا تصور کرتا ......

او ہو ...... معاف کیجئے گا ...... آپ کو چوٹ تو نہیں آئی ...... انہی سوچوں میں مستغرق وہ ایک معمر عورت سے ٹکرا گیا...... اور چابکدستی سے گرتی ہوئی عورت کو تھام کر بولا۔

ارے نہیں بیٹا ...... اس آفس میں رش اس قدر ہے کہ کھوے سے کھوا چلتا ہے ...... وہ خاتون سجاد کو ایک شریف انسان جان کر مسکرا دی۔

آپ نے کہاں جانا ...... میرا مطلب کہ ملنا کس سے ہے۔ وہ بولا۔

میں نے واپڈا کے ایس ڈی او صاحب سے ملنا ہے۔ خاتون نے کہا۔

آئیے ...... میں پہنچا دیتا ہوں۔

مہربانی بیٹا ...... چلی تو میں خود بھی جاتی ...... انسانوں کی اِس بھیڑ میں میں گھبرا جاتی ہوں ...... وہ سجاد کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

کوئی بات نہیں ...... میں آپ کے ساتھ ہوں ...... وہ خاتون کے ساتھ چلتا رہا۔

تم یہاں کام کرتے ہو۔ خاتون نے بغور سجاد کے سراپا کو دیکھا۔

جی ہاں ...... میں یہاں سینئر کلرک کی اسامی پر تعینات ہوں۔

ایک کلرک کی تنخواہ کتنی ہو گی ...... میرا مطلب کہ مشکل سے ہی پیٹ پوجا والا معاملہ ہے۔ خاتون جانتی تھی کہ کلرک کتنی تنخواہ لیتا ہے۔

باتوں باتوں میں آفس آ گیا۔

ٹھہریئے میں پتہ کرتا ہوں کہ ایس ڈی او صاحب موجود ہیں۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر چلا گیا۔

اور چند سیکنڈ کے بعد واپس آ گیا۔

وہ تو دورے پر ہیں۔ ویسے بھی آفس ٹائم اوور ہو چکا ہے۔ وہ بولا۔

واپس چلیں۔ خاتون اس کے ساتھ ہی پلٹ گئی۔

آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں۔ خاتون نے دیکھا وہ رکشے کو دیکھ رہا تھا۔

Thank You ...... دراصل میری موٹر سائیکل ورکشاپ میں ہے۔ وہ کچھ جھینپ سا گیا۔

کوئی بات نہیں ...... تم میرے بچوں کی طرح ...... بیٹھو۔ وہ اپنے ساتھ والا دروازہ کھول کر کہنے لگیں۔

وہ اس زبردست اصرار پر انکار نہ کر سکا ...... اور خاتون کے ساتھ بیٹھ گیا۔

بس یہیں روک دیجئے ...... وہ سٹیرنگ پر ہاتھ رکھتے بولا۔

تمہارا نام کیا ہے۔ خاتون نے کہا۔

سجاد ...... وہ باہر نکلتے آہستہ سے بولا۔

اچھا ...... یہ لو میرا کارڈ ...... ہو سکے تو ضرور آنا۔

Thank You......سجاد نے کہا......اور خاتون نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔

O MY God......اتنے بڑے ریسٹوران کی مالک...... مسز اکرام...... سجاد نے کارڈ جیب میں ڈالا اور اندر داخل ہو گیا۔

چائے لاؤں صاحب جی۔ داخل ہوئے ہی کریم نے کہا۔

یہ چائے کا نہیں کھانے کا وقت ہے۔ وہ جلا بھنا سا بولا۔

چھوٹی بی بی نے آج کھانا خود بنانے کو کہا تھا۔ کریم نے کہا۔

ادھر زلیخا داخل ہوئی۔

تمہارے کان بند تھے...... میں نے کھانا لانے کو کہا تھا بنانے کو نہیں۔ وہ بڑے بڑے دو شاپر کریم کو تھماتے بولی۔

ظاہر ہے کھانا بنانے کا تمہارے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ وہ پیشانی پر ناگوار سے بل ڈال کر بولا۔

زلیخا نے پلٹ کر دیکھا......اس کے تیور بدلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

چلو چھوڑو...... آئندہ گھر میں کھانا میں بنا لیا کروں گی۔ وہ مسکرا دی...... وہ ماحول کو بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔

واہ بھئی واہ......چھوٹی بی بی...... بڑی پیاری خوشبو ہے......آج تو مزا ہی آ جائے گا۔ اس میں کیا ہے......وہ شاپر تھام کر بڑی رغبت سے بولا۔

بہت کچھ ہے......تم ٹیبل پر کھانا لگاؤ...... میں اور سجاد آ رہے ہیں۔ وہ باتھ روم کی رف جاتے جاتے بولی۔

سجاد ابھی تک خاموش کھڑا تھا۔

چھوٹی بی بی......دوپہر کا کھانا تو روز ہی لے آیا کریں۔ کریم کے منہ میں پانی آ رہا تھا۔

تو دفع ہو جا...... تجھے کس بات کی تنخواہ ملتی ہے۔ سجاد نے بڑے ناگوار موڈ سے کریم کو گھورا۔

وہ جا چکا تھا۔

زلیخا......وہ باتھ روم میں جاتے ٹھٹھکی۔

کیا بات ہے۔ تم نوکری چھوڑ کیوں نہیں دیتی۔ وہ بولا۔

کیا......نوکری چھوڑ دوں...... اتنے سالوں کی ریاضت...... تمہیں علم ہے میں نے اس مقام تک پہنچنے کے لئے کتنی محنت کی ہے...... کتنے امتحان پاس کئے ہیں۔ زلیخا کو یوں احساس ہوا جیسے سجاد نے اسے آسمان کی وسعتوں سے زمین کی پستیوں میں اتار دیا ہو......اس کا قد ایک بالشت کا ہو گیا ہو......

تمہیں اپنے گھر سے ملازمت زیادہ عزیز ہے۔ وہ بولا۔

گھر کو کیا ہے۔ چل تو رہا ہے......وہ لاپرواہی سے ہنس دی۔

نہیں چل رہا...... میں باہر سے آ کر اس گھر میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ اداکاری کرتے بولا۔

تو گویا......کھونٹے سے باندھ کر رکھنا چاہتے ہو۔ وہ برجستہ بولی۔

ہر بات کا غلط مطلب مت نکالا کرو۔ وہ چلایا۔

اور کیا......یہی مطلب ہے تمہارا......اس دور مہنگائی میں تمہاری قلیل آمدنی سے گزارہ ہونا مشکل ہے۔ وہ صاف صاف کہہ گئی۔

میں کوئی اور جاب تلاش کر لوں گا......تم بس نوکری چھوڑ دو......وہ احتجاجاً بولا۔

یہ نہیں ہو سکتا......وہ بیخ پا ہو گئی......اسے سجاد کے اندر کسی دھوکے اور بغاوت کی بو آنے لگی۔

کیوں نہیں ہو سکتا......کیا ساری عورتیں ملازمت پر ہی گھر چلاتی ہیں۔ سجاد نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔

بے شک ساری عورتیں جاب نہیں کرتیں......اور بہت سی کرتی بھی ہیں۔ وہ بحث پر اتر آئی......مات کھانا تو اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔

مجھے تمہارا استعفا چاہئے......وہ پاؤں زمین پر مار کر باہر نکل گیا۔

سجاد میاں اس اصرار پر بھی تمہاری کوئی چال ہے......تم نے مجھے ریتا سمجھ لیا ہے کیا......جو تمہارے اشاروں پر ناچوں گی...... میں تمہیں جان چکی ہوں...... وہ کھڑے کھڑے خود بڑبڑائی۔

تم احساس کمتری کا شکار ہو......خود پرستی تمہاری عادت ہے......تم کہاں اور نذیر کہاں......وہ کتنا خوش ہوتا تھا......معمولی سی چیز بھی اس کے لئے لاتی تو وہ کتنی رغبت سے کھاتا تھا......اے کاش تم زندہ رہتے......اتنی جلدی تم ساتھ چھوڑ گئے......وہ خود کلامی کرتے نہ جانے

کہاں پہنچ گئی۔

بی بی..... کھائیے کھانا..... اکیلے ہی..... وہ ٹرالی گھسیٹ کر زلیخا کے سامنے کرتے بولا۔

کیا..... تم سجاد کو تو بلاؤ۔ وہ بولی۔

وہ نہیں کھائیں گے بازاری کھانا..... اپنی اماں کے کمرے میں آلو گوشت پکنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ کریم نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

وہ یہ چیزیں پسند نہیں کرتے..... زلیخا نے کہا۔

انہیں..... بڑی بی بی نے کہا ہے کہ ہمیں گھر کا کھانا پسند ہے..... ہمارے لئے آئندہ مت لانا۔ وہ بعین ہی طاہرہ بیگم کی کہی ہوئی بات کہنے لگا۔

ٹھیک ہے..... تم کھاؤ جا کر..... وہ کہتے ہوئے باتھ روم میں داخل ہوگئی۔

☆

وقت اپنی مخصوص چال کے ساتھ چلتا رہا۔

بہت سے ستاروں کا خون ہوا تو کئی صبحیں طلوع ہوئیں۔ زلیخا قطرہ قطرہ زندگی کا زہر پیتی رہی..... وہ برف کے تودے کی طرح گرمی حالات سے پگھلتی رہی..... لیکن اس کی جاب نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ وہ اب ایک بہت بڑے عہدے پر فائز تھی..... اب تو دکھ بانٹنے والا بھی کوئی نہ تھا..... کرامت علی عرصہ ہوا داغِ مفارقت دے چکے تھے۔ بہنوں اور بھائی کو اپنے دکھوں کی داستان سنا کر اپنی ذات کی تشہیر نہیں کرنا چاہتی تھی..... طاہرہ خانم بیٹے کے حالات سے دل گرفتہ ہو کر حرکتِ قلب بند ہو جانے سے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں تھیں..... سجاد کے راستے کھلے تھے..... کوئی روک ٹوک نہ تھی..... بیگم اکرام کے ہاں کام کرتے اسے پانچ سال ہو گئے۔ اِس عرصہ میں وہ دو بیٹوں کا باپ بن چکا تھا..... وہ سارا سارا دن بیگم اکرام کے آفس میں کام کرتا..... بیگم اکرام اس کے کام سے بہت خوش تھیں۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

وہ چونک گیا۔

اور مسز اکرام..... فرمائیے..... کیا حکم ہے میرے لئے۔ وہ بڑے مودب انداز میں بولا۔

حکم نہیں..... تم میرے بیٹے ہو..... میں تمہیں ایئرپورٹ لے جانا چاہتی ہوں۔ بیگم اکرام نے کہا۔

کیوں؟..... کوئی پارٹی آ رہی ہے۔ وہ بولا۔

ارے نہیں..... میری بیٹی برطانیہ سے آ رہی ہے..... اس کی تعلیم مکمل ہو چکی ہے..... وہ بزنس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پاکستان آ رہی ہے..... بیگم اکرام کے انداز میں زبردست خوشی کا عنصر غالب تھا۔

جی..... اچھا اچھا..... بڑی خوشی ہوئی یہ خبر سن کر۔ سجاد کے دل کو دھچکا سا لگا۔ وسوسے اندیشے اس کو اداس کرنے لگے..... کاش اتنی ہی دولت کا مالک وہ خود ہوتا۔ اگر اس نے مجھے

قبول نہ کیا تو...... وہ سوچنے لگا۔

زوبیہ برطانیہ سے آ چکی تھی ...... اس کا انداز اس کا طرز تمدن پاکستانی عورتوں سے بالکل مختلف تھا۔ اس کے لباس میں حد درجہ عریانی اوروں کو شاید نہ پسند ہو......لیکن سجاد کو بے حد پسند تھی ...... وہ اکیلے میں سوچتا کتنا سلیقہ ہے زوبی میں زیب تن کا...... مسز اکرام نے اپنی سہولت کے لئے اپنی وسیع و عریض کوٹھی کے بیرونی کشادہ کمرے آفس کے لئے منتخب کر لئے تھے ...... جائیداد کا کام اس قدر پھیل چکا تھا کہ ان کو مجبورا سجاد کو رکھنا پڑا۔

سجاد...... وہ ایک دم اندر آتے بولیں

یس میڈم...... وہ ٹیبل سے چونک کر کھڑا ہو گیا۔

آج دس تاریخ ہے ...... میرا خیال ہے کل تمہیں مکانوں کے کرائے وصول کرنے کے لئے جانا چاہئے۔ وہ سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

ٹھیک ہے میڈم...... جیسے آپ کہیں۔

میں پہلے ڈاک کے ذریعے اطلاع کر کے وصول کرتی تھی ...... لیکن بعض کرایہ دار اس قدر ڈھیٹ اور بے غیرت ہیں ...... کئی کئی ماہ کا کرایہ ہضم کر چکے ہیں ...... جو ہزاروں کی رقم پر بنی ہے۔ وہ بڑے سکون سے کہنے لگیں۔

میرے لئے کیا حکم ہے۔ وہ کرسی پر پہلو بدل کر بولا۔

تمہیں ان لوگوں سے کرایہ وصول کرنا ہے ...... یہ لو کاغذات...... ان میں پوری تفصیل درج ہے۔

بیگم اکرام نے دو تین بڑی بڑی فائلیں سجاد کے سامنے رکھیں ...... سجاد نے ایک نظر فائلوں کو کھول کر دیکھا۔

آج ان کی سٹڈی کرو...... کل نکل جاؤ...... وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

او ماما...... آپ یہاں...... زوبی بے تکلف انداز میں آتے مسز اکرام کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

یہ سجاد ہے...... ملی ہو...... بیگم اکرام نے مسکرا کر ہے۔

Daily...... ملاقات ہوتی ہے ان سے ...... وہ کلاک کو دیکھ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

سجاد نے چور نگاہی سے دیکھا ...... وہ اس وقت سیاہ پینٹ اور سرخ بنیان نما شرٹ میں ملبوس تھی ...... بوائے کٹ سنہری بال...... سرخ و سپید رنگت ...... اک نظر میں تو وہ English ہی نظر آتی تھی ...... اگر اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں نہ ہوتی تو ...... پوری جان سے فریفتہ ہو گیا

سجاد چلو...... چلو باہر چلیں ...... دو دن سے اندر پڑی ہوں ...... وہ منہ بسورے مسز اکرام کو دیکھ کر بولی۔

اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ...... سجاد کے ساتھ چلی جاؤ نا ...... مسز اکرام نے وسیع القلبی کا ثبوت دیا۔

چلو سجاد ...... کہیں چلتے ہیں۔ وہ بے تکلف بولی۔

جی...... میرے ساتھ...... وہ ہونچکا سا رہ گیا۔

اور کس کے ساتھ ...... اٹھو...... وہ سجاد کا بازو پکڑ کر اٹھاتے بولی۔

اچھا بھئی ...... میں آرام کروں گی ...... تم لوگ جانا چاہو تو آفس اچھی طرح بند کر کے جانا۔ وہ باہر نکلتے ہوئے بولیں۔

چلو سجاد...... وہ بڑی خوش دلی سے کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

باہر سیاہ رنگ کی مرسڈیز کھڑی تھی۔

آؤ بیٹھو...... او ہو بیٹھو نا...... زوبی نے اصرار کیا۔

اسے اپنے مقدر پر رشک آنے لگا۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ انگلینڈ ریٹرن خوبصورت لڑکی اس کے ساتھ اس طرح پیش آئے گی۔

وہ یہی سوچتا ہوا گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

پھر زوبی کے ساتھ گھومنا پھرنا اس کا معمول بن چکا تھا۔ زوبی اسے پسند کرنے لگی تھی۔ حالانکہ مسز اکرام نے کئی مرتبہ اس کو باور کروایا تھا کہ

بیٹا...... سجاد شادی شدہ ہے...... بلکہ دو بچوں کا باپ ہے۔

نہیں ماما...... کچھ بھی نہیں ...... سجاد اچھا انسان ہے...... وہ حتمی انداز میں بولی۔

تم اپنے بارے میں بہتر سمجھتی ہو۔

سب ٹھیک ہے ماما...... آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ زوبی نے مسز اکرام کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

ٹھیک ہے بیٹی ...... تم جو فیصلہ کرو گی ...... بہتر ہی کرو گی ...... میرا مطلب صرف یہی ہے کہ جو بھی شخص میرا داماد بنے ...... میں جائیداد کا سارا کام اسے سونپ دینا چاہتی ہوں۔ مسز اکرام نے کہا۔

سجاد سمجھ چکا تھا......وہ سب کام سنبھال لے گا......زوبی بڑے وثوق سے بولی۔

بیگم اکرام مسکرا کر اپنے کمرے میں چل دیں۔

چند دنوں کے بعد آفس چیئر پر بیٹھتے ہی فون کی گھنٹی بجی......اور مسٹر باجوہ اندر داخل ہوئے۔

آئیے باجوہ صاحب...... بڑے دنوں کے بعد تشریف لائے آپ...... بیٹھیے......وہ خوش آمدیدانہ انداز میں آگے کو جھک کر بولی اور سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

Thank You Madom......چھٹی پہ تھا......آج ہی حاضری دی ہے......وہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

فرمائیے......وہ خوش دلی سے باجوہ کے سامنے رکھی فائلوں کو دیکھ کر بولی۔

یہ کچھ کاغذات ہیں......ان پر آپ کے سائن......پلیز......وہ ایک فائل کھول کر زلیخا کے سامنے رکھتے ہوئے بولے۔

کل خیریت تو تھی...... باجوہ صاحب کچھ کہتے کہتے جیسے رک گئے ہوں۔

خیریت...... ہاں خیریت ہی تھی......وہ سوچنے لگی۔

میں نے کل آپ کو گیارہ بجے کے قریب ڈاکٹر ینگ کے کلینک سے بچوں کے ساتھ نکلتے دیکھا تھا۔مسٹر باجوہ نے کہا۔

دراصل بچوں کو نزلہ زکام اور موسمی بخار تھا......میں نے سوچا ان کا اچھی طرح سے چیک اپ کروایا جائے۔وہ زیرک اور رادراک رکھنے والی سمجھ دار خاتون تھی......اس کی حس بیدار ہو چکی تھی کہ باجوہ کچھ کہنے والے ہیں۔

سجاد صاحب نہیں جاتے...... یہ کام تو مردوں کے ہیں۔باجوہ صاحب نے بغور زلیخا کے چہرے کو دیکھا......جو ان کی طرف ہی گہری سوچ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

انہیں فرصت نہیں......وہ آج کل بیگم اکرام کی بزنس شراکت میں مصروف ہیں۔زلیخا کو جو علم تھا کہہ دیا۔

بزنس شراکت......سجاد صاحب تو وہاں ملازم ہیں...... باجوہ سچ بولنے پر آمادہ ہو گئے...... وہ زلیخا جیسی نیک صاف دل عورت کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتے تھے۔

ملازم......کیسی ملازمت۔زلیخا حیرت سے چونک گئی۔

مسز اکرام کو کسی ایماندار نوجوان کی ضرورت تھی جو ان کے فلیٹس کا ماہانہ کرایہ وصول کر سکے......باجوہ صاحب نے کہا۔

اچھا......تو ایمانداری کا ڈھونگ رچا کر کہیں بیگم اکرام پورے بزنس سے ہاتھ نہ دھولیں۔وہ سجا کی عادت کے پیش نظر ہنس کر بولی۔

یہ تو میں نہیں کہہ سکتا......البتہ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ سجاد صاحب مسز اکرام کی بیٹی زوبی سے شادی کر رہے ہیں۔باجوہ صاحب نے ایک دم کہہ دیا۔

شادی......زلیخا کے اندر ایک طلاطم سا برپا ہو گیا...... بدن کی پوری عمارت زیرہ ریزہ کائنات کی سنگلاخ چٹانوں پر بکھر گئی ہو......اسے اپنی سانس بے قابو سی محسوس ہوئی......وہ لرزتی لڑکھڑاتی اٹھی......اور قریبی جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک ہی سانس میں حلق سے اُتار گئی۔

مجھے معلوم تھا میڈم صاحبہ......آپ پریشان ضرور ہوں گی...... پھر سوچا آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہئے......آپ مضوط اعصاب رکھنے والی خاتون ہیں۔وہ بغور دیکھ کر بولو ے......زلیخا نارمل حالت میں اپنی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

یہ سب کچھ آپ کو کہاں سے علم ہوا۔وہ اطمینان سے بولی۔

میرا دور پار کا چچا زاد قاسم باجوہ ان کا ڈرائیور ہے۔باجوہ صاحب بولے۔

اچھا......وہ سر کو جنبش دے کر بولی۔

آخری فائل پر دستخط کروانے کے بعد باجوہ صاحب کھڑے ہو گئے۔

Thank You......آپ نے مجھے باخبر کیا۔وہ بولی۔

اور باجوہ صاحب کے جاتے ہی سر کو کرسی کی پشت پر ٹکا دیا۔

بیشک وہ بڑی بہادر خاتون تھی......لیکن سجاد کا یہ اقدام اس کے جگر پر آرے چلا گیا۔کیا ابھی سجاد کو اور شادی کی ضرورت تھی......وہ جب بھی ایسا سوچتی......اپنے آپ کو کئی ٹکڑوں میں بٹا ہوا دیکھتی۔یہ پریشانیاں اس کا ساتھ کیوں نہیں چھوڑتیں......نذیر کے ہوتے وہ ان اذیتوں سے دور تھی......وہ جب بھی اداس ہوتی......حالانکہ وہ اداسی پریشانی نذیر کی بیماری کی تھی......اور نذیر کہتا......کیا ہوا زلیخا کسی نے کچھ کہا...... بتاؤ نا...... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا......وہ بڑے پیار سے زلیخا کے نرم و نازک ہاتھ تھام لیتا......

اور وہ ہنس کر اس کے بیمار ہڈیوں زدہ ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا لیتی۔

جان نہیں ہے تم میں ...... بات کیسی بڑی بڑی کرتے ہو۔ وہ بڑے پیار سے کہتی۔

تمہیں کوئی دکھ دے ...... ایسوں کیلئے بڑی جان ہے میرے پاس ......وہ جوش میں آ جاتا۔

نذیر...... آنکھیں بند کئے اس نے نذیر کے ہیولے کو سامنے کھڑے مسکراتے دیکھا......لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے دونوں بازو ناکام اس کی گود میں آ گئے......نذیر اب بھی اس کے شعور کے کسی گوشے میں زندہ تھا...... ہمیشہ جب وہ شدید الجھن میں گرفتار ہوتی تو وہ اس کے سامنے آ کر اپنی محبت کا یقین دلاتا۔ نذیر اسکے تحت الشعور سے نکل کر اکثر اس کے شعور میں آ جاتا...... وہ اردگرد سے بے نیاز سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی جا رہی تھی......اس کو احساس تک نہ ہوا کہ آفس کب کا بند ہو چکا ہے۔ ٹن سے سامنے آویزاں کلاک نے پانچ بجائے اور وہ چونک سی گئی۔

میڈم صاحبہ......آپ...... بوڑھے خان چوکیدار نے چابیوں کے گچھے کو اپنی مٹھی میں دبا لیا۔

بس......میں جا رہی ہوں۔ وہ بے دلی سے اٹھی اور بیگ شانے پر لٹکایا۔

وہ بغور دیکھتا رہ گیا۔

وہ بوجھل قدم اٹھاتی آفس سے نکل گئی...... گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے سپیڈ تیز کی...... بچوں کا خیال آ گیا...... سکول سے لوٹ چکے ہوں گے۔ گاڑی گراج میں روک کر وہ سیدھی اندر بڑے کمرے میں آ گئی۔

بیگم صاحبہ! بہت دیر لگا دی آج آپ نے۔ ملازمہ خوشنودہ نے اندر آتے کہا۔

بچے کہاں ہیں۔ وہ کرسی پر تھکے تھکے انداز میں بیٹھ کر بولی۔

سر جی آئے ہوئے ہیں...... پڑھ رہے ہیں۔

ٹھیک ہے......تم جلدی سے چائے لاؤ...... وہ سر کو پیچھے کی طرف گراتے بولی۔

اچھا جی...... ابھی لائی......خوشنودہ نے جاتے جاتے کہا۔

سنو......ایک دم چونک کر زلیخا نے کہا......سجاد نہیں آئے

وہ اس وقت کہاں آتے ہیں......رات کو آتے ہیں......آپ کو پتہ تو ہے......خوشنودہ نے جیسے یاد دلایا۔

ٹھیک ہے...... جاؤ تم......وہ پھر لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

خوشنودہ درست کہتی ہے......رات نو دس بجے سے پہلے سجاد نے کبھی گھر کا رخ نہیں کیا تھا

وہ جتنا سوچتی اس قدر اس کے تن بدن میں ایک الاؤ سا بھڑک اٹھتا۔ سجاد کی بے مروتی، لاتعلقی اس کو ہمیشہ ذہنی ٹینشن میں مبتلا رکھتی اور آج کی خبر نے اس کے ذہن کو تاراج کر دیا تھا...... چائے پینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں ہی رہی...... بچے کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جا کر سو چکے تھے......خوشنودہ کو بھی اس نے بھیج دیا تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے......سجاد ابھی تک نہیں لوٹا تھا......

ٹرن ٹرن ٹرن...... گھنٹی کی مسلسل بے ہنگم آواز نے اس کو بے سکون سا کر دیا تھا۔

وہ سکارف گلے میں لپیٹے اٹھی...... برآمدے سے اتر کر گیٹ کھول دیا۔ گاڑی کی لائٹ سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں......

وہ حیرت زدہ سی گاڑی کو دیکھنے لگی......اس احساس کو اس نے سجاد پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔ وہ زلیخا کے ساتھ اندر آتے بولا۔

تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ خوشنودہ گیارہ بجے تک نہیں رہ سکتی......اس نے نو بجے اپنے گھر جانا ہوتا ہے۔ وہ پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

میں کب اصرار کرتا ہوں کہ وہ گیارہ بجے تک یہاں رہے۔ وہ اپنی نکٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتا ہوا بولا۔

تم جلدی گھر لوٹا کرو......وہ بغور اس کے پر اطمینان چہرے کو دیکھ کر بولی......جس پر کس قدر طمانیت جھلک رہی تھی...... چہرے پر کسی قسم کی تھکاوٹ کے آثار نمایاں نہ تھے۔

نہیں آ سکتا۔ وہ کرسی پر بیٹھتے بے اعتنائی سے بولا۔

کیا؟......تم جلدی نہیں آ سکتے......وہ زور سے بولی۔

نہیں......کام بہت ہوتا ہے......وہ بوٹ اتارتے ہوئے بولا۔

کام بہت ہوتا ہے یا کسی قفس میں قید ہو......وہ اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنا چاہتی تھی۔

کیا مطلب ہے تمہارا......وہ بونچکا سا رہ گیا۔

تمہیں زوبی نہیں آنے دیتی......اس کے عشق میں گرفتار ہو چکے ہو۔ وہ طنزاً مسکرائی۔

تمہیں کس نے بتایا۔ سجاد کا دل زور سے دھڑکا......(اس کا مطلب کہ زلیخا کو علم ہو چکا ہے) وہ سوچنے لگا۔

ابھی میں تم سے لاتعلق نہیں ہوئی......تمہارے شب و روز پر نظر رکھنا میرے فرض میں شامل ہے۔ زلیخا نے گویا اس کے جگر پر نشتر چبھو دیا ہو۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا...... انکار کی گنجائش ہرگز نہ تھی ...... وہ صرف دیکھتا رہ گیا......

ہے نا یہی بات ...... بائے دی وے ......اس سے شادی کب کر رہے ہو ...... وہ انتہائی سفاکانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی۔

اس کا مطلب کہ تمہیں علم ہو چکا ہے ......سی آئی ڈی میرے تعاقب میں چھوڑ رکھی ہے تم نے ......وہ ایک ہی سانس میں بولا۔

ایسا ہی سمجھ لو......وہ پلنگ کی پشت پر لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

شادی کر رہے ہو زوبی سے۔ وہ بولی۔

ہاں...... جب تمہیں علم ہو ہی چکا ہے تو......تم نے اسے بتایا نہیں کہ تم بہت عورتوں کے شوہر رہ چکے ہو...... بلکہ بار بار شادی کرنا تمہاری ہابی ہے......وہ پھر طنز کے تیر چھوڑنے لگی۔

بکواس بند کرو...... میں تمہیں ابھی تک برداشت کر رہا ہوں۔ وہ جوش میں کھڑا ہو گیا۔

تم مجھے برداشت کر رہے ہو...... یا میں تمہیں......صرف بچوں کی وجہ سے برداشت کر رہی ہوں......تمہیں تو بچوں کا بھی خیال نہیں آیا......وہ طیش میں چلا اٹھی۔

تمہیں بچوں کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بچے میرے ہیں ...... وہ سخت لہجے میں گویا ہوا۔

بچے تو تمہارے ہیں ......لیکن ان کو باپ کی مکمل شفقت درکار ہے۔ اور جب تم اس دولت مند لڑکی سے شادی کر لو گے تو بچے تمہارے بارے میں کیا سوچیں گے وہ اور تلخ ہو گئی۔

یہ میرا کام ہے...... بچے بھی میری ذمہ داری ہیں۔ وہ بولا۔

تیز و تند آندھیاں زلیخا کا کلیجہ پاش پاش کر گئیں۔ اس نے ہر طرح سے سوچا...... سجاد کے ساتھ رہنا دوبھر ہو رہا تھا...... اسے یہ خبر بھی پہنچ چکی تھی کہ وہ عنقریب زوبی سے شادی کر رہا ہے......اب وہ ایک لمحہ بھی سجاد کے ساتھ رہنا گوارا نہیں کر سکتی تھی ......اس وقت شام چھ کا عمل تھا......وہ اپنا مختصر سا سامان باندھ کر بیٹھ چکی تھی۔ خوشنودہ نے بھی بچوں کو تیار کر دیا تھا۔

وہ اندر داخل ہوا...... کیا بات ہے جا رہی ہو کہیں ......وہ حیران سا ہو گیا۔

ہاں...... میں یہ گھر چھوڑ رہی ہوں۔ وہ آہستہ سے بولی۔

یہ گھر...... چھوڑ رہی ہو...... کیا مطلب ہے تمہارا...... وہ جیسے سکتے میں آ گیا۔

یہ گھر تمہارا ہے......اور میں جا رہی ہوں۔ بہت سوچ بچار کے بعد زلیخا نے فیصلہ بتا دیا۔

آخر کیوں؟......وہ یکسر سب کچھ بھول گیا۔

میں تمہیں [illegible]اشت نہیں کر سکتی ......تم اب صرف زوبی کے ہو......وہ بڑے کرب سے بولی۔

پہلے ہم کون سے تھے۔ وہ برجستہ جواب دیتا ہوا بولا۔

پھر بھی تم میرے نام کے ساتھ وابستہ تھے...... بے شک ماضی میں ہونے والی کوتاہیاں فراموش ہو چکی ہیں......خوشنودہ بچوں کو تیار کرو......وہ افسردہ صورت خوشنودہ سے بولی...... جو آنسو بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

بچے تیار ہیں بیگم صاحبہ ......خوشنودہ باہر سے ضہیب اور چھوٹے شعیب کو لاتے ہوئے بولی۔

ماما آپ کہاں جا رہی ہیں۔ بڑے ضہیب نے کہا۔ جس کی عمر اس وقت دس سال کے قریب تھی۔

میں یہ گھر چھوڑ رہی ہوں......تم پاپا کے ساتھ رہو گے یا ماما کے ساتھ......وہ شعیب کے چہرے کو دیکھ کر بولی......جو بدستور سجاد کو دیکھ رہا تھا۔

دونوں لڑکوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا......پھر زلیخا کی طرف اور پھر باپ کی طرف

ضہیب......آ جاؤ بیٹا......ماما کے ساتھ رہو......بھائی کو بھی اپنے ساتھ لے آؤ نا......بیٹا ماما کے ساتھ......زلیخا نے شعیب کے سامنے بانہیں پھیلا دیں۔

ہم پاپا کے پاس رہیں گے......دونوں لڑکے ایک ساتھ سجاد سے لپٹ گئے......

زلیخا اور خوشنودہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

آخر بے وفائی کا زہر ان میں بھی سرایت کر گیا......جیسا باپ ویسے بچے......وہ کھڑی ہو گئی ......اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں......سجاد سے دوری اس قدر دشوار نہ تھی......بچوں کی جدائی نے اس کے جسم سے ساری طاقت چھین لی تھی۔ زرد رنگت اڑی اڑی سی وہ گرتے گرتے بچی ......سارا خون جیسے نچڑ گیا ہو......سجاد دیکھتا رہ گیا۔

بیگم صاحبہ حوصلہ کریں...... بچے جو ہوئے......آخر آپ کے ہی ہیں۔

تم گھر جانا چاہتی ہو یا میرے ساتھ......زلیخا خوشنودہ کے سہارے سے باہر جاتے بولی۔

میں تو آپ کے ساتھ ہی چلوں گی...... یہاں میرا کیا کام......خوشنودہ نے مسکرا کر سامان گاڑی میں رکھا۔

تمہاری رگوں میں کسی باوفا کا خون ہو گا۔خوشنودہ کے بیٹھتے ہی زلیخا نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سجاد سے الگ ہوگئی۔آفس کی طرف سے بہترین گھر اس کو مل چکا تھا......جس میں آرائشی، زیبائشی تمام اشیاء موجود تھیں......ہمہ وقت کام کرنے کو ایک باورچی لیکن اس نے اس جگہ خوشنودہ کا تعین کر لیا......وہ نہیں چاہتی تھی کہ اکیلی رہنے کے باوجود زیادہ مردوں کا گھر میں داخلہ کرے......اسی وجہ سے اس نے سوائے چوکیدار کے ڈرائیور لینے سے بھی انکار کر دیا۔

زندگی پرسکون تو تھی لیکن دونوں بیٹوں کی جدائی اس کا جگر چاٹ رہی تھی۔اسے امید نہ تھی کہ ضہیب اور شعیب اس قدر بے وفائی کا ثبوت دیں گے۔اس قدر محبت دینے کا صلہ یہ ہوا وہ اس کے ساتھ رہنے کی بجائے سجاد کے ساتھ رہنا پسند کرنے لگے......

بیگم صاحبہ جی......خوشنودہ نے سوچوں میں ڈوبی زلیخا کو پکارا۔

ہوں......کیا بات ہے۔زلیخا نے کلاک کی طرف دیکھا......شام چھ کا وقت ہو چکا تھا۔

چائے لگاؤں میز پر۔وہ بولی۔

یہیں ایک کپ لے آؤ......وہ بڑی افسردہ سی بولی۔

ناشتہ بھی کمرے میں کیا ہے......خوشنودہ نے اُداس لہجے میں کہا۔

میز پر کس کے ساتھ ناشتہ کروں......بچوں کے ساتھ تو اچھا لگتا تھا۔زلیخا نے بڑے ضبط کے ساتھ اپنی بھیگی پلکوں کو چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

آپ اداس نہ ہوں بیگم صاحب جی......میرا ابا کہا کرتا تھا کہ پرندہ جس گھونسلے کا باسی ہو......وہیں آ جاتا ہے......خوشنودہ نے اس کی دلجوئی کی۔

باسی تو وہ وہیں کے تھے......یہاں کیسے آ سکتے ہیں۔وہ بولی۔

بچے تو آپ کے ہیں......انشاء اللہ ضرور آ جائیں گے......آپ پریشان نہ ہوں......خوشنودہ چائے بنا کر زلیخا کے پاس میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

دوسرا کپ خود لے کر پینے لگی۔

اماں کو بلا لو......وہ یہاں چائے پی لیا کرے۔زلیخا نے کہا۔

لحافوں میں ڈورے ڈال رہی ہے......خوشنودہ کچھ شرم سے نگاہیں چرا کر بولی۔

تمہاری شادی کے لحاف ہیں۔زلیخا ہنس دی۔

ہاں نا......

اچھا......اس کا مطلب کہ تم بھی شادی کے بعد چلی جاؤ گی۔زلیخا کو جیسے دھچکا سا لگا۔

ارے نہیں بیگم صاحب جی......کہاں جانا جی......کریم کو آپ یہاں نوکر رکھوا لیں نا ابھی تک تو وہ کوئی کام ہی نہیں کرتا......جب سے صاحب جی کا گھر چھوڑا ہے۔وہ لاج سے دوہری ہوگئی۔

ٹھیک ہے میں بڑے صاحب سے کہہ کر اسے کوئی نہ کوئی ملازمت دلوا دوں گی......زلیخا کو تسکین سی ہونے لگی۔

پھر بھی بچوں کا نعم البدل نہ مل سکا۔ضہیب اور شعیب کی کمی پوری نہ ہو سکی۔وہ بچوں کی جدائی میں چھپ چھپ کر روتی......اتنا بڑا گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا......آفس سے معلوم ہوا کہ سجاد بچوں کو لے کر بیگم اکرام کے ہاں شفٹ ہو گیا......بچوں نے نئے گھر میں کس طرح ایڈجسٹ کیا ہوگا......

تو یہ بچے ہمارے ساتھ رہیں گے...... O My God......زوبی نے دونوں لڑکوں کو دیکھتے ہی فوراً کہا۔

یہاں رہیں گے......ہمارے ساتھ۔وہ بولا۔

ضہیب اور شعیب نے زوبی کی بات پر ایک دوسرے کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا۔

جاؤ بچو......تم لان میں کھیلو جا کر......سجاد نے کہا۔

کس کے ساتھ......شعیب نے کہا۔

دونوں بھائی کھیلو نا......چلو شاباش......سجاد نے زبردستی ان کو لان کی طرف جانے والے راستے کو انگلی کے اشارے سے دکھایا۔

مجبوراً بادل نخواستہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے لان میں اتر گئے۔

دیکھو سجاد......میں بچوں کو نہیں سنبھال سکتی......تمہیں ان کے لئے کسی آیا کا بندوبست کرنا

ہو گا۔ زوبی بڑی ناگواری سے پیشانی پر بل ڈال کر بولی۔

ہو جائے گا بندوبست...... پلیز ریلیکس...... سجاد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

سجاد...... یہ تم نے بہت برا کیا...... بچوں کو ماں سے چھیننے کی کیا ضرورت تھی۔ اندر آتے بیگم اکرام نے ناپسندیدہ لہجے میں کہا۔

بچوں نے خود میرے ساتھ رہنا پسند کیا ہے۔ سجاد نے کہا......

زوبی شانے جھٹک کر باہر نکل گئی۔

دیکھو سجاد...... چند دنوں میں تمہاری شادی ہونے والی ہے...... میری بیٹی نے کبھی کوئی ٹین شین وصول نہیں کی...... وہ ہر قسم کی بندشوں سے آزاد رہنا زیادہ پسند کرتی ہے...... بچوں کو یہاں رکھ کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ بیگم اکرام نے کہا۔

آپ بے فکر رہیں...... عنقریب کسی آیا کا انتظام ہو جائے گا...... بچے زوبی کی راہ میں حائل نہیں ہوں گے۔ وہ بیگم اکرام کو مطمئن کرنا چاہتا تھا۔

تم خود سمجھنے کی کوشش کرو...... ابھی زوبی کی عمر کیا ہے...... جو وہ اس جنجال میں پھنس جائے۔ وہ خاموش رہا۔

پھر چند دن بھی گزر گئے...... زوبی اور سجاد کی شادی ہو گئی...... بیگم اکرام کو تو ایسا داماد چاہئے تھا جو جائیداد کے کام احسن طریقے سے انجام دے اور زوبی کو بھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ بچوں کے لئے تا حال کسی ملازم کا انتظام نہ ہو سکا۔ وہ حجلہ عروسی میں دلہن بنی بیٹھی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

دروازہ کھلا ہے...... آ جاؤ...... زوبی نے شاید کسی ملازم کا تصور کرتے کہہ دیا۔

چھوٹا شعیب اندر داخل ہوا۔

آنٹی...... پاپا کہاں ہیں۔

تم اندر کیوں آئے ہو...... چلو یہاں سے...... خبردار...... وہ ایک دم چیخ کر جیسے شعیب کے پیچھے پڑ گئی۔

ہمیں پاپا سے ملنا ہے...... کہاں ہیں پاپا...... ضہیب بھی اندر آ گیا۔

میں کہتی ہوں...... یہاں سے چلے جاؤ...... پاپا یہاں نہیں ہیں۔ زوبی نے دونوں بچوں کو بازو سے پکڑ کر باہر نکال دیا۔

کہاں چلے گئے پاپا...... چھوٹے شعیب نے رخساروں سے بہنے والے آنسوؤں کو اپنی ہتھیلیوں سے صاف کیا۔

پاپا ڈرائینگ روم میں ہیں...... آؤ چلیں...... فلک شگاف قہقہوں کے شور میں ان کی آوازیں دب کر رہ گئیں۔

پاپا...... پاپا...... ہماری بات تو سنئے...... شعیب نے دروازے میں کھڑے سامنے بیٹھے سجاد کو پکارا۔

کون ہو تم...... چلو یہاں سے...... ایک آدمی نے گھسیٹ کر ان کو پرے ہٹا دیا۔

ہم نے پاپا سے ملنا ہے...... لیکن آواز قہقہوں میں ڈوب گئی۔

چلو بھائی...... اپنے کمرے میں...... ضہیب نے شعیب کا ہاتھ تھاما اور کمرے میں چلے گئے۔

شعیب...... ضہیب نے تھکے تھکے لہجے میں پکارا......

کیا ہے...... جھلا کر ضہیب نے اپنے بوٹ کو اچھال کر دور پھینکا......

کیا کرتے ہو...... یہاں خوشنودہ باجی نہیں جو ہماری بکھری چیزیں اٹھاتی پھرے گی۔ شعیب نے جیسے اس کو ایسا کرنے سے منع کیا۔

اب کیا ہو گا۔ دوسرا بوٹ اتار کر ضہیب نے پلنگ کے پاس رکھ لیا۔

ہونا کیا ہے...... اب یہیں رہنا پڑے گا۔ شعیب نے خوفزدہ سا مسکرا کر کہا۔

کیا زوبی آنٹی کے گھر میں رہیں گے۔ ضہیب نے آنکھیں پھیلا لیں۔

اور کیا...... ہم دونوں نے خود ہی پاپا کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ شعیب نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

ہمیں کیا پتہ تھا کہ ماما ہمیں چھوڑ کر چلی جائیں گی...... ضہیب بولا۔

اب تو بات ہی الٹ ہو گئی...... نہ پاپا کا گھر رہا نہ ماما کا...... بلکہ آنٹی کا گھر رہ گیا۔ شعیب کو افسوس ہو رہا تھا۔

ضہیب نے جمائی لی...... نیند آ رہی ہے۔

شعیب نے کہا......

ہاں...... لیکن ماما کے بغیر سو نہیں سکتا...... ان کے ساتھ لپٹ کر سونے میں بڑا سکون ملتا

ہے۔دس سالہ ضہیب نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

آؤ میں تمہیں سلا دوں۔شعیب نے ضہیب کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

اور چند لمحوں کے بعد دونوں بھائی ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ کر سو گئے۔

ہنگامہ ختم ہوا۔دونوں واپس اپنی خواب گاہ میں لوٹ آئے......زوبی نے جمائی لیتے پلٹ کر دیکھا......سجاد غائب تھا۔

اف خدایا......وہ پلٹی اور سجاد کے تعاقب میں شعیب ضہیب کے کمرے میں پہنچ گئی۔

سجاد......تم یہاں ہو......میں تمہیں اُدھر تلاش کر رہی ہوں۔

میں بچوں کو دیکھنے آیا تھا......سجاد نے شعیب کو دیکھا......وہ ضہیب کو لپٹائے سو رہا تھا۔

O Com On Sajad......وہ سجاد کا بازو پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

سجاد بچوں کو ذہنی ٹین شین مت بناؤ۔زوبی نے دیکھا وہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

میں محسوس کر رہا ہوں کہ بہت دن بچوں کے پاس بیٹھا ہی نہیں......سجاد کو بچوں کو فراموش کرنے کا شدید دکھ ہو رہا تھا۔

میری مانو......تو بچوں کو واپس زلیخا کے پاس بھیج دو......وہ بولی۔

ہرگز نہیں......میرے بیٹے ہیں......میں ان کو اپنے سے دور نہیں رکھنا چاہتا۔سجاد کو زوبی کی بات اچھی نہ لگی۔

وہ ماں ہے ان کی......اچھی کیئر کر سکتی ہے......ایجوکیٹڈ ہے......زوبی نے پھر اپنا مدعا بیان کیا۔

نہیں......جب بچے زلیخا کے پاس پرورش پائیں گے......تو وہ مجھ سے باغی کر دے گی......اس طرح تو بچے جوان ہو کر میری صورت بھی نہیں پہچانیں گے۔وہ جھنجھلا کر بولا۔

Oh My God......تو پھر کیا ہو گا......چند دنوں میں یورپ ہنی مون کے لئے چلیں گے......وہاں اتنے فرینڈ ہیں میرے......وہ کیا خیال کریں گے......وہ بری طرح سے ٹپٹا گئی۔

تمہارے خیال میں بچوں کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔وہ بغور زوبی کے نرم و نازک چہرے کو دیکھ کر بولا۔

ظاہر تو یہی ہو رہا ہے۔وہ سجاد کی گردن میں بازو حمائل کرتے بڑے ناز سے بولی۔

ایسا نہیں ڈارلنگ......ہنی مون ہم اکیلے ہی جائیں گے۔وہ زوبی کے بالوں کو ہٹاتے محبت سے بولا۔

زوبی کی قربت ساری تکلیفوں کو دور کر دیتی تھی......زوبی ہی اس کو زندگی کی اعلیٰ آسائشوں سے ہمکنار کر سکتی تھی۔

پھر کیا کرو گے۔وہ چونکی۔

میں دونوں لڑکوں کو ہاسٹل میں داخل کروا رہا ہوں......اس طرح میری پریشانی ختم ہو جائے گی۔وہ بڑے تفاخر سے بولا۔

Good Idea Very Good......مسرت و انبساط کے ساتھ وہ سجاد کے شانے سے لپٹ گئی۔

مجھے تمہاری خوشی چاہئے۔سجاد نے زوبی کی طرف جھک کر کہا۔

Thank You Sajad......زوبی نے بے حد مسرت کا اظہار کیا۔

میں تمہاری کسی خواہش میں کوئی رخنہ نہیں ڈالنا چاہتا......کیسے نا کرتا......دس لاکھ حق مہر باندھ کر وہ غلام ہو چکا تھا......نہ اتنی رقم اس کے پاس ہو اور نہ وہ آزاد ہو سکے......لہٰذا انہی باتوں سے اپنی حیثیت میں اضافہ کرتا جا رہا تھا۔زوبی سے اسے بہت محبت تھی۔وبی نے اسے احساس کمتری کے اندھے کنوئیں سے نکال کر بڑے لوگوں کی صف میں کھڑا کر دیا تھا......شہر کے بڑے رئیس کے داماد......لوگ عزت واحترام سے دیکھنے لگے تھے......زلیخا سے اس نے جذباتی انداز میں شادی کر لی تھی......لیکن ہمہ وقت وہ زلیخا کے سامنے اپنے آپ کو کمتر ہی خیال کرتا......وہ زوبی سے شادی سے پہلے معمولی کلرک کی اسامی پر فائز تھا اور زلیخا بہت بڑی فرم میں اعلیٰ عہدے پر کام کر رہی تھی۔اس کی تو تنخواہ بھی پچیس تیس ہزار کے لگ بھگ ہو گی......اب تو کوٹھی، بنگلہ کار نوکر چاکر اس کو مل چکے تھے......وہ بڑی آسانی سے سب کچھ چھوڑ کر اپنے بنگلے میں شفٹ ہو گئی تھی......بچوں نے اس کے ساتھ جانے کی کوشش نہیں کی......اور نہ ہی اس نے کہا۔

جاتے ہوئے صرف ایک سوٹ کیس اٹھایا۔

دونوں بچے سجاد کے پاس کھڑے تھے۔

میں تمہارے گھر سے کچھ نہیں لے جا رہی......یہ میرا سوٹ کیس ہے......جس میں صرف چند جوڑے میرے کپڑے ہیں۔

ارے جی سوٹ کیس...... خوشنودہ نے لپک کر زلیخا کے ہاتھ سے بیگ اٹھا لیا۔

سجاد کے منہ کو جیسے چپ ہی لگ چکی تھی...... یا قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔

کریم تم...... سجاد نے پلٹ کر کریم کو دیکھا جو اپنے بستر اور ٹرنک کے ساتھ آ رہا تھا۔

نا جی نا...... ہم نہیں رہیں گے...... جہاں بیگم صاحبہ، وہیں ہم۔ صاحب جی خوشنودہ بھی جا رہی ہے...... اس کے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔ کریم نے خوشنودہ کی طرف دیکھا۔ خوشنودہ جھینپتی ہوئی مسکرا دی۔

تم لوگوں کو ذرا بھر بھی خیال نہیں کہ بچے کون......

مت گھبراؤ سجاد...... بچوں کی زوبی آنٹی کے بیس مرلے کے بنگلے میں نوکروں کی کمی نہیں ہے...... زلیخا نے طنز کا زہر بلا نشتر سجاد کے جگر میں پیوست کر دیا۔

ماما...... ضہیب نے دگیر آواز میں پکارا۔

ماما! آپ سچ مچ جا رہی ہیں۔ شعیب نے آگے بڑھ کر زلیخا کے ہاتھ کو پکڑا۔

ہاں بیٹا...... میں جا رہی ہوں...... میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی...... لیکن تم بھی اپنے باپ کی طرح ہرجائی ہی نکلے۔ وہ آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو جو جگر کاٹ کر بہنے ہی والے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے پی گئی...... کلیجہ پارہ پارہ ہو گیا۔

اگر تمہاری زوبی آنٹی تمہیں رکھنا نہ چاہے تو واپس میرے پاس لوٹ آنا...... میرا آشیانہ تمہارا منتظر رہے گا...... وہ کہتے ہی باری باری دونوں کو پیار کر کے کریم اور خوشنودہ کے ساتھ باہر آ گئی۔

پاپا...... چھوٹے ضہیب نے بت بنے سجاد کو بازو سے تھام کر پکارا۔

شعیب نے بھی بھیگی پلکیں اوپر اٹھائیں

پاپا...... ضہیب نے سجاد کے یوں گم سم کھڑے ہونے پر پھر جھنجھوڑا......

کیا ہے...... سجاد ایک دم جھکا......

ماما...... اب واپس نہیں آئیں گی ضہیب نے کہا۔

معلوم نہیں بیٹا...... مگر اس گھر میں اس کا آنا بہت مشکل ہے۔ سجاد قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا...... یوں جیسے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہو...... وہ سوچ بھی نہ سکا تھا کہ زلیخا اسے یوں چھوڑ کر چلی جائیگی......

پاپا...... ہم کبھی کبھی ماما کے پاس جایا کریں گے نا...... شعیب سجاد کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

ہرگز نہیں...... تم سمجھو آج سے تمہاری ماما مر گئی ہے...... مر گئی ہے۔ تمہارے لئے...... وہ چلا کر بڑے طیش میں غرایا......

سہم کر شعیب نے ضہیب کی طرف دیکھا...... وہ بھی سہما ہوا کھڑا تھا۔

ادھر آ جاؤ میرے پاس۔ شعیب کو بھائی پر ترس آ گیا اور بازو پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

ٹرن ٹرن...... ٹرن...... فون کی گھنٹی بجی اور وہ پلٹا......

دونوں بھائی اپنے کیرم سے کھیلو...... اپنے کمرے میں چلے جاؤ...... نا چاہتے ہوئے بھی دونوں لڑکوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور واپس کمرے میں جانے کی بجائے لان نما صحن میں چلے گئے۔ راستہ صاف دیکھ کر سجاد فون کی طرف بڑھا۔

سجاد...... کہاں تھے...... صبح سے نہ فون کیا اور آئے بھی نہیں...... دوسری طرف سے آواز پہچان کر زوبی نے کہا۔

زلیخا سب کچھ چھوڑ کر چلی گئی ہے...... وہ بولا۔

ظاہر ہے اسے تمہاری ضرورت بھی نہیں...... زوبی نے انجانے میں کہہ دیا۔

What You Mean...... تمہارا کیا مطلب ہے...... وہ چونکا......

تم مطلب کو چھوڑو...... بچے کہاں ہیں...... وہ فوراً بولی۔

بچے میرے پاس ہیں۔ وہ بولا۔

بچے اپنی مدر کے ساتھ جانے چاہئے تھے۔ شروع سے ہی زوبی کو بچوں سے الجھن تھی۔

نہیں...... بچے میرے ہیں...... اور میرے پاس ہی رہیں گے۔ وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔

خیر...... کسی گورنس کا Manage ہو جائے گا...... تم گھبراؤ نہیں...... وہ جانتی تھی کہ وہ بچے نہیں چھوڑے گا۔

☆

حالات کی چکی میں پستے پستے اس کی ہستی ریزہ ریزہ ہوگئی...... انسانی وجود صابن کی ٹکیہ کی طرح ہے۔ زندگی کے ساتھ ساتھ گھلتا رہتا ہے...... اور آخر میں کچھ بھی نہیں بچتا...... مسلسل جب جدائی کے آرے چلتے رہے تو اس کے اندر کی عمارت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی لیکن پھر بھی اس نے اپنے آپ کو حالات کے سامنے جھکنے نہیں دیا۔ اپنی ممتا کی پیاس بجھانے کے لئے اس نے خوشنودہ کے بچوں پر توجہ دینا شروع کر دی...... آج سے پندرہ سال پہلے اس نے خوشنودہ اور کریم کی شادی کر دی تھی...... ویسے بھی دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے...... دونوں خوش تھے...... قدرت نے شادی کے فوراً بعد کریم اور خوشنودہ کو ایک بیٹے سے نوازا...... کریم کی زبردست خواہش تھی کہ جو بھی بچہ ہو بیٹا یا بیٹی بیگم صاحبہ کی تربیت میں رہے...... زلیخا کے سائے تلے پلنے والا بچہ ضرور دنیا میں مقام حاصل کرے گا۔ یہی سوچ کر کریم نے بچے کو اٹھایا اور زلیخا کے پاس لے آیا۔

بیگم صاحب جی...... وہ آفس جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

ارے کریم...... کیا بات ہے...... بچے کی طبیعت تو ٹھیک ہے...... وہ گھبرا کر بولی۔

سب ٹھیک ہے بیگم صاحب جی ...... میں چاہتا ہوں یہ آپ کے سائے تلے پروان چڑھے...... آپ کے نام سے پہچانا جائے۔ کریم نے کہا۔

کریم...... اسے ہم بہت محبت دیں گے...... اتنی بڑی کوٹھی ہے میں خود جدائی کا زہر پیتے پیتے ہلکان ہو چکی ہوں...... شاید اس بچے کی پرورش میں سکون ملے۔

زلیخا نے بچے کو کریم کی گود سے اٹھایا...... سینے سے لگایا۔ پیشانی پر ایک طویل بوسہ دیا......

خدا کرے تم اس کے سر پر سلامت رہو...... لیکن میں اس کی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گی...... وہ بچے کو کریم کی گود میں لوٹاتے بولی۔

مہربانی بیگم صاحب جی...... کریم نے بڑی احسان مندی سے بچے کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

سنو...... ایک دم زلیخا نے پکارا۔

جی...... کریم پلٹا۔

تم نے اس کا نام تو نہیں رکھا۔ زلیخا نے کہا۔

آپ کے پاس اسی لئے تو لایا تھا...... ویسے بھی آپ کے بغیر کیسے نام رکھ سکتا ہوں...... ہمارے تو سب کچھ آپ ہی ہیں۔ وہ بڑے مودب انداز میں بولا۔

اچھا...... آج سے اس کا نام عظیم ہے...... اور انشاءاللہ عظیم ہی بنے گا...... زلیخا نے مسکرا کر بچے کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا......

وقت کا دھارا بہتا رہا...... حالات و واقعات کی تیز و تند آندھیاں آنے والی ساعتوں کو چھوڑ کر آگے بڑھتی رہیں...... چھوٹے کومل، کمزور نونہال، تنومند تناور درختوں کی مانند بڑھ چکے تھے...... اور تناور تنومند کمزور اپنی جڑیں بھی کھوکھلی کر چکے تھے۔ زلیخا نے کراچی شہر سے دور ایک پرسکون علاقے میں خوبصورت گھر بنا لیا تھا...... کریم اس کی بیوی خوشنودہ کو کوٹھی کے ایک طرف خوبصورت حصہ نام کر دیا تھا...... جو ہمیشہ سے ان ہی کا رہے گا...... اگر وارث ہوگا تو صرف کریم کے بعد عظیم ہی ہوگا...... باقی کریم کی دو بیٹیاں تھیں جن کی تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کے لئے خاصی رقم مختص کر دی تھی...... کریم اور خوشنودہ بڑے خوش تھے...... اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زلیخا کے ہو چکے تھے...... بے شک ان کا رہن سہن علیحدہ تھا لیکن کھانا پینا ایک ساتھ ہی تھا۔ اس لئے دیکھنے والے کو احساس تک نہ ہوتا کہ کریم اور خوشنودہ ملازم ہیں...... پھر بھی رسم نبھانے کے لئے دونوں میاں بیوی کھانا کچن میں ہی کھاتے اور بچے حسب عادت زلیخا کے ساتھ ٹیبل پر کھاتے۔

یونیورسٹی سے نکلتے ردا بری طرح سے چونک پڑی۔

بھول گئی ہو...... کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ عظیم ایک بڑا قدم بڑھا کر ردا کے ساتھ ہم قدم ہوا۔

مجھے معلوم ہے جناب میرے ساتھ ہیں...... میں کچھ اور دیکھ رہی تھی۔ وہ خالی جگہ دیکھ کر ہنس دی جہاں اکثر عظیم اپنی موٹر سائیکل کھڑی کرتا تھا۔

اچھا...... تمہیں میری موٹر سائیکل کا خیال آ گیا ہوگا...... عظیم اس کے قریب آ گیا۔

کہاں ہے...... کسی دوست کو سیر سپاٹے کے لئے دے دی ہوگی...... ردا نے اس کی عادت

کے مطابق کہا۔

نہیں......وہ ہرجائی ورکشاپ میں ہے......کل راستے میں ساتھ چھوڑ گئی تھی۔وہ ہنس دیا۔

چلو آؤ......میں ڈراپ کردوں گی۔وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر بولی۔

نہیں بھئی......معاف کرو بابا۔تمہارے بھائیوں نے دیکھ لیا تو مصیبت آ جائیگی......وہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر معافی مانگتے بولا۔

تم تو پاگل ہو......وہ میرے بھائی ہیں ءصاحبان کے نہیں......چلو آؤ......وہ اپنے ساتھ والا دروازہ کھول کر اصرار کرنے لگی۔

او ہو......ردا ضد مت کرو......میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا......وہ التجا کرتے بولا۔

کیا بکواس ہے......زہر لگتا ہے مجھے تمہارا یہ تکلف......وہ غصے سے چلا کر بولی۔

اچھا بابا اچھا......غصہ مت کرو......آ رہا ہوں......وہ کتابیں پچھلی سیٹ پر پھینک کر ردا کے ساتھ بیٹھ گیا۔

اور ردا نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد عظیم نے باہر دیکھا۔

اے لڑکی کہاں لے کے جا رہی ہو......میرے گھر کے راستے میں تو آبادی ہی بہت کم ہے۔

وہ مذاحیہ انداز میں بولا۔

خاموش بیٹھے رہو اور گاڑی ایک خوبصورت ریستوران کے سامنے رکی۔

اسی وجہ سے میں تمہارے ساتھ نہیں آ رہا تھا......تم آوارگی کی طرف راغب کر رہی ہو......

وہ ہنستا ہوا باہر نکلا......

بکواس بند......چلو آؤ......وہ گاڑی لاک کر کے اس کے ساتھ بڑھ گئی۔

ان کے بیٹھتے ہی بیرا کارڈ لے آیا۔

تین چار چیزوں کا آرڈر دینے کے بعد اس نے گلاس پانی سے بھرا اور اس کے سامنے رکھا۔

پانی پیو......وہ دوسرا گلاس ہونٹوں کو لگا کر بولی۔

ردا......عظیم نے حیرت سے پکارا۔

کیا بات ہے......بڑے سنجیدہ ہو گئے ہو۔ردا نے گلاس رکھتے کہا۔

تمہارے رویئے سے میں سنجیدہ ہو گیا ہوں۔عظیم نے رومال سے اپنا چہرا صاف کیا۔

اچھی طرح سمجھاؤ......تمہاری باتیں میں سمجھ نہیں پا رہی۔ردا بڑے دلکش انداز میں اس کی رف پلٹ کر بولی۔

تم مجھے یہاں کیوں لائی ہو۔وہ بولا۔

تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔جو سوائے یہاں کے کہیں نہیں کر سکتی......وہ خود اس ت سنجیدہ ہو گئی۔

بات......کونسی بات......خیر تو ہے......وہ چونک گیا۔

میری مما اپنے کزن کے بیٹے سے میری منگنی کرنا چاہتی ہیں......وہ ایک دم بولی۔

تو کر لو......آخر وہ لڑکا ہی ہوگا......کوئی اور مخلوق تو نہیں......وہ ہنس دیا۔

تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے......میری جان پر بنی ہے۔ردا نے . تے ہوئے بیرے کو دیکھ کر ہا۔

منگنی ہے......سولی پر تو نہیں لٹکو گی......کر لو منگنی......عظیم نے پھر مذاق کیا۔

عظیم......میں تمہیں مار بیٹھوں گی......جو کہنا چاہتی ہوں غور سے سنو۔وہ اپنے آپ کو نٹرول کرتے اس کے بازو پر چٹکی کاٹتے بولی۔

عظیم کا ماتھا ٹھنکا۔

کہو......ہمہ تن گوش ہوں سرکار......وہ اپنا بازو کھینچ کر بولا۔

یں وہاں نہیں منگنی کرنا چاہتی۔وہ عظیم کے صاف ستھرے صحت مند چہرے کو بغور دیکھ ر بولی۔

اپنے مما پپا سے کہو......تمہارے لئے کسی مغل شہزادے کا بندوبست کریں۔عظیم نے چائے کر ردا کے سامنے کپ رکھا۔

یرے لئے مغل شہزادے ہی ہو۔وہ فوراً بولی۔

کیا کہہ رہی ہو......کیا میرے بارے میں کہہ رہی ہو......وہ ایک دم کھڑا ہو گیا......جیسے و ردا کے منہ سے ایسے الفاظ سننے کی توقع نہ تھی۔

یں نے جو کچھ کہا ہے......تم نے بعین ہوش و حواس سن لیا ہے نا......وہ چمکتی روشن وں سے عظیم کی طرف دیکھ کر بولی۔

ے بابا سن لیا ہے......تبھی تو بری طرح سے اچھلا ہوں......یہ حادثاتی جملے میرے لئے

مت بولا کرو ردا...... مر جاؤں گا۔ وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

اب مذاق نہیں ہے عظیم ...... میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں ...... تم سے اچھا اور کون ہوگا ...... By God ...... تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو ...... وہ بالکل سنجیدگی سے بولی۔

ردا...... تمہارے ساتھ دوستی ضرور کی ہے ...... لیکن ایسا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں ...... وہ سادگی سے ہنس دیا۔ ویسے اسے توقع نہیں تھی ......

لیکن میں ہمیشہ سے تمہارے بارے میں سوچتی رہی ہوں ...... تمہیں ہر لحاظ سے پرکھ کر ہی میں نے یہ فیصلہ کیا ہے ......

کہ میں جورو کا غلام بن کر رہ سکتا ہوں۔ عظیم نے فوراً ردا کی بات اچک لی۔

پھر کیا ہے ...... تمہیں میں نے اپنے لئے بہتر پایا ...... ہم دونوں اچھی زندگی گزار لیں گے۔

ردا کی بڑی بڑی آنکھوں میں چاہت کے دیپ روشن ہو گئے۔

چند لمحے وہ خاموش رہا ...... عجیب عجیب قسم کے خیالات اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے۔

تم خاموش کیوں ہو گئے۔ ردا نے کہا۔

اس لئے کہ میں سیدھے سادے گھرانے کا انسان ہوں ...... دولت تمہارے گھر کی لونڈی ہے۔ اور میرا باپ ......

کیا ہے تمہارے باپ کو ...... وہ دیکھنے لگی۔

تمہیں کیسے ...... ایک دم اچک کر ردا نے عظیم کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

میری بات تو سن لو۔ وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر بولا۔

نہیں سننا چاہتی میں ...... میں صرف تمہیں چاہتی ہوں ...... تم سے محبت کی ہے ...... اور شادی بھی تم سے کروں گی ...... تمہارے گھر والوں سے کوئی غرض نہیں ہے ...... ردا کے الفاظ اپنے اندر بڑے مستحکم تھے۔

پاگل لڑکی میرا باپ دولت مند نہیں ہے۔ وہ جلدی سے کہہ گیا۔

تمہارا باپ جو کچھ بھی ہے ...... مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ...... بس تم میرے ہو ......

میری شادی ہوگی تو تم سے ...... بس ...... وہ حتمی فیصلہ بناتے بولی۔

اب میرا فیصلہ بھی سن لو ...... وہ میز پر ہاتھ مارتے بولا۔

کہو ...... ردا کا دل دھڑکا۔

دل تھام کر سننا ...... وہ سنجیدہ ہو گیا۔

میری شادی ہوگی تو ...... وہ ٹھہر گیا۔

جلدی بولو ...... اب تم سولی پر لٹکا رہے ہو ......

بھئی میری شادی ہوگی تو صرف ...... وہ پھر چپ کر گیا۔

کس سے ...... ردا نے کہا۔

صرف ردا سے ...... بڑی محبت سے وہ ردا کے کان میں سرگوشی کرتے بولا ......

O My God ...... عظیم ...... تم نے تو ڈرا ہی دیا ...... بڑے خراب ہو تم ...... بڑی چاہت سے وہ عظیم کے ہاتھ کو دبا کر بولی۔

تمہارے بغیر تو میں جینے کا تصور نہیں کر سکتا ...... شادی تو دور کی بات ہے ...... وہ محبت سے ردا کو دیکھنے لگا۔

Thank You عظیم ...... تم کتنے اچھے ہو ...... وہ بڑی احسان مند نگاہوں سے عظیم سے بولی ...... جیسے اس نے اپنی محبت دے کر ردا پر احسان کیا ہو۔

چلیں ...... عظیم نے کہا۔

چلو ...... دونوں باہر نکل آئے۔

ایک ٹیکسی دونوں کے قریب آ کر رکی۔

میں تمہیں چھوڑ آؤں گی۔ وہ ٹیکسی کو رکتے دیکھ کر بولی۔

تمہیں شام ہو جائے گی ...... پہلے ہی چار بج گئے ہیں۔ وہ گھڑی دیکھ کر بولی۔

کوئی بات نہیں ...... اسی بہانے تمہارا دولت کدہ بھی دیکھ لوں گی ...... وہ اپنی مرضی ٹھونستے بولی۔

ارے نہیں ...... میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا ...... میرا دولت کدہ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے چھوڑنے کے بعد وہ تنہا واپس لوٹے ......

کیوں صاحب ...... میں جاؤں ...... ٹیکسی والا ان کو تکرار کرتے دیکھ کر بولا۔

ارے یار رک جاؤ ...... میں ذرا اس پاگل لڑکی کو گاڑی تک چھوڑ آؤں۔ وہ کہتے ہوئے ردا کا

بازو پکڑے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اس کی گاڑی تک لے گیا۔

بیٹھو ...... ابھی سورج کی روشنی باقی ہے......وہ زبردستی ردا کو سٹیرنگ والی سیٹ پر بٹھاتے بولا۔

وہ منہ بسورے سٹرینگ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

دیکھو......اب ناراض ہو کر مت جانا...... تمہیں معلوم ہے میرا گھر شہر سے کس قدر دور ہے۔ واپس آتے آتے تمہیں شام ہو جائیگی......شاباش......ہنسو......ٹھیک کرو موڈ کو......وہ اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے بولا۔

Ok Ok......عظیم ...... میں اب سمجھی......شاید تم مجھے اپنے گھر نہیں لے جانا چاہتے۔ وہ مسکرا دی۔

کیسے نبھے گی ساری عمریا......تمہاری عقل بڑی ناقص ہے۔ بڑے شریر انداز میں بولا۔

صبح پوچھوں گی تمہیں ...... بڑے دلربائی انداز میں ردا نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

وہ مسکراتا ہوا اپنی جگہ پر آ گیا۔

چلا گیا......عظیم نے دیکھا ٹیکسی والا جا چکا تھا۔

وہ دوسری ٹیکسی لئے گھر کی جانب لوٹ گیا۔

ردا......زوبی نے ڈائننگ ٹیبل کے پاس بیٹھے ردا کو پکارا......

آ رہی ہوں مما......ردا نے زینہ اترتے قریب آ کر کہا۔

بہت دیر لگا دی بیٹی......کیا کالج کا ٹائم چینج ہو گیا ہے۔ زوبی نے ٹی پاٹ کو اٹھا کر قہوہ ڈالا۔

ٹائم چینج نہیں ہوا آنٹی......آج وہ مل گیا ہو گا......کیا نام ہے اس کا...... عظیم ...... ہاں عظیم ......آتے ہی شعیب نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

بھائی...... تمہیں عظیم سے کیا دشمنی ہے۔ وہ غصہ کرنے لگی۔

مجھے دشمنی نہیں ہے...... بات صرف اتنی ہے کہ بندہ اپنے مقابل سے دوستی کرے۔ شعیب نے کہا۔

زوبی کچھ سوچنے لگی۔

تم کہنا کیا چاہتے ہو......ذرا کھل کر بات کرو۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

کالج جانے کے لئے اس کے پاس گاڑی بھی نہیں...... گھسی پٹی ایک موٹر سائیکل ہے اس پر آتا جاتا ہے۔

گاڑی کے نا ہونے سے انسان کی شخصیت تو مسخ نہیں ہو جاتی۔ وہ بہت اچھا انسان ہے۔ وہ پاؤں پٹختی اپنے کمرے کا زینہ چڑھ گئی۔

دیکھ لیا آپ نے...... ہماری بہن کا یہ رویہ ہے ہم سے ......کیا ہم اس کے بھائی نہیں ہیں۔ وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے خفگی سے بولا۔

زوبی خاموش بیٹھی رہی......دوسری طرف سے ضہیب بھی آ چکا تھا۔ کوئی بات ہو گئی۔ وہ کرسی اور قریب کرتے بولا۔

عارفی......زوبی نے لاپرواہی سے جاتے ہوئے ملازم کو آواز دی۔

جی......عارفی قریب آ گیا۔

صاحب کو بلاؤ......چائے تیار ہے......وہ بولی۔

آ رہا ہوں بھئی......سجاد تیز رفتاری سے زینہ اترتے بولا۔

زوبی نے تینوں کے لئے چائے بنائی......اور آخر میں خود کپ لے لیا۔ سامنے آویزاں کلاک کو دیکھ کر سجاد نے زوبی کی طرف دیکھا۔

ہماری بیٹی نہیں ہے......کیا بات ہے......سجاد نے اپنی پلیٹ میں پکوڑے رکھتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے میں ہے۔ زوبی نے کہا۔

شعیب اور ضہیب چائے کے بعد کھیلنے کے لئے چلے گئے......

تم نے بتایا نہیں......بیٹی ناراض ہے۔ سجاد نے کہا۔

ناراض نہیں ہے......شعیب سے معمولی سی بات ہو گئی ہے۔ وہ بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔

جھگڑا ہو گیا۔ سجاد چونک گیا۔

تمہیں معلوم تو ہے شعیب عظیم کو اچھا نہیں سمجھتا۔ زوبی نے کہا۔

میں بھی ردا کی عظیم کے ساتھ اس قدر بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔ سجاد ناگوار انداز سے بولا۔

میرے خیال میں عظیم اچھا انسان ہے......نیک بھی اور شریف بھی......زوبی نے کہا۔

تم کہنا کیا چاہتی ہو......سجاد بولا۔

وہ عنقریب اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہے۔ وہ جب بھی واپس آئے گا بہت اچھا

انسان بن کر لوٹے گا۔

زوبی کی پسندیدگی کا اندازہ انہی باتوں سے لگایا جا سکتا تھا۔

کیا ردا پسند کرتی ہے ...... سجاد نے کہا۔

دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں ...... زوبی نے کہا۔

اس کے گھر بار کو دیکھا ...... وہ کس فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔ لوگ کیسے ہیں۔ سجاد نے کپ کو ٹیبل پر رکھا۔

ایسا موقع ہی نہیں ملا ......

خیر ...... میں پتہ چلا لوں گا ...... دیکھنے میں عظیم برا تو نہیں ...... لیکن اس کے والدین سے ملنا بہت ضروری ہے۔

کسی دن پروگرام بنائیں۔

اور پروگرام بن گیا۔ عظیم ردا زوبی اور سجاد کو اپنی والدہ بلکہ والدین سے ملوانے لے گیا۔

گاڑی سے اتر کر عظیم نے گیٹ کھولا اور گاڑی پورچ میں لے گیا۔

سجاد زوبی اور ردا باہر آ گئے۔

آپ ڈرائینگ روم میں آیئے ...... میں اماں کو بلاتا ہوں ...... وہ ان کو ڈرائینگ روم میں بٹھا کر خود باہر آ گیا۔

ڈرائینگ روم کی تو بڑی آرائش ہے۔ زوبی نے خوبصورت فریم میں تصاویر کو دلچسپی سے دیکھ کر کہا۔

واقعی ماما ...... میں نے آج پہلی مرتبہ عظیم کا گھر دیکھا ہے۔ ردا نے پرستائش نظریں ڈرائینگ روم کی نفاست پر ڈالیں۔

اماں آ رہی ہیں۔ وہ مسکراتا ہوا واپس آیا۔

ارے صاحب جی آپ ...... اندر آتے خوشنودہ کی جیسے چیخ نکل گئی۔

تم ...... سجاد ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا ...... اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔

زوبی اور ردا لاعلمی کے بھرپور انداز کے ساتھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھے جا رہے تھے۔ یہ عظیم تمہارا بیٹا ہے۔ سجاد کی آواز اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

ہاں جی ...... عظیم میرا بیٹا ہے ...... اور دو بیٹیاں ہیں۔

کریم کہاں ہے۔ سجاد نے کہا۔

کریم کا وہی کام ہے ...... بیگم صاحبہ کی خدمت ...... بیگم صاحبہ ابھی دفتر سے واپس نہیں آئیں۔ خوشنودہ سامنے کھڑی بولی۔

سنو ...... بیگم صاحبہ سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔ زوبی کا ماتھا ٹھنکا۔

رشتہ ...... رشتہ کیا ہونا ہے ...... وہ تو مالکن ہیں ہماری ...... انہی کے دم سے زندگی آسان گزر رہی ہے ...... جیسے حالات تھے ...... ہمارا کیا بنتا۔ خوشنودہ نے کہا۔

اس کا مطلب کہ وہ تمہاری مالکن اور تم ملازم ہو ...... زوبی نے کہا۔

ہاں جی ...... ہم تو ملازم ہیں ءمگر اب تو سارا گھر بار بیگم صاحبہ نے ہم پر ہی چھوڑ دیا ہے ...... بلکہ عظیم کو اعلیٰ تعلیم ......

بس بس ...... چلو سجاد ...... اب کچھ نہیں ہو سکتا ...... زوبی ییخ پاسی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ماما ...... چند سیکنڈ اور ٹھہر جایئے۔ ردا نے التجا کی۔

کس لئے ...... چلو سجاد ...... جو دیکھنا تھا دیکھ لیا۔ سجاد زوبی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

سجاد انکل ...... عظیم پکارتا رہ گیا ...... اور زوبی ردا کا ہاتھ پکڑے اسے باہر لے گئی۔

مجھے پہلے ہی شک تھا کہ جو شخص اتنے بلند بانگ دعوے تو باندھ رہا ہے لیکن تمہیں ایک دن بھی اپنے گھر نہیں لے گیا۔ زوبی نے پرس کو صوفے پر پھینکا ......

میں نے خود عظیم کے گھر جانا مناسب نہیں سمجھا ...... ردا نے ملتجی نگاہیں باپ کے چہرے پر ڈالیں۔

بس ...... اس کہانی کو یہیں ختم ہو جانا چاہئے۔ سجاد بولا۔

کیا مطلب ہے پاپا ...... ردا جوش سے کھڑی ہو گئی۔

تم آج کے بعد اس سے نہیں ملو گی۔ سجاد جوش میں آ گیا۔

کیوں؟ ردا نے برجستہ جواب دیا۔

وہ نوکرانی کا بیٹا ہے ...... کریم اس کا باپ ہے ...... جس نے ساری زندگی میرے بوٹ پالش کئے ہیں۔ سجاد دونوں ہاتھوں کو نچا کر اچھلا ...... اتنا بلند آواز میں چلایا کہ اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں۔

پھر کیا ہوا پاپا ...... پیٹ کا ایندھن بھرنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ ردا کے

نزدیک یہ کوئی بری بات نہ تھی۔

ردا......کیا کہہ رہی ہو......زوبی چونک گئی۔

لیکن وہ تیز رفتاری سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اب ایک نئی مصیبت نے جنم لے لیا ہے......معلوم نہیں......یہ زلیخا کا آسیب کب اترے گا۔ سجاد کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

زوبی نے کہا......یہ بھی اچھا ہوا۔ شعیب ضہیب میں کوئی ساتھ نہیں تھا......ورنہ معاملہ اور بگڑ جاتا۔ سجاد کو زبردست تشویش ہو رہی تھی۔

اب ردا کا کیا ہوگا......زوبی انتہائی منتشر نظر آ رہی تھی۔

کچھ نہیں ہوگا......وقت گزرنے کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ جھنجھلا کر بولا۔

کچھ نہیں ہوگا سجاد......وہ اپنی ضد کبھی نہیں چھوڑے گی۔ زوبی نے دونوں ہاتھوں کو جھٹک کر ردا کی ضد کا احساس دلایا۔

تو کیا عظیم سے شادی کر دوں اسکی......وہ نوکرانی کا بیٹا......اور بیٹا بھی اس کا جو میرا ملازم ہے......زلیخا کے گھر میں اب بھی کام کر رہا ہے۔ وہ بیخ پا ہو گیا۔

لیکن بات بنائے نا بنی......یونیورسٹی میں ملاقات ہوتے ہی وہ بری طرح رو دی......

ردا......کیا ہوا......وہ حیرانی سے بولا۔

تمہیں تو جیسے خبر ہی نہیں ہے۔ وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

او ہو پاگل لڑکی......یہ لو آنکھیں صاف کرو......آرام سے کوئی فیصلہ کرتے ہیں نا......وہ پینٹ کی جیب میں سے رومال نکال کر ردا کو دیتے بولا۔

کیا فیصلہ کرو گے......پاپا نے صاف انکار کر دیا ہے۔ وہ رخساروں پر رکے آنسو صاف کرتے بولی۔

یعنی کہ تمہیں میرے ساتھ......

ہاں......وہ تو کچھ اور بھی کہتے ہیں......وہ بات کاٹ کر بولی۔

میں جانتا ہوں ردا......مجھے ملازم کا بیٹا کہتے ہیں نا......میں مانتا ہوں......میرے ابا اماں ماما کے ملازم ہیں......عظیم سنجیدہ ہو گیا۔

ماما......زلیخا آنٹی تو تم ماما کہتے ہو۔ ردا کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

ہاں......انہوں نے ہی میری تربیت کی ہے بلکہ میری تعلیم پر خصوصی توجہ اور آج جو کچھ بھی ہوں ان کی وجہ سے ہوں......احسان مندی سے عظیم کی نگاہیں جھک گئیں۔

وہ واقعی ایک بہت بڑی عورت ہیں......اس دن ملاقات میں ان کو تمہاری ماما سمجھ رہی تھی۔ ردا کو یاد آیا۔

تم مجھے ان کا ہی بیٹا سمجھو......میری ماں نے تو صرف مجھے پیدا کیا ہے۔ عظیم نے بڑی محبت سے جذبات کا اظہار کیا۔

آنٹی زلیخا بڑی گریٹ لیڈی ہیں......تمہاری زندگی کو روشن بنا دیا......اور اس قدر مامتا لوٹا دی......اور ادھر میری ماما، شعیب اور ضہیب بھائی کو وہ محبت نہ دے سکیں......جو ان کو دینا چاہئے تھی......وہ افسوس کرنے لگی۔

حالانکہ شعیب اور ضہیب انکل سجاد کے بیٹے ہیں۔ عظیم آج اور کچھ انکشاف کرنے والا تھا۔

بیٹے تو دونوں پاپا کے ہیں لیکن ماما تو ان کی سٹپ مدر ہیں نا......ردا نے کہا۔

شعیب اور ضہیب کی ماما تمہاری سٹپ مدر ہیں۔ عظیم نے ردا کی آنکھوں میں جھانکا۔

کیا......جو کہنا چاہتے ہو......کھل کے کہو۔ ردا کے دل میں شک و شبہات نے جگہ لے لی۔

تمہیں نہیں معلوم......وہ بولا۔

نہیں......میں کچھ نہیں جانتی......پلیز بتاؤ نا......

ماما تمہاری سٹپ مدر ہیں۔ وہ بڑے جچے تلے الفاظ میں بولا۔

What......یعنی کہ آنٹی زلیخا......ردا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

جی ہاں......ایک مدت گزر گئی جب انکل سجاد نے تمہاری ماما سے شادی کر لی اور ماما زلیخا گھر چھوڑ کے آ گئیں۔

Very Sad......اس قدر اچھی عورت کو چھوڑ دیا پاپا نے......ردا کو بہت دکھ ہوا۔

میرا خیال ہے ماما نے خود ہی انکل سجاد کے ساتھ رہنا پسند نہیں کیا۔ عظیم زلیخا کی غیرت مند اور خوددار طبیعت سے واقف ہو چکا تھا۔

ٹھیک ہے......کوئی عورت شراکت گوارا نہیں کرتی۔ وہ بھی محبت کی تقسیم......ردا نے کہا۔

میرا خیال ہے ٹائم ختم ہو گیا ہے......آؤ چلیں......وہ کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ ردا کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

ردا نے ہاتھ کو عظیم کے ہاتھ میں دیا اور سہارے سے کھڑی ہوئی۔

عظیم ...... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بس تمہارے سہارے کی ضرورت ہے...... وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے بولی۔

کس کافر کا دل چاہتا ہے تم سے جدا ہونے کو...... دیکھنا آج کیا ہوتا ہے۔ وہ ردا کے ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

میرے ساتھ چلنے کا ارادہ ہے۔ ردا کو مذاق سوجھا۔

ہاں ......کیوں نہیں ...... بلکہ پل صراط پر بھی ...... وہ گاڑی سٹارٹ کرتے بولا۔

ردا ساری تلخی بھول کر کھل کھلا کر ہنس دی۔

چند لمحوں میں گاڑی زوبی لاج کے باہر کھڑی ہوگئی۔ گارڈ نے گیٹ کھولا اور عظیم گاڑی اندر لے گیا۔

تم ڈرائینگ روم میں چلو ...... میں پاپا کو بھیجتی ہوں ...... وہ دوسری طرف جاتے جاتے بولی۔

اور عظیم بڑے اطمینان سے ڈرائینگ روم کی طرف چل دیا۔

پاپا......وہ اندر جاتے سجاد سے بولی......وہ کچھ لمحے پہلے زوبی سے محو گفتگو تھا۔ سجاد نے چہرا اٹھایا۔

عظیم آپ سے ملنا چاہتا ہے پاپا......وہ آہستہ سے بولی۔

زوبی نے نگاہیں اٹھائیں۔

کیوں ......وہ کیوں آیا ہے اب۔ اسے واپس بھیج دو......سجاد کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

زوبی نے خالی خولی نظریں ردا پر ڈالیں۔

ردا خاموش ہی رہی ......لیکن اس کے چہرے پر حزن و ملال کے انگنت سائے منڈلا رہے تھے۔

تم اس سے مل تو لو......کوئی حرج نہیں ہے۔ زوبی نے اندرونی طور پر بیٹی کی حمایت کی۔

اب ملاقات کا فائدہ ...... جب بات ہی ختم ہو چکی ہے۔ وہ پھر تلخ ہو گیا۔

پاپا...... آپ اس کی بات تو سن لیں ...... وہ گرا پڑا انسان نہیں ہے...... جو آپ اس طرح سے دھتکار رہے ہیں......ردا کو سجاد کے رویے پر غصہ آ گیا۔

دیکھا تم نے ......اس کے رویے پر غور کیا تم نے ...... سجاد جاتے جاتے بولا۔

ردا......اپنے پاپا سے بات کرنے کا سلیقہ سیکھو ......

ماما پلیز......وہ چلا کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

ریلیکس بیٹا......ریلیکس ......زوبی نے بڑی شفقت سے کہا۔

میری بات سن لیجئے ......میں عظیم کے علاوہ کسی اور سے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی ......وہ زبردست طیش میں مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

تمہارا فیصلہ ہے بیٹی۔ زوبی نرم لہجہ اختیار کرگئی۔

یہ میرا پہلا اور آخری فیصلہ ہے......وہ بڑے مستحکم لہجے میں بولی۔

دوسرے لمحے زوبی اور ردا نے کان کھڑے کر لئے......ڈرائینگ روم سے سجاد کی آواز آ رہی تھی۔

کیسے آئے ہو......سجاد نے اندر جاتے ہی کہا۔

آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ عظیم مودب کھڑا ہو گیا۔

تم جو کہنا چاہتے ہو...... مجھے معلوم ہے......سجاد نے کہا۔

پھر آپ کا کیا فیصلہ ہے۔ عظیم نے کہا۔

وہ ہی جو پہلے تھا۔ سجاد کرخت لہجے میں غرایا۔

یعنی کہ......

یعنی کہ......تم کہیں اور گھاس کھاؤ......ردا کو میں ایک دہلیز زادے سے نہیں بیاہ سکتا۔ سجاد چلا کر بولا۔

یہ آپ کی بھول ہے......میں دہلیز زادہ نہیں ہوں...... میں ماما کا بیٹا ہوں...... عظیم کی آواز میں لرزش پیدا ہوگئی۔

مجھے معلوم ہے......تم زلیخا کے بیٹے ہو......لیکن تمہاری رگوں میں کریم کا خون ہے...... تمہیں خوشنودہ نے پیدا کیا ہے......زلیخا نے صرف تمہاری پرورش کی ہے...... پرورہ بیٹا نہیں کہلا سکتا۔ وہ چلا کر بولا......کہ اس کی رگیں پھول گئیں۔

یہ اس جرم کی سزا ہے کہ میں نے خوشنودہ کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ وہ تلخ انداز میں گویا ہوا۔

تم جا سکتے ہو......اور آئندہ ادھر کا رخ مت کرنا......

پاپا...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں...... میں ......اندر آتے ردا کرب سے چلائی......

زوبی......روک لو......سجاد نے ردا کو عظیم کے پاس جاتے دیکھ کر کہا۔

میں جا رہا ہوں ردا......وہ پلٹا......

عظیم رکو...... میں ساتھ جاؤں گی...... ماما......روک لیجئے عظیم کو......وہ بانہیں پھیلا کر چیخ اٹھی۔

ردا...... میں پھر آؤں گا......تم چوری کا مال نہیں ہو یا میں چور نہیں......اس طرح تمہیں لے جاؤں......تم تو انمول ہیرا ہو تمہیں میں ڈنکے کی چوٹ پر لے جاؤں گا......وہ پلٹا......

خدا حافظ انکل سجاد......وہ طنزیہ انداز میں کہتا ہوا بڑی برق رفتاری سے باہر نکل گیا۔

اسے جاتے دیکھ کر ردا نے شانے جھٹکے اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

دیکھا......زوبی......اپنی بیٹی کا سرکش رویہ......اسے اپنے باپ سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ وہ غصے سے بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

ردا تمہاری بھی بیٹی ہے۔ پلٹ کر زوبی نے کہا۔

اس میں جو باغیانہ پن ہے نا......وہ تمہارا ہے...... بالکل تمہاری کاپی نظر آئی ہے آج مجھے ......سجاد نے کہا۔

خیر اس مسئلے کو چھوڑ دو......آئندہ کی بات کرو......ردا کو کنٹرول کرنا بہت مشکل ہے۔ زوبی نے سجاد کو جیسے کہنے کے لئے منع کر دیا۔

میں ہرگز ہرگز......ردا کو عظیم کے حوالے نہیں کر سکتا......وہ جھنجلایا ہوا نظر آنے لگا۔

اس لئے کہ وہ خوشنودہ ملازمہ کا بیٹا ہے۔ زوبی نے نگاہیں پھیلا لیں۔

ہاں......تمہیں معلوم تو ہے۔

لیکن عظیم تو تمہارا ملازم نہیں۔ زوبی نے سجاد کو باور کرانا چاہا۔

کیا مطلب ہے تمہارا......وہ پلٹا......

مطلب یہ کہ یہ اکیسویں صدی ہے......اس میں تم اولاد پر اپنا ارادہ نہیں ٹھونس سکتے۔ زوبی نے سجاد کو قائل کرنا چاہا......وہ جانتی تھی کہ ردا اس کی بیٹی ہے......اگر عظیم کو وہ پسند کرتی ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا نوجوان نہیں لے سکتا......اس نے سجاد کو پسند کیا......بیگم اکرام نے بہت منع کیا کہ اس کے پاس ایک کوڑی بھی نہیں......لیکن وہ نہ مانی اور سجاد سے شادی کرنے کی ٹھان لی......حالانکہ وہ جانتی تھی کہ سجاد پہلے سے ایک بیوی کا شوہر اور دو بیٹوں کا باپ ہے۔ یہی کیفیت ہے۔ وہ جانتی ہے کہ عظیم ایک نوکر کا بیٹا ہے لیکن پھر بھی وہ اسے چھوڑنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہے حالانکہ عظیم سجاد سے کہیں زیادہ تعلیم یافتہ ہے۔

اُدھر پریشان و افسردہ عظیم گھر پہنچا......زلیخا اس سے پہلے کئی مرتبہ خوشنودہ اور کریم سے پوچھ چکی تھی......راہ داری سے گزرتے زلیخا نے گولی نگل کر پانی کا گلاس قریبی میز پر سے اٹھایا اور حلق میں انڈیل لیا......طبیعت میں حد درجہ کمزوری بڑھ رہی تھی......بخار تھا کہ کئی ہفتوں سے جان نہیں چھوڑ رہا تھا......آفس کی باقاعدگی نے اسے زیادہ نحیف بنا دیا تھا......

پلنگ پر بیٹھتے ہوئے اس کو عظیم کا ہیولہ نظر آ رہا۔

عظیم......وہ اسے پکاری

جی ماما......وہ اندر ہی آ گیا۔

زلیخا نے اسے بغور دیکھا......وہ بہت ٹوٹا ہوا نظر آ رہا تھا......اس کی آنکھوں کی ویرانی اس بات کی غماز تھی کہ اسے شدید چوٹ لگی ہے۔ وہ اس ضرب کی اذیت برداشت کئے ہوئے ہے۔

کہاں سے آ رہے ہو......کالج چھوٹنے کے بعد گھر نہیں آئے۔ کہاں تھے......زلیخا نے عظیم کے سراپا کو گہری نظروں سے دیکھا......اور اپنا چشمہ اتار کر تپائی پر رکھ دیا....ماما میں کس کا بیٹا ہوں......عظیم قالین پر دو زانو زلیخا کے پاس بیٹھ گیا۔

کیسا احمقانہ سوال ہے تمہارا......تمہیں نہیں معلوم......زلیخا مسکرا دی۔

پھر بھی آپ بتائیں نا......میں کس کا بیٹا ہوں۔ وہ اپنے ہاتھوں کو زلیخا کے گھٹنوں پر رکھتے ہوئے بولا۔

بیٹا! تم میرے بیٹے ہو......اپنی ماما کے......میں نے تمہاری پرورش کی ہے......زلیخا کو عظیم کی نگاہوں میں عجیب قسم کی تنگی محسوس ہوئی......

پھر اماں خوشنودہ کا بیٹا جو کہ انکل سجاد نے مجھ سے ردا چھین لی ہے۔ وہ بھیگی بھیگی پلکوں کو اٹھا کر بے بسی کے عالم میں بولا۔

تم سے ردا چھین لی ہے......سجاد نے......اسے چھیننے کی عادت ہے۔ وہ عظیم کے شانے کو تھام کر اپنے غصے کا یوں ہی اظہار کرنے لگی۔

چند لمحے ماحول خوفناک حد تک افسردہ رہا...... زلیخا نے مہر خاموشی کو توڑا۔ وہ ردا کی شادی کہیں اور کرنا چاہتا ہے۔ زلیخا نے کہا۔

یہ نہیں معلوم...... لیکن اس نے نوکر کا بیٹا جان کر مجھے ٹھکرا دیا ہے۔ وہ بڑی مایوسی سے بولا۔

تم کوئی غم نہ کرو...... میں بات کی اصلیت جان چکی ہوں...... وہ تمہیں خوشنودہ کا بیٹا جان کر تمہیں نظر انداز کر رہا ہے...... میں ایسا نہیں ہونے دوں گی...... وہ مستحکم ارادے سے بولی۔

وہ تم سے اب ردا نہیں چھین سکتا......

پھر کیا ہوگا۔ وہ بولا۔

وہی ہوگا جو تم چاہتے ہو۔ زلیخا نے عظیم کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔

یہ کیسے ہوگا...... انکل سجاد بڑا ظالم شخص ہے۔

ہو جائے گا...... کل کالج چھوڑتے ہی تمہیں میرے پاس آنا ہوگا۔ پھر دیکھنا کیا بنتا ہے...... وہ دانت پیس کر بولی۔

میں چاہتا ہوں کہ ردا بھی میرے ساتھ باہر جائے...... وہ بڑی امید سے بولا۔

ایسا ہی ہوگا...... انشاء اللہ ردا بھی تمہارے ساتھ جائے گی۔ وہ بڑے وثوق سے بولی۔

بیگم صاحبہ...... کھانا لگا دوں میز پر...... خوشنودہ اندر آتے حیرت سے بولی۔

لگا دو...... وہ آہستہ سے بولی۔

تم کب آئے عظیم...... کہاں تھے تم...... یہ کالج سے آیا ہے...... خوشنودہ نے افسردہ بیٹھے عظیم کو دیکھ کر کہا۔

تم کھانا لگاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا...... پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ زلیخا نے اڑتے رنگ کو دیکھ کر خوشنودہ کو تسلی دی۔

لڑکیاں کہاں ہیں...... کام کر رہی ہیں۔ زلیخا نے کہا۔

جی ہاں...... وہ کھانا کھا کے پڑھ رہی ہیں...... میں تو کچن میں بیٹھی اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

خوشنودہ سامنے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

کریم کی طبیعت ٹھیک ہے۔ کھانسی میں افاقہ ہوا۔ زلیخا نے ایک چمچ دلیہ اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

اللہ کا شکر ہے...... کافی آرام ہے جی...... اب تو سکون سے سو رہا ہے۔ لیکن عظیم چند لقمے زہر مار کر کے اٹھا۔

کیا بات ہے بیٹا...... تم نے کھانا بہت کم کھایا ہے...... بیگم صاحب جی۔ یہ آدھی روٹی...... خوشنودہ نے روٹی اٹھا کر زلیخا کو دکھائی......

کالج سے کچھ کھا لیا ہوگا...... تم برتن سمیٹ لو......

زلیخا اپنے کمرے میں آ گئی۔ بھلا خوشنودہ کو چین کیسے پڑتا...... برتن سمیٹ کر سیدھی زلیخا کے کمرے میں پہنچی۔

آپ کو نیند تو نہیں آ رہی۔ خوشنودہ اندر داخل ہوتے بولی۔

نہیں...... آ جاؤ...... زلیخا نے فائل کو بند کر دیا۔

کیا بات ہے عظیم اتنا اُداس کیوں لگ رہا ہے...... آپ سے تو وہ ہر بات کر لیتا ہے نا...... خوشنودہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

سننا چاہتی ہو تو سنو...... تمہیں چین بھی نہیں آئے گا...... زلیخا نے کہا۔

جی...... خوشنودہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

تمہیں معلوم ہے نا کہ عظیم ردا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

اوئی اللہ...... یہ نہیں ہوسکتا...... صاحب جی تو اس دن یہ سن کر ہی آگ بگولا ہو گئے تھے کہ عظیم میرا بیٹا ہے...... توبہ توبہ بیگم صاحب جی...... صاحب جی تو نہیں مانیں گے۔ خوشنودہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔

اس کے ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے...... وہی ہوگا جو ایک عرصہ پہلے اس نے میرے ساتھ کیا تھا۔ زلیخا کی آنکھوں میں انتقام انگڑائیاں لے رہا تھا۔

جی...... خوشنودہ نے حیرت کے مارے منہ کھولا۔

سجاد کے ساتھ وہی ہوگا جو اس نے میرے ساتھ کیا ہے۔ خوشنودہ صرف زلیخا کا چہرا تکتی رہ گئی۔

اس نے میرے بیٹے مجھ سے چھینے تھے...... اور اب میں اس کی بیٹی چھین لوں گی...... میں ردا کو اس سے چھین لوں گی...... ردا کی شادی میں عظیم سے بڑی شان و شوکت سے کروں گی...... زلیخا نے مارے طیش میں ہاتھوں کو بند کر لیا۔

میں نے صرف پیدا کیا ہے عظیم کو...... پھر آپ کی گود میں ڈال دیا...... کیا پیدا کرنا اتنا بڑا

جرم ہے...... پرورش کو کوئی نہیں الزام دیتا...... وہ جیسے زمانے سے شکوہ کرنے لگی۔

رات بیتتی چلی گئی...... باتیں ختم نہ ہوئیں۔ ہر نفس اپنی اپنی آگ میں جل رہا تھا۔ سب کو حالات کے شعلے بھسم کر رہے تھے۔ خوشنودہ اور کریم کو افسوس ہو رہا تھا کہ ہم ملازم نہ ہوتے اور آج عظیم پریشان نہ ہوتا...... تاکہ اس کی مرضی کے مطابق ردا سے شادی تو ہو جاتی...... بے شک بیگم صاحبہ کی پرورش میں رہا ہے...... کہلاتا تو ہمارا بیٹا ہے...... جنم تو اس کو ہم نے دیا ہے اور زلیخا جس نے کئی مرتبہ درد و کرب سے ایک آہ بھری۔ سامنے اپنے بیٹوں کی تصاویر کو محبت سے دیکھا...... سانس کے زیر بم کو قابو میں کئے ہیلر لگایا...... جب سانس درست ہوئی تو عظیم اس کے سامنے آیا...... ماما پیدا کرنا ایک انسان کی پرورش کرنے سے زیادہ اہم ہے...... میں آپ کا بیٹا ہوں...... میں ہوں نا آپ کا بیٹا...... میں پیدا کرنے کو نہیں مانتا...... وہ بڑی مضطرب بڑے اضطرار کے ساتھ پلنگ سے اٹھی۔

عظیم...... تم میرے بیٹے ہو...... تم میرے ہو...... میں سجاد سے ملوں گی...... وہ بے دم سی بستر پر گری...... پسینے سے شرابور...... سانس سینے میں رکنے لگی۔ ہیلر کو لگا کر سانس کی تیزی کو ختم کیا...... اور نہ جانے کب تڑپتے ہوئے سو رہ ہوگئی......

☆

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی ملازم نے اطلاع دی۔

صاحب...... وہ عظیم بابو ہیں نا...... وہ...... وہ...... ملازم نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

ہاں ہاں...... آگے بکواس کرو...... سجاد نے چونک کر کہا۔

زوبی شعیب، ضہیب اور ردا آنکھیں پھاڑے دیکھتے رہے......

وہ جی آئے ہیں...... ساتھ ان کی والدہ بھی ہیں جی۔ ملازم نے کہا۔

والدہ...... کیا زلیخا ساتھ ہے...... اب...... عجیب قسم کی بوکھلاہٹ کے ساتھ اس نے زوبی کو دیکھا۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے...... زلیخا بری عورت نہیں ہے...... تم اس سے ملو تو سہی۔ زوبی نے کہا۔

ماما...... ماما آئی ہیں...... چھوٹے ضہیب نے قدم اٹھائے۔

ٹھہرو...... سجاد نے سختی سے روک دیا۔

پاپا...... آج ملنے دیجئے...... ہمیں تو اب علم ہوا ہے کہ ہماری ماں زندہ ہے...... آپ نے تو کہا تھا کہ عرصہ گاڑی کے حادثے میں انتقال کر چکی ہیں۔ ضہیب نے کہا۔

شعیب نے بھائی کو دیکھا...... وہ جانتا تھا کہ ان کی ماما زندہ ہے لیکن دولت کی چمک نے ان کی نگاہیں خیرہ کر دی تھیں...... مسرت و انبساط کے گہوارے میں ان کی ماں کا خیال ہی نہ آیا...... ویسے بھی ان کو صرف موت کا احساس دلایا گیا تھا......

تمہارے لئے اور میرے لئے زلیخا مر چکی ہیں...... بیٹھے رہو...... ماں تو مر کر بھی زندہ رہتی ہے...... تم نے جو احساس دلایا ہے...... وہ غلط ہے۔ اچانک زلیخا کو عظیم کے ساتھ اندر آتے دیکھ کر سب ہکا بکا رہ گئے۔

ماما......

ماما......

دونوں لڑکوں کے ہونٹوں سے پھسلا...... آج اپنی ماں کو دیکھ کر اس لفظ کی مٹھاس سے وہ کس قدر لطف اندوز ہوئے تھے......

سجاد...... تم میرے بچوں کے ذہنوں سے میرا تخیل محو کرنا چاہتے تھے لیکن یاد رکھو...... ماں کیسی بھی ہو...... بچے کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

میرے بچو...... زلیخا نے محبت سے دونوں بچوں کے شانے پر ہاتھ رکھا...... ضہیب نے اپنا ہاتھ زلیخا کے ہاتھ پر رکھا...... ضہیب نے اپنا ہاتھ زلیخا کے ہاتھ پر رکھا...... شعیب افسردہ بھیگی پلکیں لئے کھڑا رہا۔ سجاد کی زبان گنگ تھی...... جیسے قوت گویائی سلب ہو چکی ہو......

زلیخا...... آؤ بیٹھو نا...... بیٹھ کے بات کرتے ہیں...... زوبی اس قدر متاثر ہوئی...... ویسے بھی زلیخا کی شخصیت دوسروں کے دلوں میں کھب ہی جاتی تھی...... (کیا ایسی عورت کو سجاد نے بھلا دیا) وہ سوچتی رہ گئی۔

میں بیٹھنا نہیں چاہتی...... بس مجھے قیمتی ہیرا لوٹا دو...... جس کی میرے بیٹے کو چاہت ہے۔

کیونکہ ہیرے کے ساتھ ہیرا ہی سجتا ہے۔ وہ بڑی محبت سے عظیم کو دیکھ کر بولی۔

سجاد آہستہ سے بیٹھتے ہوئے بولا...... اور اس کی حیرت عروج پر تھی۔

ردا...... وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

ردا...... یہ کیسے ہو سکتا ہے...... سجاد نے ناگواری سے عظیم کی طرف دیکھا۔

ہو کیوں نہیں سکتا...... اس میں کچھ ناممکن نہیں ہے۔

نہیں ہو سکتا...... میں اپنی بیٹی ایک معمولی نوکر کے بیٹے کو دے دوں...... سجاد اونچی آواز میں بولا۔

یہ میرا بیٹا ہے...... لوگ میرے حوالے سے اسے جانتے ہیں...... پھر یہ بات کہاں درج ہے کہ نوکر کے بیٹے کی شادی نہیں ہو سکتی...... وہ طنزاً مسکرا دی۔

عظیم نے ردا کی طرف دیکھا۔

دیکھو زلیخا بیگم! عظیم میری بیٹی کے قابل نہیں ہے...... سجاد بڑے رکیک انداز میں......

تم پلٹ کر مت دیکھو...... آگے کی طرف دیکھو...... عظیم اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا ہے اور عنقریب میں اسے باہر بھیج رہی ہوں۔ ایف آر سی ایس کے لئے عظیم باہر جا رہا ہے۔ زلیخا نے آخر میں اپنی بات میں وزن پیدا کیا۔

زوبی نے رشک آمیز نگاہوں سے عظیم کی طرف دیکھا...... جتنی اس کی شخصیت جاذب نظر تھی اتنا ہی وہ ذہین اور لائق تھا۔

تم نے اس کی تربیت کے لئے اس قدر تگ و دو کیوں کی۔ سجاد نے طنز کیا۔

اس لئے کہ تم میرے جگر کے ٹکڑے چھین کر لے گئے تھے...... مامتا کی تشنگی باقی تھی...... جو میں نے عظیم پر نچھاور کر دی...... اس لئے عظیم کو معاشرے کا ایک بہترین انسان بنا دیا۔

چھین کر...... ضہیب نے شعیب سے کہا۔

شعیب نے ضہیب کا ہاتھ دبایا......

ماحول ساکن رہا......

سجاد کے پاس بولنے کے لئے کچھ نہیں تھا...... وہ صرف کھسیانی سی نگاہوں سے کبھی زوبی کو پھر بچوں کو اور بعد میں زلیخا کی طرف دیکھتا...... ضہیب نے ندامت آمیز نگاہیں اپنے آپ پر ڈالیں...... اور دل میں بڑبڑایا...... کہ پاپا کی اس قدر دولت کس کام کی جو ہم اچھی تعلیم نہ حاصل کر سکے۔

وہ پھر گویا ہوئی...... تم تو باپ تھے...... تم نے میرے بچوں کو کیا دیا...... باعزت زندگی گزارنے کے لئے صرف ایک عالی شان جنرل سٹور...... کیا جنرل سٹور اس کی تلافی کر سکے گا جو اعلیٰ تعلیم عظیم نے حاصل کی ہے۔

پاپا...... شعیب نے بڑھ کر سجاد کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

چونک کر سجاد نے شعیب کی طرف دیکھا۔

آج بولنے کی جسارت کر رہا ہوں...... عظیم ایک بہت اچھا انسان ہے...... اور ماما زلیخا ٹھیک فرماتی ہیں کہ ہیرے کے لئے ہیرے کا ہی انتخاب کرنا چاہئے...... شعیب نے سجاد کے شانے دبائے۔

تم کہنا کیا چاہتے ہو...... میں ردا کا بڑا بھائی ہونے کے ناطے...... عظیم کو ردا کے لئے پسند کرتا ہوں......

بھائی...... ردا ایک دم شعیب کی طرف بڑھی...... پھر شرمساری سی اپنے کمرے میں لوٹ گئی......

کیا کہہ رہے ہو تم......

بھائی ٹھیک کہتا ہے پاپا ......ہم نے آج تک آپ کی کسی بات سے اختلاف نہیں کیا ...... بلکہ ماما سے اس لئے نہیں ملے کہ آپ ناراض ہوں گے لیکن آج یہ نہیں ہو گا ...... عظیم ہمارا بھائی ، ہمارا دوست ایک بہتر انسان ہے ......ردا خوش رہے گی ......ضہیب نے عظیم کو گلے لگا لیا۔

سجاد کے لئے اب کوئی چارہ نہیں تھا......تم سب بے غیرت ہو چکے ہو۔ سجاد پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی سب کھل کھلا کر ہنس دیئے ......

شعیب اور ضہیب زلیخا سے لپٹ گئے۔

ہمیں ......پلیز معاف کر دیجئے گا ......حالات ہمیں اس ڈگر پر لے آئے ہیں۔ شعیب نے زلیخا کے ہاتھوں کو بوسا دیا۔

میرے بچو ......میں جانتی ہوں ......تمہارا قصور نہیں ......شاید قدرت کو یہی منظور تھا ......میری زندگی میں جدائی کی اتنی گھڑیاں مقرر تھیں ......زلیخا نے دونوں بچوں کو پیار کیا۔

زلیخا بہن ......میں ردا کو عظیم کے سپرد کرتی ہوں ......اگر چاہو تو ابھی لے جاؤ ......زوبی نے اپنی پوری رضامندی کا اظہار کیا۔

نہیں زوبی ......میں ردا کو پوری دنیا کے سامنے بڑے تزک و احتشام سے لے کر جاؤں گی ......میں چاہتی ہوں کہ عظیم باہر ردا کو بھی لے جائے ......

پھر ایک ماہ بعد عظیم اور ردا کی بڑی شان و شوکت کے ساتھ شادی ہو گئی ......تمام تلخیاں دور ہو چکی تھیں ......سجاد نے بھی اپنی کوتاہیوں کو مان کر زلیخا سے معذرت کر لی تھی ......کیونکہ زوبی نہیں چاہتی تھی کہ کوئی ایسی بات ہو جس سے اس کی بیٹی پریشان ہو۔ اس لئے سب اپنی جگہ مطمئن تھے۔

ماما......عظیم گزرتے ہوئے چونک کر رکا۔

آؤ آؤ عظیم بیٹے......تم سے چند باتیں کرنا تھیں ......

باتیں ......کیا مطلب ہے آپ کا ......عظیم زلیخا کے نحیف اور کمزور چہرے کو دیکھ کر گھبرا سا گیا۔

ہاں بیٹا......میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ زلیخا آہستہ سے مسکرا دی۔

وقت بہت ہے ماما......آپ تو چھٹی پر ہیں نا۔ عظیم سامنے ہی بیٹھ گیا۔

ایک پکی چھٹی ہونے والی ہے بیٹا......وہ بے دم سی ہو کر پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گئی ......

باجی ......وکیل صاحب آئے ہیں۔ خوشنودہ نے اندر آ کر کہا۔

باجی ......اماں ......اب باجی کہنا شروع کر دیا ماما کو ......عظیم ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

ان کو یہاں لے آؤ ......آج میں ڈرائینگ روم میں نہیں جا سکتی ......زلیخا نے کہا۔

خوشنودہ واپس لوٹ گئی۔

میں نے تمہارے راستے کے تمام کانٹے صاف کر دیئے ہیں ......میں نہیں چاہتی کہ خوشنودہ مجھے بیگم صاحبہ کہے اور لوگ تمہیں نوکر کا بیٹا کہیں ......زلیخا نے عظیم کی طرف دیکھا۔

ماما......آپ کتنی اچھی ہیں ......ایسی ماں کہاں ملے گی ......وہ محبت سے مغلوب ہو کر زلیخا کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر بولا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

آ جایئے وکیل صاحب ......عظیم اٹھ کر دروازے کے پاس گیا......اور وکیل زبیری کو ساتھ لے آیا۔

آداب......زبیری صاحب نے زلیخا کو دیکھ کر کہا اور سامنے کچھ فاصلے پر صوفے پر بیٹھ گیا۔

آپ کی جائیداد کے تمام کاغذات مکمل کر لئے ہیں ......دیکھ لیجئے ......زبیری صاحب نے فائل زلیخا کی جانب بڑھائی ......

آپ خود پڑھ کر بتا دیجئے......وہ ہاتھ سے روک کر بولی۔

ٹھیک ہے ......زبیری صاحب نے فائل کو کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

ناظم آباد کی دونوں کوٹھیاں شعیب اور ضہیب کے نام ......اور یہ کوٹھی جس میں ملحقہ دس مرلہ پلاٹ بھی شامل ہے عظیم کے نام ہے ......

ماما......وہ بری طرح اچھلنے کی حد تک چونکا۔

خاموش رہو......زلیخا نے عظیم کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

زبیری نے پھر بولنا شروع کر دیا۔

جاپانی کمپنی نے جو رقم آپ کو بطور انعام دی تھی ......جس میں بہتر کارکردگی شامل ہے

......وہ تین کروڑ ہے ......وہ پچاس پچاس لاکھ تینوں بچوں کو یعنی کہ شعیب ،ضہیب اور عظیم کو دے دی ......بلکہ ان کے نام لگا دی۔

Good......زلیخا نے کہا۔

باقی کام مکمل کر کے کسی وقت بتا دوں گا۔زبیری صاحب نے فائل بند کر دی۔

زبیری صاحب وہ زمان کمپنی نے بہتر کارکردگی پر مجھے تاحیات تحفے سے نوازا تھا جو ماہوار دو ہزار رقم بنتی تھی۔اس کا کیا کیا......

O Sorry......یہ تو میں بھول ہی گیا......وہ وظیفہ......آپ نے خوشنودہ بی بی اور محمد کریم کو ہمیشہ کے لئے دینے کا کہا تھا......زبیری صاحب نے بغور کاغذات پڑھ کر کہا۔

فائل کے کاغذات پر درج ہے نا۔وہ بولی۔

بالکل درج ہے......آپ دیکھ لیجئے......زبیری نے کہا۔

نہیں ......آپ پر اعتماد ہے......

زبیری صاحب نے فائل بغل میں دی اور کھڑے ہو گئے۔

آپ ان کی کاپیاں کروا کر ان کے وارثوں کو دے دیجئے اور اس کاغذات کو اپنے پاس رکھئے ......اگر مناسب سمجھیں تو عظیم کو دے دیجئے......وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

مجھے نہیں ضرورت......آپ اپنے پاس رکھئے زبری صاحب۔عظیم نے کہا۔

زلیخا ہنس دی۔اور زبیری صاحب نے جانے کے لئے اجازت چاہی اور کمرے سے نکل گئے۔

ماما......آپ یہ سب کس لئے کر رہی ہیں......کیا ملک سے باہر جا رہی ہیں۔عظیم نے حیرت واستعجاب کے عالم میں پوچھا۔

اب دنیا سے جانے کا وقت آ چکا ہے میرے بیٹے......لو دیکھ لو ......وہ بڑے کرب سے مسکرا کر دوسری طرف جھکی اور سیاہ رنگ کی فائل جس میں کئی عدد کاغذات تھے اور رپورٹس وغیرہ......عظیم کو تھما دیا۔

عظیم نے فائل کھولی...... پہلے ہی صفحہ پر اس کی نظر اٹک گئی......

وہ چیخ اٹھا......ماما......آپ کو خون کا کینسر ہے......اور مجھے بتایا بھی نہیں......

میں بیٹا تھا......آپ کی رگوں میں اپنا خون رواں کر دیتا......آپ نے بات تو کی ہوتی ......ماما یہ آپ نے کیا کیا......خود سے جنگ......وہ دونوں ہاتھوں کو چہرے پر رکھ کر بری طرح سے رو دیا......وہ سسکتا رہا......بلک بلک کر روتا رہا......اس کے توانا جسم کے خفیف جھٹکے اس بات کے غماز تھے کہ وہ بری طرح رو رہا ہے......

اسی وجہ سے تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔زلیخا نے کہا۔

اور جو خود اذیت برداشت کی ......اس کا کون حساب دے گا......وہ بھیگا چہرا لئے سیدھا ہوا

چہرا صاف کر لو......مرد روتے اچھے نہیں لگتے۔زلیخا نے مسکرا کر اپنے آنچل سے اس کے چہرے کو صاف کیا۔

جب صدمات کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو آسمان بھی اشک بار ہو جاتا ہے۔وہ اپنے بالوں کو پیشانی سے ہٹا کر بولا۔

ریلیکس بیٹا......میں نہیں چاہتی کہ ردا پریشان ہو......وہ مسکرا دیں۔

میں آپ کو باہر لے کر جاؤں گا......وہاں علاج ہو گا آپ کا۔وہ بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔

میرے بیٹے ......اب فائدہ نہیں ہے ......میرے جیون میں صرف ایک ہفتہ باقی ہے۔

وہ بڑے ضبط اور حوصلے سے ہنس دی۔

نہیں ماما......ایسا نہیں ہو سکتا......آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں......میں آپ کا خون بدلوا دوں گا۔

وہ تیز تیز سانسیں لے رہی تھی......ایک دم اچک کر عظیم نے ہیلر کو پکڑا اور زلیخا کو پکڑا دیا۔

بیٹا ......یہ آلہ کب تک میری سانسوں کی روانی کو قائم رکھے گا۔

یہ روانی ہمیشہ قائم رہے گی .. ماما......خدارا آنکھیں کھولیں......وہ دیوانہ وار زلیخا پر جھکا ......ہیلر ایک طرف لڑھک چکا تھا۔

ماں......عظیم نے گھبرا کر خوشنودہ کو آواز دی......

خدا خیر کرے۔عظیم خوشنودہ او دونوں لڑکیاں بھاگ کر کمرے میں آ گئیں......لیکن زلیخا نے چند لمحوں کی رفاقت گوارا نہ کی......اور یوں صبر و استقامت کی یہ چٹان بکھرے ہوئے حالات سے جنگ کرتے کرتے ہمیشہ کے لئے ریزہ ریزہ ہو گئی اور اس کی روح ایک ہفتہ قبل قفس عصری سے پرواز کر گئی۔اس طرح اس کی برباد شکستہ زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔

☆

ختم شد